شعبۂ نشر واشاعت
جامعہ سراج العلوم السلفیہ
جھنڈانگر (نیپال)

ارشادات ربّانی:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ،بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ-

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾(آل عمران:۱۸۵)

ترجمہ:۔ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے دیئے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے۔

تفسیر:۔ اس آیت میں ایک تو اس اٹل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں، دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے اچھا یا بُرا جو کچھ کیا ہوگا، اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا، تیسرا کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ کامیاب اصل میں وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا، چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے، جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا، وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام و نامراد ہے۔

ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنهما قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول:"إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتىٰ إذا لم يبق عالماً، اتخذ الناس رؤوساً جهالاً، فسئلوا فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا". (متفق عليه)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: "اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں کے سینوں سے کھینچ لے، لیکن وہ علم کو علماء کی وفات کے ذریعے سے اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے، پس ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور (یوں) خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔ (بخاری و مسلم)

فوائد: یہ قرب قیامت کی ایک علامت کا بیان ہے کہ علمائے دین ناپید ہو جائیں گے اور جاہل لوگ سردار، پیشوا اور امام بن جائیں گے، جن کو قرآن و حدیث کا علم ہی نہیں ہوگا، اس کے باوجود وہ مفتی اور مجتہد بنے ہوں گے اور اپنے فتوؤں اور خود ساختہ مسئلوں سے اپنے ساتھ دوسرے لوگوں کی بھی گمراہی کا باعث بنیں گے، اس میں جہاں اس امر کی ترغیب ہے کہ علمائے دین زیادہ سے زیادہ تیار کئے جائیں، وہاں اس کی بھی تاکید ہے کہ جاہلوں کو دین کا پیشوا بنانے سے اجتناب کیا جائے۔

(ترجمہ و فوائد، تحقیق و تخریج: حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیا دگا ر با با سردا ر خا ں پدربزرگوا ر الحا ج نعمت اللہ خا ں رحمہ اللہ با نی جا معہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر، نیپال

وجعلنا سراجا وهاجا

جامعہ سراج العلوم السلفیہ

کا ترجمان

ماہنامہ

السراج

جھنڈانگر (نیپال)

جلد نمبر : (۲۶ و ۲۷)

شمارہ نمبر : (۱۱، ۱۲، ۱، ۲، ۳)

اپریل تا اگست : ۲۰۲۰ء

شعبان تا ذی الحجہ : ۱۴۴۱ھ

بانی: خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

مجلة اسلامية علمية شهرية

مدیر مسئول

شمیم احمد ندوی

مدیر

عبدالمنان سلفی

مجلس مشاورت

مولانا صلاح الدین مدنی (کویت)

مولانا عبدالوہاب حجازی (ڈومریاگنج)

مولانا خورشید احمد سلفی (جھنڈانگر)

ڈاکٹر منظور احمد خاں (کدربٹوا)

مولانا وصی اللہ مدنی (جھنڈانگر)

مولانا مشہود خاں (کپل وستو)

اشاعت خاص بیاد:

شیخ الحدیث ومفتی فضیلۃ الشیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ

जि.प्र.का.द.नं. २४/०७४/७५
जि.ह.का.द.नं. ०५

अल-सिराज

(मासिक उर्दू पत्रिका)

वर्ष:३, अङ्क:१-५ अप्रेल-अगस्त २०२०

प्रकाशक:
जामिया सिराजुल उलूम अलसल्फिया
झण्डेनगर, कृष्णनगर, कपिलवस्तु

संरक्षक/ अधयक्ष
मौ० शमीम अहमद नदवी

संरक्षक सल्लाहकार
मौ० अब्दुल मन्नान सलफ़ी

सम्पादक
डा० मन्जूर अहमद खाँ

स० सम्पादक
मौ० मशहूद खाँ

सल्लाहकार
डा० अब्दुल गनी अलकूफी
मौ० खुर्शीद अहमद सलफी
मौ० वसीउल्लाह मदनी

कार्यालय
नगर पालिका कृष्णनगर ३
झण्डेनगर, जि० कपिलवस्तु
०७६५२०१२८

कम्प्युटर डिजाइन लेआउट
अल्सिराज कम्प्युटर इन्सिटियुट
कृष्णनगर ३ कपिलवस्तु

मुदक:
कवालिटी डिजिटल प्रिन्टिंग सेन्टर
नगर पालिका कृष्णनगर न: प:३
जि० कपिलवस्तु

بدل اشتراک

نیپال	ہندوستان	دیگر ممالک	خصوصی تعاون
300 روپئے نیپالی	200 روپئے بھارتی	40 ڈالر امریکی	5000 روپئے بھارتی

خط و کتابت وترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ السراج، جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، کرشنا نگر، کپل وستو، نیپال

Mahnama Al-siraj, Jamia Sirajul Uloom Al-salafia
Jhanda Nagar, Krishna Nagar, Kapilvastu, Nepal

فون نمبر 00977-76-520582

E-mail :Jamia np@ . gmail.com - web : www.Jserajululoom.com

Designed By: Irfan Maqbool Nomani

ارجعی الی ربک راضیة مرضیة

فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

ترجمہ: ”اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش، پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں چلی جا“۔(الفجر: ۲۶-۳۰)

ترتیب مضامین اشاعتِ خاص

تجلیات:

مقالات ومضامین:

مقالات ومضامین:

مقالات ومضامین:

تاثرات واحساسات:

تعزیتی پیغامات:

منظوم خراجِ عقیدت:

شیخ الحدیث رحمہ اللہ مقدمات وتقریظات کے آئینے میں:

تجلیات

شمیم احمد ندوی

نئی روشنی نیا قافلہ، نئے عزائم نیا حوصلہ

ایک طویل غیر حاضری کے بعد قارئین ''السراج'' سے مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہورہا ہے۔ ۹/ماہ کا یہ دورانیہ ہمارے لئے آزمائشوں ومشکلات اورعذاب جان سے کسی طرح کم نہیں رہا اور نہ صرف ہمارے لئے، دینی وملّی اداروں کے لئے بلکہ پوری دنیا کے لئے یہ عرصہ سخت ہیجان واضطراب اور مسائل ومشکلات سے لبریز رہا۔ دنیا نے اس عرصے میں کووڈ ۱۹ کے جان لیوا عذاب کا سامنا کیا اور آج تک اس مشکل دور سے نکلنے میں اور اس مصیبت سے چھٹکارا پانے میں کامیاب نہیں ہوسکی ہے۔ اس وبائی بیماری نے دنیا کی معیشت کو اتھل پتھل کردیا اور اس کی فکر کے دھارے کو بہت حد تک تبدیل کردیا، دنیا نے متحد ہوکر اس بیماری کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے خلاف لڑنے اور مؤثر ویکسین نکالنے کی کوششوں میں اسے کوئی قابل ذکر کامیابی اب تک نہیں مل سکی، اس سے دنیا ایک عجیب طرح کے خلفشار اور معاشی زبوں حالی وانتشار میں مبتلا ہوچکی ہے، لیکن اس کا اثر مزدور طبقہ کے بعد تعلیمی اداروں اور علمی مراکز پر سب سے زیادہ پڑا ہے، بیشتر مدارس بند ہیں اور طلبہ کا سال پوری طرح ضائع ہورہا ہے، یہ ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے اور اس نقصان کے ازالہ کی بظاہر کوئی صورت اور کوئی مؤثر تدبیر نظر نہیں آتی۔ فإلی اللّٰہ المشتکیٰ ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ

ماہنامہ ''السراج'' کا آخری شمارہ مارچ کے مہینہ کا طبع ہوکر لکھنؤ میں پڑا رہا، قبل اس کے کہ اسے قارئین کے ہاتھوں تک پہنچانے کی تدابیر اختیار کی جاتیں دونوں ملکوں ہندونیپال میں یکے بعد دیگرے سخت قسم کا لاک ڈاؤن نافذ کردیا گیا، جس سے ہر قسم کی نقل وحرکت اور ہر طرح کی تجارتی وتعلیمی وثقافتی سرگرمیاں معطل ہوگئیں، مدارس میں امتحانات منسوخ کردیے گئے اور طلبہ واساتذہ اور مدرسوں کے ملازمین افراتفری کے عالم میں مدارس کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے، تمام طرح کے دفاتر مقفل کردیے گئے۔

ایسے نامساعد حالات اور صبر وآزمائش کی اس گھڑی میں مدرسوں کو اپنی تعلیمی سرگرمیاں ازسرنو بحال کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آرہا تھا، پھر ان پریشان کن حالات میں دینی پرچوں کو جاری رکھنا اور انھیں قارئین کے ہاتھوں تک پہنچانا ایک مسئلہ تھا۔

دینی واصلاحی پرچوں کی طرف سے عامۃ الناس اور اسلامی سماج کی بے رغبتی وبے توجہی کا حال اہل نظر سے مخفی نہیں، جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ ان صحف ومجلّات کو خرید کر پڑھنا مال کا ضیاع اور وقت کی بربادی سمجھتے ہیں، حالاں کہ ان مجلّات کے اندر دینی موضوعات پر ایسے بصیرت افروز مضامین ہوتے ہیں جو نہ صرف ان کی دینی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ ان کی فکر ونظر کو جلا بخشتے ہیں اور علمی وتحقیقی موضوعات پر تحریر کردہ بیشتر مضامین خصوصی مناسبات میں ان کی رہنمائی کا کام کرتے ہیں اور کتاب وسنت سے ان کا رشتہ جوڑنے اور بدعات وخرافات سے انھیں دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

کورونا وائرس کی وجہ سے حکومتوں نے لاک ڈاؤن کا نفاذ کیا اور سوشل ڈسٹنسگ کو لازمی قرار دیا جس کی وجہ سے

تجارت ومعیشت اور روزگار کے مواقع پر منفی اثر پڑا، مدارس دینیہ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے، کیوں کہ ان مدارس نے علم وعرفان اور شعور وآگہی کے جو چراغ روشن کیے ان چراغوں میں تیل ڈالنے اور زمانہ کے سرد وگرم حالات سے انہیں بچانے کا کام ملت کا خیر پسند اور دین پسند کاروباری طبقہ ہی کرتا ہے، جب ان کی تجارت وکاروبار اور ان کے مختلف طرح کے روزگار پر برا اثر پڑا تو وہ خواہش کے باوجود مدارس دینیہ کا تعاون کرنے اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں اپنے کو بے بس محسوس کرنے لگے اور پھر جب رمضان سے کچھ قبل مارچ کے آخر میں شدید قسم کا لاک ڈاؤن اور کہیں کہیں کرفیو کا نفاذ ہوا، کاروباری ادارے بند کر دیے گئے، وسائل نقل وحمل پر پابندیاں لگا دی گئیں، بسوں وٹرینوں کو کافی وقت کے لیے منسوخ کر دیا گیا، ہوائی سفر کو بھی کافی عرصہ کے لیے معطل کر دیا گیا تو ایسے میں دورونزدیک ملک وبیرون ملک سفر کے امکانات بھی ختم ہو گئے، اس طرح نہ تو آمد ورفت کے ذرائع باقی رہے اور نہ میل جول اور قیام وطعام کی سہولیات برقرار رہ سکیں، مدارس دینیہ کی سالانہ آمدنی کا سب سے مؤثر ذریعہ رمضان میں حاصل ہونے والے چندے ہی سمجھے جاتے ہیں، اس طرح ان کی آمدنی کا یہ سلسلہ وقتی طور پر موقوف ہو گیا اور مدارس ایک صبر آزما اور مشکل دور سے گزرنے لگے۔

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا دینی رسائل ومجلّات کی بے وقعتی وناقدری کسی پر مخفی نہیں، اس کی اصل وجہ لوگوں کا تفریح پسند مزاج ہے اور چوں کہ ان مجلّات میں تفریح طبع کا کوئی سامان نہیں ہوتا اس لیے ان رسالوں کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دینی رسالے بھی دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک اہم ذریعہ ہیں اور چوں کہ عمومی طور پر ان جرائد ورسائل کو خرید کر پڑھنے یا ان کے مستقل خریدار بننے سے لوگ پہلو تہی اختیار کرتے ہیں اس لیے ان کی نشر واشاعت کا بیشتر بار بھی انھیں مدارس کو برداشت کرنا پڑتا ہے جہاں سے یہ شائع ہوتے ہیں، جب کہ کورونا اور لاک ڈاؤن سے پیدا شدہ صورت حال کچھ اس طرح خراب وخستہ اور مخدوش وپامال ہے کہ ان مدارس کو اپنا وجود برقرار رکھنا اور اپنے تعلیمی ودعوتی مشن کو جاری رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔

وبائی مرض کی وجہ سے عام طور سے دنیا کی سرحدوں کو کافی عرصہ کے لیے سیل کیا گیا، پھر جزوی طور پر اجازت ملی تو کئی طرح کی پابندیاں عائد رہیں اور روز سرحدوں کو عبور کرنے سے متعلق قوانین میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، ان میں کبھی سختی اور کبھی معمولی نرمی کا سلسلہ جاری رہا، اس سلسلہ میں چوں کہ کوئی بات یقینی وحتمی طور پر نہیں کہی جاسکتی اس لیے کوئی ٹھوس اور نتیجہ خیز منصوبہ بندی بھی نہیں کی جاسکتی، یہی حال مدارس ومراکز کے کھولنے اور تعلیمی سرگرمیوں کو بحال کرنے سے متعلق فیصلوں کا ہے، حکومت کی وزارت تعلیم، وزارت صحت اور وزارت داخلہ کے درمیان تال میل کی کمی اور کسی ایک فیصلہ پر قائم نہ رہنے کا اثر مدارس کے تعلیمی نظام اور امتحانات کے انعقاد پر بھی پڑنا لازمی تھا، اس لیے شش وپنج، حیص بیص اور گومگو کی کیفیت برقرار رہی۔

ہند ونیپال کے درمیان ۱۸۰۰رکلومیٹر کی طویل سرحد ہے جسے ۱۱۰۰رکلومیٹر طویل سڑکوں سے جوڑا گیا ہے، ان سرحدی اضلاع میں دونوں ملکوں میں مدارس دینیہ کافی بڑی تعداد میں واقع ہیں، خاص طور سے ہندوستان میں یوپی، بہار سے ملحق اندرون نیپال کافی مدارس علم کی روشنی بکھیر رہے ہیں، ان میں کئی مدارس ایسے ہیں جہاں ہند ونیپال دونوں ملکوں کے طلبہ حصول علم میں مصروف ہیں اور یہ طلبہ روز سرحد عبور

کر کے آتے جاتے ہیں۔

جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر نیپال ان تعلیمی اداروں میں سرفہرست ہے جو سرحدی مقامات پر واقع ہیں، یہ ہندوستان کے قصبہ بڑھنی ضلع سدھارتھ نگر یوپی اور نیپال کے جھنڈانگر کپل وستو کے عین نقطۂ اتصال پر واقع ہے، اس تعلیمی مرکز کے تمام شعبہ جات میں کثیر تعداد میں ہندوستان شہریت وسکونت رکھنے والے طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، جو روز اپنے گھروں سے آ کر شریکِ درس ہوتے ہیں اور تعلیمی وقت کے اختتام پر واپس جاتے ہیں، جو عام حالات میں کچھ خاص مشکل نہیں لیکن سرحد عبور کرنے پر عائد طرح طرح کی پابندیوں نے اس کام کو خاصا مشکل بنا دیا، اسی طرح طلبہ کے علاوہ اساتذہ کی بھی ایک قابل ذکر تعداد ایسی ہے جو روز ہندوستان سے نیپال کے اس جامعہ میں آ کر اپنا تدریسی فریضہ انجام دیتے ہیں، لہٰذا سرحد عبور کرنے پر عائد طرح طرح کی پابندیوں نے اس بظاہر آسان کام کو بھی مشکل بنا دیا۔

بہر حال ان مختلف طرح کی آزمائشوں پر مشکلات کے باوجود جامعہ کے مختلف شعبہ جات کو مرحلہ وار کھولنے کا فیصلہ کیا گیا اور الحمدللہ جامعہ کے ذمہ داران اور اساتذہ وکارکنان کو اس میں کافی حد تک کامیابی ملی اور جامعہ سراج العلوم تشنگانِ علوم سے ایک بار پھر آباد ہو گیا اور جامعہ کے ذمہ داران نے ان کا استقبال کیا اور ان کے خورد ونوش اور قیام وطعام کا حتیٰ المقدور انتظام کیا تو جامعہ کے اساتذہ نے ان کی علمی تشنگی بجھانے کا سامان کیا اور ہمیں اس بات کا اطمینان ہوا کہ طلبہ کی تعلیمی زندگی کا ایک قیمتی سال ضائع ہونے سے بچ گیا۔ **فللّٰہ الحمد والمنۃ علیٰ ذٰلک**

جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں تو اب پوری طرح بحال ہو چکی ہیں لیکن اس کی کئی طرح کی ثقافتی ومسابقاتی اور دعوتی سرگرمیوں کو معطل کرنا پڑا۔

ماہنامہ ''السراج'' کی طباعت بھی لکھنؤ میں ہوتی رہی ہے اور وہاں سے چھپوا کر پرچوں کو جامعہ میں لایا جاتا رہا ہے اور اس کام میں کبھی کوئی مشکل نہیں پیش آئی لیکن بارڈر کے حالات مخدوش ہونے کی وجہ سے یہ کام بھی دشوار نظر آیا، پھر طباعت ونقل وحمل اور ترسیل کے مصارف بھی جامعہ کو ان حالات میں گراں بار کرنے والے تھے، اس لیے وقتی طور پر اس کی اشاعت کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔

کورونا وائرس کی وجہ سے پیدا شدہ مسائل تو تمام تعلیمی واشاعتی اداروں کے لیے تقریباً یکساں تھے جن سے بعض ادارے نبرد آزما ہونے میں کامیاب بھی ہو سکے، لیکن آپ کا یہ ہر دل عزیز ماہنامہ اسی دوران ایک دوسری افتاد کا شکار ہوا، ایک ایسی افتاد جو ہمارے لیے سوہان روح سے کم نہیں اور ایک ایسا خسارہ جس کی تلافی کی کوئی تدبیر نہیں، وہ یہ کہ اسی لاک ڈاؤن کے دوران ۲۳/اگست کو ماہنامہ ''السراج'' کے مدیر مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ ہمیں داغ مفارقت دے گئے اور جامعہ سراج العلوم اور ماہنامہ ''السراج'' دونوں ایک ایسی ہر دل عزیز اور باصلاحیت شخصیت کی خدمات سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے جس نے جامعہ کے در وبام کو آباد کیا اور اس کو نئی جہتوں سے روشناس کیا تو ماہنامہ ''السراج'' کی نوک پلک کو درست کیا اور اس کے کاکل وگیسو کو سنوارنے میں اپنی صلاحیتوں وتوانائیوں کو صرف کیا، اس رسالہ کے مستقل قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ اس کی ترتیب وپیشکش اور اس کی تزئین وآرائش کا بیشتر بلکہ تمام تر کام وہی انجام دیتے تھے اور وہ بھی اپنی تدریسی وتنظیمی اور دعوتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کیوں کہ وہ حرکت ونشاط کے پیکر اور فکر وعمل کے خوگر تھے۔ ان کی ناگہانی وفات جامعہ سراج العلوم کے پورے کنبہ

کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، جس سے یوں تو جامعہ کے مختلف شعبہ جات بری طرح متاثر ہوئے ہیں، لیکن ماہنامہ ''السراج'' ان میں سرفہرست ہے، اس وبائی مرض اور حوصلہ شکن حالات کے درمیان ان کی جدائی ہمارے لیے کافی تکلیف دہ اور صبر آزما ہے لیکن ہمیں اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے جو مسبب الاسباب ہے وہ چاہے تو کسی ذرۂ بے مقدار سے بھی کام لے سکتا ہے۔

یہ شمارہ مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ کی وفات کے تقریباً ۵؍ماہ کے بعد شائع ہو رہا ہے لیکن آپ اس کے سرورق پر انھیں کا نام دیکھیں گے تو اس قدم کو حیرت واستعجاب سے دیکھنے کی ضرورت نہیں، میں اس مجلّہ کے مدیر مسئول کی حیثیت سے اس کی وضاحت کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

ان کی وفات کے بعد بھی سرورق پر ان کا نام لکھا جانا کوئی غلطی نہیں بلکہ ایسا دانستہ کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جامعہ سراج العلوم کے سابق مؤقر استاد و شیخ الحدیث اور سابق شیخ الجامعہ و مفتی جامعہ نیز مولانا عبدالمنان سلفی کے والد گرامی مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ جنھوں نے تقریباً نصف صدی تک یہاں تدریسی خدمات انجام دیں اور اپنے شاگردوں اور فیض یافتگان کا ایک وسیع حلقہ تیار کیا، ان کی تین سال قبل ۳؍فروری ۲۰۱۷ء کو اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک جامعہ کی خدمت کرتے ہوئے وفات ہوئی، اسی کے بعد شائع ہونے والے ''السراج'' کے کسی شمارہ میں ان کی حیات و خدمات سے نئی نسل کو روشناس کرانے کے لیے ماہنامہ ''السراج'' کے خاص نمبر کا اعلان کیا گیا، یہ ان کا حق تھا جس کی دو ٹھوس وجوہات تھیں، ایک تو ان کی تنہا ایسی منفرد شخصیت تھی جس نے نصف صدی تک جامعہ میں تدریسی و دعوتی خدمات انجام دیں، اپنے وعظ و ارشاد اور درس قرآن و درس حدیث سے طلبہ و اساتذہ اور عوام و خواص کو فیض پہنچایا، قرآن وحدیث کے دلائل سے آراستہ و مزین اپنے فتاویٰ کے ذریعہ عوام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور خاندانی جھگڑوں اور نکاح وطلاق اور وراثت کے متعلق پیدا ہونے والے تنازعات پر شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلے دیے، تو ان کا یہ حق تھا کہ جامعہ ان کی خدمات کے اعتراف میں اپنے ترجمان مجلّہ کا خصوصی شمارہ نکالے تاکہ ان سے تعلق رکھنے والے لوگ ان کی زندگی کے مختلف گوشوں سے آگاہ ہو سکیں اور اسے اپنے لیے قابل تقلید نمونہ سمجھیں۔

دوسرے وہ مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ کے والد تھے اور مولانا عبدالمنان سلفی ماہنامہ ''السراج'' کے مدیر تھے اور وہ اطاعت شعار اور فرماں بردار اولاد کی طرح اپنے مشفق و مہربان والد کو خراج عقیدت پیش کرنے کے خواہش مند تھے اور یہ چاہتے تھے کہ اپنے والد کی تدریسی و دعوتی زندگی کے مختلف گوشوں کو لوگوں کے سامنے لائیں اور یہ وہ ادنیٰ سا خراج عقیدت ہے جسے وہ پیش کر سکتے تھے ورنہ والدین کے حق میں ان کی پرخلوص دعائیں اور اشک ہائے نیم شبی کے بارے میں بھی یہ امید کی جاتی ہے کہ بارگاہ صمدی میں ضرور شرف قبولیت حاصل کریں گی اور والدین کی مغفرت کا ذریعہ ثابت ہوں گی ان شاء اللہ۔

مولانا عبدالمنان سلفی نے اس خاص نمبر کے لیے تیاریاں کیں، لوگوں سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھوائے اور ان کو ترتیب دے کر آراستہ و پیراستہ کیا، ان کی مختلف طرح کی دعوتی و تنظیمی اور تدریسی و ادارتی مصروفیات کے باعث اس کام میں توقع سے زیادہ وقت صرف ہوا، بہر حال انھوں نے اس خاص شمارہ کو کافی محنت ومشقت کے ساتھ عقیدت میں ڈوب کر مرتب کیا اور خیال تھا کہ مارچ کے بعد کا اگلا شمارہ خاص نمبر ہوگا جو رمضان سے قبل اور مدرسہ کے تعلیمی سال کے آخری ماہ یعنی شعبان میں منظر عام پر آجائے گا جو کئی ماہ کی

ضخامت پر محیط ہوگا، ساری تیاریاں انھوں نے مکمل کر لی تھیں اور اس درمیان معمول کے شمارے بھی وقت پر شائع ہوتے رہے لیکن بدقسمتی سے مارچ کے اواخر میں کووِڈ ۱۹ کی وجہ سے ملک میں لاک ڈاؤن کا اچانک اعلان کر دیا گیا، جامعہ میں ہونے والے سالانہ امتحانات کو منسوخ کر کے ہمیں فوری طور پر جامعہ میں غیر معینہ مدت کے لیے چھٹی کا اعلان کرنا پڑا، ہر طرف افرا تفری مچ گئی اور ہر طرح کی تعلیمی ودعوتی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں، لاک ڈاؤن میں مسلسل توسیع ہوتی گئی اور غیر یقینی کیفیت طاری رہی مولانا عبد المنان سلفی کا ارادہ تھا کہ حالات معمول پر آتے ہی یہ خاص شمارہ زیور طبع سے آراستہ کر کے نذر قارئین کیا جائے گا لیکن ان کی زندگی کے آخری لمحات تک لاک ڈاؤن میں نرمی کے آثار نظر نہیں آئے، اس لیے اس منصوبہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا اور ان کا خواب ان کی زندگی میں شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور شومئی قسمت سے انھوں نے ایک مختصر علالت کے بعد ۲۳/اگست کو اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا اور اپنے اہل وعیال، اعزہ واقرباء کو روتا بلکتا چھوڑ کر اور سراج العلوم کے پورے کنبہ اور اپنے ہزاروں چاہنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ **فإنّا للّٰه وإنا إليه راجعون، اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه.**

چوں کہ یہ خصوصی شمارہ انھیں کی توجہ ومحنت کا نتیجہ ہے اور انھوں نے اس کو زیور ترتیب سے آراستہ کیا اور اسے طباعت کے لیے تیار کیا، اس لیے اگر چہ وہ اب ہمارے درمیان نہیں ہیں تاہم ماہنامہ ''السراج'' کی مجلس ادارت نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ شمارہ انھیں کے نام سے شائع کیا جائے گا، ہمیں دلی صدمہ اور رنج وغم کی کیفیات کے ساتھ یہ اعلان کرنا پڑ رہا ہے کہ یہ ان کی ادارت میں شائع ہونے والا آخری پرچہ ہوگا، جو بعد از مرگ ناگہانی شائع ہو رہا ہے، جب کہ مارچ کا شمارہ اس لحاظ سے ان کی زندگی کا آخری شمارہ ہے کہ وہ اس کو زیور طباعت سے آراستہ کرا کے فارغ ہو چکے تھے لیکن شدید قسم کے لاک ڈاؤن اور بارڈر کی بندشوں کی وجہ سے وہ پرچہ بھی قارئین کے ہاتھوں تک نہ پہنچ سکا۔

اب جامعہ کے اساتذہ کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ راقم الحروف بدستور اس کا مدیر مسئول ہوگا اور فی الحال کوئی ادارت کے منصب پر فائز نہ ہوگا تاہم عزیزم مولوی سعود اختر عبد المنان سلفی معاون مدیر کے فرائض انجام دیں گے اور آئندہ شمارہ سے پرچہ کے سرورق پر ہمارے قارئین معاون مدیر کی حیثیت سے ان کا نام دیکھیں گے، ہمیں امید ہے کہ وہ اپنا نیا فرض منصبی بحسن وخوبی انجام دیں گے، اس حسن ظن کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرحوم والد مولانا عبد المنان سلفی کے زیر تربیت رہ کر اس کام کا تجربہ بھی حاصل کر چکے ہیں اور صحافت کے اسرار ورموز سے بہت حد تک آشنا ہو چکے ہیں۔

اب ان شاء اللہ نئے سال ۲۰۲۱ء سے ماہنامہ ''السراج'' باقاعدگی سے شائع ہوگا اور قارئین کے ہاتھوں تک پہنچتا رہے گا۔ ''السراج'' کے قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ ہمارے ساتھ ہر ممکنہ تعاون فرمائیں تاکہ علم ودعوت کا یہ چراغ معاشرہ کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اپنی روشنی بکھیرتا رہے اور اصلاحِ سماج کے تئیں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہے، ہم نے ہمت کی ہے توفیق صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، آپ کے اخلاقی، علمی اور مالی تعاون کا ہم شکریہ کے ساتھ استقبال کریں گے۔

ہم آپ سے دعا کے بھی خواستگار ہیں اور اللہ سے توفیق کے بھی امیدوار ہیں کہ اللہ ہمیں وہ عزم وہمت عطا کرے کہ ہم ماہنامہ ''السراج'' کے ذریعہ علم ودعوت کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت کی روشنی بکھیرنے کا کام کرتے رہیں، ہماری منزل وہی ہے گر چہ میر کارواں ہمارے درمیان نہیں ہے لیکن عزم وہمت سے ہی آگے بڑھنے کی توفیق ملتی ہے کیوں کہ عین توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے۔ ۞۞۞

حالاتِ زندگی

عبدالمنان سلفی

سوانحی خاکہ

شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی بن مولانا محمد زماں رحمانی رحمہما اللہ

نام ونسب اور خاندانی حالات: مولانا عبدالحنان فیضی بن مولانا محمد زماں رحمانی بن نبی احمد کا تعلق ضلع سدھارتھ نگر (یو. پی) کی معروف ومشہور مسلم اکثریتی بستی انتری بازار (محمودوا گرانٹ) سے ہے، جو تحصیل شہرت گڑھ سے مغرب کی جانب ۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ گاؤں ضلع سدھارتھ نگر بلکہ آس پاس کے دیگر اضلاع میں بعض امتیازات وخصوصیات کے باعث معروف ہے، اول یہ کہ گاؤں ہونے کے باوجود اس کی آبادی قصبہ کے برابر ہے، دوم اس بستی میں تعلیم یافتہ خصوصاً دینی علوم سے آراستہ افراد کی تعداد دیگر مقامات کی بہ نسبت زیادہ ہے، سوم جماعت کے چند اکابر علماء اور مصلحین کا مرز بوم ہے اور چہارم یہاں جماعت کا قدیم ترین ادارہ ''مدرسہ بحرالعلوم'' قائم ہے جو علی الاطلاق یوسف پور اور بونڈیہار کے مدرسوں کے بعد جماعت کا سب سے قدیم ادارہ ہے اور ماضی میں اس کی شاندار اور قابل قدر دعوتی وتعلیمی خدمات رہی ہیں۔

تقریباً ایک صدی پیشتر دیگر مواضعات کی طرح یہ گاؤں بھی شرک وبدعات کی گمراہیوں میں مبتلا اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، مگر اس بستی پر اللہ کا خصوصی فضل ہوا اور یہاں کے چند بزرگوں کو اس نے توفیق دی کہ علاقہ کے معروف ومشہور عالم دین، بے باک مصلح اور روحانی وجسمانی طبیب مولانا سید عابد علی رحمہ اللہ کی خدمات حاصل کرنے کے لیے تگ ودو کریں تا کہ یہاں توحید کا چراغ روشن ہو سکے اور علم کا چرچا بھی ہو، جن بزرگوں نے بنیادی طور سے مولانا کو اس بستی میں لانے کی کوشش کی ان میں قاسم علی خیاط اور داہومیاں کے ساتھ والد محترم مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ کے جد امجد جناب نبی احمد بھی شامل تھے۔ جناب نبی احمد گو کہ باقاعدہ پڑھے لکھے نہ تھے تاہم وہ دین پسند تھے اور ان کے اندر دینی حمیت پائی جاتی تھی جس کے سبب انھوں نے اپنے بڑے صاحبزادے مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کو مشکل حالات کے باوجود دینی تعلیم کے حصول کے لیے فارغ کیا اور اس طرح اس بستی میں ایک علمی خاندان کی بنیاد قائم ہوئی۔

والد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کے والد گرامی اور راقم کے دادا مولانا محمد زماں رحمانی علاقہ کے معروف صاحب زہد وورع عالم دین، مدرس، مبلغ اور داعی ومصلح تھے، متحدہ ہندوستان کی مایہ ناز سلفی درس گاہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے فراغت کے بعد آپ کی پوری زندگی درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں گزری، مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار کی نشأۃ ثانیہ اور اس کو ترقی دینے کا سہرا بھی انھیں کے سر ہے، جب کہ دو تین مراحل میں جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر کے اندر کم وبیش آپ نے ۱۶ برس خدمات انجام دی ہیں اور بہ حیثیت صدر مدرس مدرسہ کے تعلیمی وتربیتی نظام کو بہتر بنانے کے لیے قابل قدر کوششیں کی ہیں، تدریس کے علاوہ آپ نے اضلاع بستی وگونڈہ (بلرام پور، سدھارتھ نگر) اور نیپال کے کپل وستو اور روپندیہی اضلاع میں مؤثر دعوت

وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا ،آپ کی کوششوں سے ان علاقوں پر بڑی حدتک توحید کی روشنی پھیلی اور یہاں کے مسلمان شرک وبدعت کی گمراہیوں سے نجات پاسکے، دادا مرحوم سیدھے سادے مسلمان تھے،ان کی زندگی بڑی صاف ستھری اور سادہ تھی، وضع قطع اور اخلاق واوصاف میں نمونۂ سلف کہے جاتے تھے، ان کا وعظ سادہ مگر بڑا موثر اور دلپذیر ہوتا تھا، قرآن وسنت کے معانی ومفاہیم خالص دیہاتی زبان میں اس طرح بیان کرتے تھے کہ عوام کوانھیں سمجھنے میں ذرہ بھی دشواری نہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے (آمین)

ولادت: مذکورہ خاندان میں والد محترم مولانا عبدالحنان صاحب کی ولادت باسعادت رمضان ۱۳۵۳ھ میں ہوئی، بچپن کے کچھ ایام جھنڈانگر میں گزرے اس لیے کہ دادا جان ان دنوں سراج العلوم میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے اور وہیں اہل وعیال کے ساتھ عارضی طور پر مقیم بھی تھے۔

تعلیم وتربیت: والد محترم رحمہ اللہ نے پرائمری کی تعلیم مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار میں منشی علمدار مرحوم سے حاصل کی، پھر ۱۹۴۷ء کے آس پاس دارالعلوم ششہنیاں تشریف لے گئے جہاں آپ کے والد اور میرے دادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے، وہاں آپ نے دادا مرحوم کے علاوہ مولانا عبدالجلیل رحمانی اور مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر تقریباً ۱۹۴۹ء میں آپ دادا جان کے ساتھ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر تشریف لے آئے اور یہاں دادا کے علاوہ مولانا عبدالرحمٰن بجواوی اور خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی سے اکتساب فیض کیا، انھیں ایام میں جماعت کے معروف عالم اور دادا جان کے مشفق استاد ادیب العصر علامہ عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ بحرالعلوم انتری بازار میں دوبارہ تشریف لا کر اپنے علم کے دریا بہا رہے تھے، اس لیے دادا جان نے والد صاحب کو اپنے مشفق استاد ومربی کی خدمت میں انتری بازار بھیجنے کا فیصلہ کیا اور آپ وہاں کچھ دنوں تک مولانا بسکوہری سے اکتساب فیض کرتے رہے، لیکن کسی خاص سبب سے آپ کو پھر جھنڈانگر آنا ہوا جہاں دوسال رہ کر آپ نے مشکاۃ تک تعلیم مکمل کی اور اس کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو تشریف لے گئے، جو ان دنوں جماعت کا سب سے معیاری تعلیمی ادارہ تصور کیا جاتا تھا اور جہاں ملک کے معروف اساتذۂ فن اپنے علوم کے دریا بہا رہے تھے، اس وقت جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے ناظم مولانا محمد احمد صاحب مرحوم اور صدر مدرس مولانا عبداللہ شائق مئوی رحمہ اللہ تھے، یہ دونوں ہی ذی علم ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے منتظم اور مربی بھی تھے، مولانا شائق رحمہ اللہ سے والد صاحب کچھ زیادہ متاثر رہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شائق صاحب دادا مرحوم کے بھی استاد رہ چکے تھے، مگر ان سے استفادہ کا موقع والد صاحب کو صرف تین برس ملا اس لیے کہ بعض اختلافات کے سبب مولانا شائق رحمہ اللہ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے علیحدگی اختیار کر کے جامعہ اثریہ دارالحدیث نام سے ایک الگ مدرسہ قائم کر لیا تھا۔

جامعہ اسلامیہ فیض عام کے اس دور کے دیگر اساتذہ جن سے والد صاحب نے خصوصیت کے ساتھ اکتساب فیض کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی، مولانا مصلح الدین اعظمی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن مئوی، مولانا عظیم اللہ مئوی رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں، ان قابل قدر ناموں سے اس وقت جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے معیار تعلیم کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، چھ برس جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں گزارنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں آپ نے وہیں سے فراغت حاصل کی، جامعہ اسلامیہ فیض عام کے رفقاء درس میں مولانا امان

اللہ بہاری رحمہ اللہ،مولانا مظہراحسن ازہری حفظہ اللہ اور مولانا حقیق اللہ فیضی نیپالی رحمہ اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں جب کہ استادمحترم ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، استادگرامی مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہما اللہ اورڈاکٹر عبدالعلی ازہری حفظہ اللہ وغیرہ آپ سے ایک دوسال اور مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ تین چار سال پیچھے تھے،نیز صاحبِ مرعاۃ شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے خلف الرشید مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ والد صاحب سے ایک سال آگے تھے،موصوف اپنے گوناں گوں اوصاف وکمالات کے ساتھ کتابت کافن بھی جانتے ہیں اور بقول والد گرامی رحمہ اللہ انھیں جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے ملنے والی سند کی کتابت مولانا نے اپنے ہاتھ سے فرمائی تھی، مولانا جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے فارغ ہونے کے فورا بعد وہیں مدرس مقرر ہوگئے تھے اس لیے والد صاحب کو ان سے بھی حدیث کی کسی کتاب کے پڑھنے کا موقع ملا۔

خواہش جو پوری نہ ہوسکی: جس زمانہ میں آپ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے فارغ ہوئے ان دنوں ہندوستان کے ہونہار طلبہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ ازہر مصر میں داخلہ لیا کرتے تھے، والد صاحب کے رفقائے درس جو مئو کے تھے وہ بھی جامعہ ازہر جانے کی تیاری میں لگ گئے، والد صاحب کے اندر بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ ازہر جانے کی شدید خواہش اور تڑپ تھی مگر اس کے لیے وسائل دستیاب نہ تھے، والد صاحب نے جب دادا مرحوم سے اپنی خواہش کا تذکرہ کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ میں تمھیں ازہر بھیج سکوں اور نہ ہی میں اس کے لیے کسی سے قرض لے سکتا ہوں اور نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتا ہوں، بہرحال والد صاحب کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

تدریسی خدمات: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسہ، ضلع بلرام پور سے کیا، کوئلہ باسہ قصبہ تلسی پور سے شمال کی جانب نیپال کے سرحد پر واقع اس وقت ایک تجارتی قصبہ تھا جہاں مسلمان تاجروں کی بڑی تعداد آباد تھی اور نیپال کے باشندوں کے آنے جانے کے سبب وہاں بڑی رونق اور چہل پہل تھی، مگر اب گذشتہ دوتین دہائیوں سے وہاں تجارت کو زوال آگیا اور ساری رونق ختم ہوگئی بلکہ پورا قصبہ اجڑ سا گیا ہے، ایک سال کوئلہ باسہ میں تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد آپ مدرسہ سعیدیہ، دارانگر، بنارس تشریف لے گئے جو علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ کا قائم کردہ ادارہ تھا، اس زمانہ میں مدرسہ کے مہتمم مولانا عبدالآخر صاحب تھے اور وہاں چوتھی پانچویں جماعت تک کی تعلیم ہوتی تھی، مدرسہ سعیدیہ، دارانگر میں قیام کے دوران ہی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی تاسیس عمل میں آئی تھی اور آپ بنارس ہی سے اس کے سنگ بنیاد کی تقریب میں شریک ہوئے تھے، آپ نے مسلسل چار برس وہاں تدریسی فریضہ انجام دیا، اس کے بعد خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کی پرخلوص دعوت پر جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر تشریف لائے، اور مسلسل گیارہ برسوں تک آپ یہاں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے، اس مدت میں کئی سال آپ نے صدر مدرس کی حیثیت سے جامعہ کے تعلیمی وتربیتی نظام کی نگرانی فرمائی اور ساتھ ہی افتاء اور مکتبہ کی نگرانی کی ذمہ داری بھی سنبھالے رہے، یہ دور تقریباً ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۵ء تک کا ہے، جامعہ سراج العلوم میں تدریس کے دوران جو اساتذہ آپ کے معاصر رہے ان میں مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا قطب اللہ رحمانی ندوی، ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن مدنی،

مولانا عبدالعلیم ماہرؔ، مولانا مختار احمد مدنی رحمہم اللہ اور مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں، اسی دور میں غالبا ۱۹۷۰ء کے آس پاس کسی تعلیمی سال میں معروف صاحبِ قلم مولانا عبد المجید اصلاحی رحمہ اللہ (م ۱۸/جنوری ۲۰۱۷) بھی گھومتے پھرتے جھنڈانگر پہنچے اور انھوں نے جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر میں کچھ دنوں تک ادب وانشاء کی کتابوں کا درس دیا۔

والد صاحب ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کی دعوت پر تدریس کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے، وہاں آپ نے تفسیر بیضاوی، جامع ترمذی، سنن أبی داود، جیسی اہم کتابوں کی تدریس کے ساتھ منطق اور عربی زبان وادب کی کتابوں کی تعلیم دی، یہ وہ زمانہ تھا جب جامعہ سلفیہ کا تعلیمی معیار بڑا اونچا تھا اور وہاں بڑے منتخب اور ہونہار طلبہ اپنی علمی تشنگی بجھا رہے تھے، جامعہ سلفیہ بنارس میں قیام کی مدت میں آپ نے بڑی محنت فرمائی اور اپنے درس سے نہ یہ کہ طلبہ کو مطمئن کیا بلکہ اپنی سادگی، خلوص اور محنت سے انھیں متاثر بھی کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں قیام کا چوتھا سال تھا کہ دادا جان مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کی صحت کافی خراب ہوگئی اور شکر کے عارضہ کے سبب کمزور ہوکر صاحب فراش ہوگئے، چوں کہ گھر پر ان کی خدمت کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا، اس لیے والد صاحب نے مجبوراً جامعہ سلفیہ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا، اسی دوران ایک عارضی سبب یہ بھی پیدا ہوگیا کہ والد صاحب پر فالیریا کا حملہ ہوا، اس کے علاج کے لیے آپ نے جو دوائیں استعمال کیں، ان کا سائڈ افکٹ ہوا، جس کے سبب آپ کو اختلاج اور بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق ہوگیا اور بالآخر آپ نے جامعہ سلفیہ کو خیر باد کہنے کا فیصلہ بدرجۂ مجبوری کرلیا۔

دوبارہ جامعہ سراج العلوم میں:

جامعہ سراج العلوم سے چلے جانے کے بعد یہاں کی مسند درس سونی پڑی تھی اور آپ کے نہ رہنے سے تدریس کے میدان میں جوخلا پیدا ہوگیا تھا وہ پُر نہ ہوسکا تھا، اس لیے خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ برابر آپ کو دوبارہ جھنڈانگر آنے کی پرخلوص دعوت دیتے رہے، بالآخر آپ دوبارہ ۱۹۷۸ء میں جھنڈانگر تشریف لے آئے تاکہ گھر سے قریب رہ کر دادا جان کی دیکھ ریکھ بھی کرسکیں اور آب وہوا کی تبدیلی سے آپ کی صحت بھی معتدل ہوسکے، اسی سال ۱۶/اپریل ۱۹۷۸ء کو دادا جان کا انتقال بھی ہوا۔

۱۹۷۸ء میں جب آپ کی تقرری دوبارہ جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں ہوئی تو یہاں دورۂ حدیث کا قیام عمل میں آیا اور آپ کو خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے شیخ الحدیث نامزد کیا، چنانچہ اس وقت سے ۲۰۱۳ء تک (تقریباً ۳۵ برس) آپ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں مسلسل صحیح بخاری کا درس دیتے رہے اور اس پوری مدت میں آپ نے تفسیر بیضاوی بھی تسلسل کے ساتھ پڑھائی، ان دو کتابوں کے علاوہ تفسیر جلالین، تفسیر ابن کثیر، عقیدہ، حدیث اور عربی زبان وادب کی دوسری کتابیں بھی آپ پڑھاتے رہے، جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں دوبارہ واپس آنے کے بعد آپ کئی برسوں تک شیخ الجامعہ کے منصب پر بھی فائز رہے، تاہم اپنی صحت کی خرابی کے باعث آپ اس ذمہ داری سے مستعفی ہوگئے، جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں تدریس کے ساتھ ہی تقریباً ۱۱ برسوں تک آپ جامعہ کے شعبۂ تعلیم بنات کلیہ عائشہ صدیقہ میں بھی صحیح بخاری کا درس مسلسل دیتے رہے اور ساتھ ہی ایک گھنٹی شرح ''العقیدة الواسطية'' کی بھی پڑھاتے رہے۔

طریقۂ درس: والد صاحب رحمہ اللہ کی تدریسی زندگی کم وبیش ۶۰ سالوں پر مشتمل ہے، اس لمبی مدت میں آپ درس نظامیہ

کی متداول تقریباً ساری کتابیں پڑھا چکے ہیں ،تاہم خصوصیت کے ساتھ آپ کا شغف حدیث رسول ﷺ سے رہا ،چنانچہ آپ نے صحیح بخاری کے علاوہ بلوغ المرام، مشکاۃ، جامع ترمذی اور ابوداود کے دروس دیے ہیں، شروع ہی سے آپ کا یہ معمول رہا کہ بغیر مطالعہ اور تیاری کے ہرگز درس نہ دیتے تھے، یہاں تک کہ بڑھاپے کی منزل میں پہنچنے کے بعد بھی وہ بلا مطالعہ اور تیاری کے نہیں پڑھاتے تھے جب کہ بعض بعض کتابیں وہ دسیوں بیسیوں بار پڑھا چکے تھے، یہی وجہ ہے کہ دوران درس بڑی محنت اور جاں فشانی سے ضروری معلومات طلبہ کو بہم پہنچاتے تھے اور جب تک زیر بحث مسئلہ کے مالہ وماعلیہ پر سیر حاصل گفتگو نہ فرمالیں آپ کو تشفی نہیں ہوتی تھی، آپ سبق کے دوران سوال کرنے پر طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور اچھے سوالات پر خوش ہوکر ان کے جواب دیتے تھے ،تاہم متعلقہ مسئلہ پر گفتگو ختم ہوئے بغیر اگر کوئی درمیان میں سوال کردے تو اس پر برہم ہوتے اور فرماتے کہ اس سوال کا جواب میری گفتگو کے اگلے حصہ میں آرہا ہے، تم نے بلا وجہ جلد بازی کا مظاہرہ کرکے میرے ذہن کو منتشر کیا، شروح احادیث میں تحفۃ الأحوذی اور مرعاۃ المفاتیح کا مطالعہ والد صاحب رحمہ اللہ نے بکثرت کیا تھا، اس لیے ان کی بہت ساری عبارتیں ان کے نوک زبان تھیں، جن کتابوں کو وہ پڑھاتے رہے اس کی عبارتیں انھیں زبانی یاد ہوگئی تھیں اور وہ بسا اوقات کتاب دیکھے بغیر بھی درس دے دیتے، بالخصوص آخری دنوں میں جب ذیابیطس کے سبب ان کی آنکھ کا پردہ متاثر ہوگیا تھا اور بینائی میں کمی آگئی تھی وہ صحیح بخاری وغیرہ کے دروس زبانی دیتے رہتے تھے اور کتاب پر نظر کبھی کبھار ڈال لیتے تھے۔

درس دیتے وقت آپ وقت کی پابندی کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، گھنٹی لگتے ہی درس شروع کردینا اور گھنٹی ختم ہوتے ہی درس بند کردینا آپ کا معمول تھا، آپ بلا وجہ اسباق کا ناغہ بھی نہیں کرتے اور سچی بات تو یہ ہے کہ بلا عذر شرعی شاید ہی آپ نے زندگی میں کوئی گھنٹی چھوڑی ہو، حتی کہ بیماری کی حالت میں بھی اگر درس گاہ جانے کی ہمت رہتی تو درس گاہ میں جاکر کچھ نہ کچھ پڑھاتے ، شدید سردی یا سخت گرمی اور دھوپ یا موسلا دھار بارش ہونے پر میں نے آپ کو کلیہ عائشہ صدیقہ نہ جانے کا بارہا مشورہ دیا کہ صحت بگڑنے کا اندیشہ ہے، مگر آپ نے ہمیشہ میرے مشورہ کو خوش اسلوبی سے ٹال دیا اور کلیہ عائشہ صدیقہ جاکر اپنا فریضہ انجام دیا، یہی سبب ہے کہ سال کے آخر میں جب جامعہ میں اساتذہ کی مقدار خواندگی کے ساتھ ان کی حاضری کا تناسب دیکھا جاتا تو اس میں سرفہرست آپ ہی رہتے تھے۔

نصوصِ حدیث پر نظر: زمانۂ طالب علمی ہی سے نصوص کتاب وسنت بالخصوص احادیث کی عبارتوں کے حفظ پر خاص توجہ رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی حدیث کی ضرورت پڑتی مختصر ورق گردانی کے بعد اپنی مطلوبہ حدیث اصل مأخذ سے نکال لیتے ، والد صاحب رحمہ اللہ نے ایک بار برسبیل تذکرہ یہ فرمایا کہ ''اب تو حافظہ اتنا اچھا نہیں مگر فراغت کے بعد کے کئی سالوں تک حدیثوں پر میری نظر اتنی اچھی تھی کہ جب بھی استاد محترم مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کسی حدیث کے بارے میں استفسار فرماتے یا حوالہ دریافت کرتے تو دو منٹ میں ان کی مطلوبہ حدیثوں کو کتاب کھول کر ان کے سامنے رکھ دیتا''، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''الحمد للہ مجھے یہ بات یاد رہتی تھی کہ فلاں حدیث کس کتاب کے کس باب میں دائیں یا بائیں صفحہ پر اور صفحہ کے درمیان یا نیچے یا اوپر ہے''، آخری سالوں میں بھی جب آپ درس دیتے یا وعظ فرماتے تو لمبی لمبی حدیثوں کا پورا متن ایک سانس میں پڑھ جاتے، پھر اس کی تشریح کرتے۔

افتاء وقضاء: والد صاحب رحمہ اللہ نے تقریباً ۱۹۶۴ء میں افتاء کی ذمہ داری سنبھالی، جب آپ پہلی بار جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں مدرس مقرر ہوئے، جامعہ سلفیہ کے چارسالہ مدت قیام (۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۱ء) کو چھوڑ کر ۱۹۶۴ء سے تا دم واپسیں آپ جامعہ سراج العلوم کے شعبۂ افتاء کی ذمہ داری سنبھالے رہے اور جامعہ کے شعبۂ افتاء میں آنے والے استفسارات کے تحریری وزبانی جواب مرحمت فرماتے رہے، آپ کے فتاوٰں کا مجموعہ راقم نے مرتب کررکھا ہے اوراس کی تخریج وتحقیق کا کام ان کے شاگرد رشید مولانا وصی اللہ عبد الحکیم مدنی اور پوتے عزیزم مولوی سعود اختر عبدالمنان سلفی سلمہما اللہ مکمل کرچکے ہیں، اللہ کی توفیق سے آئندہ اس مجموعہ کی اشاعت کا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق۔

فتوی نویسی میں علمائے اہل حدیث کی روش کے مطابق مسائل کونصوص کتاب وسنت سے مدلل کرکے بیان کرتے تھے، عموماً جواب مختصر دیتے تھے، تاہم جس مسئلہ میں تفصیل کی ضرورت ہوتی اسے مالہ وماعلیہ کے ساتھ بیان کرتے تھے، فتوی نویسی میں شروحاتِ احادیث خصوصاً مرعاۃ المفاتیح، تحفۃ الأحوذی، فتح الباری، نیل الاوطار، نیز المغنی لإبن قدامۃ، فتاوی ابن تیمیہ، فتاوی ابن باز وغیرہ سے استفادہ کرتے اور ان کتابوں کا حوالہ بھی نقل فرماتے، اسی طرح بعض مسائل میں فتاویٰ ثنائیہ اور فتاوی نذیریہ وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے حوالہ سے جواب لکھ دیتے۔ کم وبیش چار پانچ سالوں سے جب آپ کی صحت زیادہ کمزور ہوگئی تو آپ نے یہ کام میرے ذمہ لگا دیا، شروع میں ہوتا یہ تھا کہ آپ زبانی مجھے رہنمائی فرمادیتے اور میں اسے قلم بند کرکے آپ کو دکھا دیتا، پھر اس میں اگر کسی اصلاح کی ضرورت ہوتی تو نشاندہی فرما کر مجھ سے لکھوا دیتے اوراس پر دستخط ثبت کرکے مہر لگا دیتے، بعد میں جب آپ کو میرے بارے میں قدرے اطمینان ہوگیا تو والد گرامی رحمہ اللہ کی ایماء پر میں خود سے جواب لکھنے لگا، سوال اور جواب دونوں کو لفظ بہ لفظ پڑھ کر انھیں سناتا، کبھی کبھار بعض جملے دوتین بار دہرانے کا حکم دیتے، سننے کے بعد دستخط فرما کر اس کی توثیق فرمادیتے اور مہر لگا دیتے، دار الافتاء کی مہر آخری سانس تک ان کے پاس ہی رہی، فتوی لکھتے یا املا کراتے ہوئے اسلام کے مزاج کا خیال رکھتے، وہ کسی بھی مسئلہ میں بے جاسختی کے قائل نہ تھے، البتہ حق بات برملا کہتے اور لکھتے تھے، طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں حلالہ سے بچنے کے لیے بالعموم احناف حضرات اہل حدیث علماء سے رجوع ہوتے ہیں اوران کے فتاوی پر عمل بھی کرتے ہیں، ایک بار میں نے کتاب وسنت کی روشنی میں جواب لکھنے کے بعد ایک مختصر نوٹ تحریر کردیا کہ ''یہ فتویٰ کتاب وسنت کی روشنی میں مسلک سلف کے مطابق ہے جب کہ احناف کا مسلک اس کے برخلاف ہے، اگر سائل اہل حدیث ہے تو فبہا، ورنہ مناسب ہے کہ اس مسئلہ میں بھی وہ اپنے اس مسلک پر عمل کرے جس پر دین کے تمام معاملات میں کرتا ہے یا وہ اللہ سے عہد کرے کہ صرف طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں ہی نہیں بلکہ شریعت کے تمام مسائل میں بھی وہ کتاب وسنت کی پاسداری کرے گا اوران پر عمل پیرا ہوگا''، والد صاحب کو میرا یہ نوٹ پسند نہ آیا اور فرمایا اسے کاٹ دو، ہم اہل حدیثوں سے فتویٰ طلب کیا گیا ہے ہم کتاب وسنت کے مطابق فتویٰ دیں گے، ہمیں حنفی مسلک بتانے کی ضرورت نہیں، یہاں وہ بے چارہ اپنی ازدواجی زندگی بچانے کے لیے آیا ہے، اگر ہم یہ شرط رکھ دیں گے تو وہ تنگی میں پڑ جائے گا، ہمارا کام کتاب وسنت کی

روشنی میں رہنمائی ہے، اگر وہ اسی مسئلہ میں ہماری بات مان لیتا ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے، ممکن ہے اللہ اسے ہدایت دے تو دیگر مسائل میں بھی وہ کتاب وسنت کی شاہراہ پر چلنے لگے۔

افتاء کے ساتھ حسب ضرورت آپ قضاء کی خدمت بھی انجام دیتے رہے، خصوصاً خلع وغیرہ کے مسائل کے تصفیہ کے لیے آپ نے جامعہ کے اساتذہ اور جماعت کے اصحاب بصیرت اور صائب الرائے علمائے کرام کے ہمراہ بارہا مختلف مقامات کا سفر کیا ہے۔

وعظ وارشاد: عملی زندگی کے ابتدائی کئی برسوں تک آپ کی توجہ صرف درس وتدریس پر مرکوز رہی اور آپ نے تقریر وخطابت پر کوئی توجہ نہ دی، مگر جب ۱۴۰۰ھ میں ایک ادارہ کی جانب سے آپ کو دعوت وتبلیغ کا بھی مکلّف کیا گیا تو آپ کی خطابت کے بھی جوہر کھلے اور آپ کی یہ صلاحیت بھی نکھر کر سامنے آئی، گذشتہ ۳۵ برسوں کے دوران آپ نے اس میدان میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور اس مدت میں کم ہی جمعہ کے ایام گزرے ہوں گے جن میں آپ نے علاقہ کی مساجد میں جمعہ کا خطبہ ارشاد نہ فرمایا ہو۔

علاقائی دعوتی سفر کے لئے بھی آپ نے موسم کی خرابی یا صحت کی ناہمواری کو کبھی آڑے نہ آنے دیا اور اس سلسلہ میں کوئی سستی نہ کی۔

خطبات جمعہ کے علاوہ آپ نے خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے حسب ایماء جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تقریباً پندرہ برسوں تک درس حدیث کا سلسلہ قائم رکھا اور امام نووی کی مقبول ترین کتاب ''ریاض الصالحین'' کا مکمل درس بالاستیعاب دیا اور اسے کئی مرتبہ ختم کیا، آپ کے دروس میں خطیب الاسلام رحمہ اللہ پوری پابندی کے ساتھ شریک ہوتے تھے، گذشتہ ایک دہائی سے یومیہ درس حدیث کا سلسلہ موقوف رہا تاہم جب تک مسجد میں حاضری کی طاقت رہی تو لوگوں کو موقع بہ موقع فیضیاب کر دیا کرتے تھے۔

ویسے آپ جلسے اور کانفرنسوں کے آدمی نہ تھے، تاہم دعوت وارشاد کے لیے آپ کبھی کبھار دعوتی اجلاس میں بھی شرکت فرماتے تھے، خصوصاً کئی برس پیشتر مقامی جمعیت اہل حدیث حلقہ بڑھنی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جلسوں میں آپ بہ حیثیت صدر پابندی سے شرکت فرماتے تھے مگر صحت کی خرابی کے سبب یہ وفات سے کئی سال پہلے سے جلسوں میں شرکت نہیں ہو پاتی تھی اس لیے کہ جلسوں میں بالعموم رات بھر جاگنے اور بے آرامی سے صحت پر خراب اثر پڑتا ہے۔

آپ کے دروس، خطبات اور وعظ کی زبان بڑی سادہ ہوتی تھی، البتہ آپ کی گفتگو مواد سے پر اور نصوص کتاب وسنت سے مزین ہوتی، اس لیے بڑی مؤثر رہتی اور عوام تو عوام خواص بھی آپ کی تقریروں اور علمی نکتوں سے بھرپور استفادہ فرماتے، تقریباً دس سال قبل جب آپ مسجد آتے جاتے تھے تو جامعہ سراج العلوم کی جامع مسجد میں وقتاً فوقتاً خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے اور عوام وخواص کو مستفید فرماتے، بسا اوقات ہم طلبہ ان سے فیض یاب ہونے کے لیے جامعہ کی جامع مسجد میں کسی خاص مسئلہ پر یا عمومی سوال وجواب کی مجلس منعقد کر لیتے اور ان سے سوال کر کے جواب سے فیضیاب ہوتے اور سارے سامعین استفادہ کرتے۔

تنظیمی وجماعتی خدمات: گو کہ آپ اصلاً میدان تدریس کے شہسوار رہے ہیں تاہم جماعتی حمیت وغیرت کے سبب وقتاً فوقتاً جماعتی خدمات بھی انجام دیتے رہے، چنانچہ تلسی پور کی صوبائی کانفرنس میں آپ نے انتظام وانصرام میں حصہ لیا اور کانفرنس کے دوران نماز باجماعت کے اہتمام کے ذمہ

دار بنائے گئے، اسی طرح ضلعی اور مقامی سطح پر آپ جمعیت اہل حدیث کی مجلس شوری وعاملہ کے بیسیوں برس ممبر رہے اور تقریباً دس برس تک مقامی جمعیت اہل حدیث حلقہ بڑھنی کے امیر وصدر رہے، اسی طرح اس دور میں جب کہ ضلع گونڈہ وبستی (بہ شمول موجودہ سدھارتھ نگر وبلرام پور) کی ضلعی جمعیات متحد تھیں اور اس کے صدر مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ اور ناظم مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ تھے، موصوف حلقہ بڑھنی میں دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار تھے اور مضافات کے علاقوں میں آپ دعوت وتبلیغ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، یہ بات ۱۹۷۰ء کے آس پاس کی ہوگی، قابل ذکر یہ بھی ہے کہ ۱۹۸۰ء یا اس کے قریبی سالوں میں چند برسوں تک آپ ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی (بہ شمول سدھارتھ نگر) کے صدر رہے مگر آپ اپنی تدریسی مصروفیات اور کچھ خرابیٔ صحت کے باعث جلد ہی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے۔

اخلاق وشمائل: والد صاحب رحمہ اللہ سیدھے سادے اور نہایت سادگی پسند تھے، داؤ پیچ اور اکھاڑ پچھاڑ سے وہ ہمیشہ کنارہ کش رہے، تصنع اور بناوٹ سے انھیں نفرت سی تھی، ظاہری رکھ رکھاؤ کو کبھی اہمیت نہ دی، تواضع وخاکساری آپ کے اندر حد درجہ تھی، کبھی خود کو نمایاں کرنے کی نہ کوشش کی اور نہ آپ کو اس کی خواہش ہوئی، اختلاف وانتشار سے دور رہتے تھے، ملاقات کرنے والوں سے ہنستے مسکراتے ملتے تھے، انھیں دعا دیتے اور ان سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرتے، معاملات ہمیشہ پاک وصاف رکھتے، گھریلو لین دین میں بھی وہ تاخیر نہ ہونے دیتے، دوا علاج سے لے کر اپنی تمام تر ضروریات انھوں نے زندگی بھر اپنی کمائی سے پوری کیں اور اپنی اولاد کا ایک پیسہ بھی اپنے اوپر خرچ کرنے سے گریز کیا، اہل علم کی قدر کرتے اور ان کے حسب مراتب ان کی تکریم بھی کرتے، خصوصاً دادا کے ساتھیوں کی بڑی قدر افزائی فرمایا کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت ان کا شیوہ تھا، اپنے اساتذہ کا ادب واحترام ہمیشہ کرتے رہے خصوصاً خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی بڑی عزت کرتے تھے اور وہ بھی اپنے عزیز شاگرد کا بڑا اکرام فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے کوئی فتویٰ دیکھنے کے لیے آپ کے فتوے کا رجسٹر مانگا، رجسٹر کی جلدیں ٹوٹی ہوئی تھیں آپ نے فوراً بائنڈر بلا کر اس کی مضبوط جلد سازی کرائی اور اس کے اوپر سفید کاغذ چسپاں کرا کے کاتب منیر الدین گورکھپوری کو اپنے پاس بلا کر اس پر ان سے یہ تحریر لکھائی **''مسائل علمیہ ودینیہ کے متعلق فتاوی، ازعلامہ مفتی مولانا عبدالحنان صاحب فیضی حفظہ اللہ''** پھر آپ نے یہ رجسٹر آپ کو واپس کیا۔

سفر حج: والد صاحب رحمہ اللہ اپنی فطری طبیعت کے مطابق بھیڑ بھاڑ سے گریز کرتے تھے، اسی سبب انھوں نے بالعموم لمبے اسفار نہیں کیے، چند بار بحالت مجبوری وہ دہلی تشریف لے گئے، سفر حج پر جاتے ہوئے وہ ایک بار ممبئی گئے اور دوران تعلیم وتعلم انھوں نے مئو بنارس کا سفر کیا، اور بغرض علاج ان کا آنا جانا گورکھپور اور لکھنؤ بھی رہا، زندگی کا طویل عرصہ انھوں نے نیپال میں گزار دیا مگر وہ یہاں کی راجدھانی کاٹھمنڈو بھی نہ گئے اور نہ کبھی اس کی خواہش کی، ان کا طویل ترین اور غیر ملکی سفر' سفر حج ہے، یہ مبارک سفر اللہ کے فضل و کرم سے انھوں نے ۱۹۹۴ء میں والدہ محترمہ رحمہا اللہ کے ہمراہ کیا، یہ سفر حج خاندان کے چار افراد پر مشتمل تھا، والدین کے علاوہ والد صاحب کی ایک بیوہ چچی اور خاندان کے ایک اور صاحب محمد یونس نام کے تھے۔

اعزازات وایوارڈس: والد محترم رحمہ اللہ شہرت و ناموری سے بے نیاز گمنامی کی زندگی گزارنے کے عادی تھے،

انھوں نے اپنی خدمات پر کبھی بھی کسی ستائش یا صلہ کی تمنا نہ کی، وہ جو کرتے اللہ کے واسطے کرتے تھے، تاہم نیپال و ہند کے بعض تعلیمی، دعوتی اور رفاہی اداروں کی جانب سے ان کی گراں قدر تدریسی اور دعوتی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں اعزازات اور ایوارڈس سے سرفراز کیا گیا، ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

(۱) ایوارڈ برائے تدریس وافتاء: منجانب مرکز التوحید، کرشنا نگر، کپل وستو، نیپال، ۱۹۹۷ء

(۲) ایوارڈ برائے تدریس وافتاء: منجانب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، بموقع آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، جھارکھنڈ، ۲۰۰۴ء

(۳) ایوارڈ برائے تدریس و افتاء: منجانب جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر، کپل وستو، نیپال، بموقع مؤتمر الدعوۃ والتعلیم، ۲۰۱۳ء

(۴) ایوارڈ برائے تدریس و افتاء و دعوت: منجانب المعہد الإسلامی انوار العلوم گنجہڑا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی، ہند، ۲۰۱۴ء

(۵) ایوارڈ برائے دعوت و تدریس و افتاء: منجانب مرکز التوحید، کرشنا نگر، کپل وستو، نیپال، ۲۰۱۵ء

(۶) ایوارڈ برائے تدریس وتربیت وافتاء ودعوت: منجانب مرکز حراء للتعليم و الخدمات الإنسانية، کپل وستو، نیپال، ۲۰۱۶ء

قابل ذکر بات یہ ہے کہ از راہ تواضع اکثر ان اعزازات و ایوارڈس کو حاصل کرنے کے لئے والد صاحب رحمہ اللہ خود تشریف نہ لے گئے بلکہ اکثر کا حصول ان کی جانب سے ان سطور کے راقم نے کیا ہے۔

اجازۂ حدیث: زندگی کے آخری دس سالوں میں جب والد محترم رحمہ اللہ کا تعارف خلیجی ممالک میں حدیث کے استاد کی حیثیت سے ہوا تو سعودی عرب اور کویت کے بعض بڑے علماء نے حاضرِ خدمت ہوکر اور بعض کتب حدیث کے اطراف پڑھ کر ان سے اجازۂ حدیث لیا اور بعض نے زبانی یا تحریری درخواست کے ذریعہ اجازہ عامہ حاصل کیا، ان علماء میں فضيلة الشيخ الدكتور عبد الله صالح العبيد (ریاض، سعودی عرب) فضيلة الشيخ الدكتور عبد الله الشريكه (کویت) فضيلة الشيخ أبو خالد فلاح المطيرى (کویت) فضيلة الشيخ عبد السلام الفيلكاوى (کویت) فضيلة الشيخ عبد العزيز سعد السريحى (مکہ مکرمہ) فضيلة الشيخ عبد الله رزيق (مکہ مکرمہ) فضيلة الشيخ عبد الله العيدان (مکہ مکرمہ) فضيلة الشيخ فايز متعب الديحانى (کویت) فضيلة الشيخ مطلق الشريكة (کویت) فضيلة الشيخ عارف جاويد محمدى (کویت) اور ان کے صاحبزادگان اور لجنة القارة الهندية کویت کے کئی ذمہ داران وکارکنان قابل ذکر ہیں۔ حفظهم الله و سلمهم۔

اساتذہ: حصول علم کے باب میں آپ کے بعض اساتذہ کا ذکر آ گیا ہے تاہم آپ کے چند اہم اساتذہ کی ایک مختصر فہرست یہاں دی جارہی ہے۔

(۱) منشی علمدار (۲) مولانا محمد زماں رحمانی (۳) مولانا عبدالجلیل رحمانی (۴) مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی (۵) مولانا عبدالرؤف رحمانی (۶) مولانا شمس الحق سلفی (۷) مولانا مصلح الدین اعظمی جیراج پوری (۸) مولانا عبدالمعید بنارسی (۹) مولانا عبداللہ شائق مئوی (۱۰) مولانا محمد احمد (ناظم) مئوی (۱۱) مولانا

عبدالرحمٰن نحویؔ (۱۲) مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی مئویؔ رحمہم اللہ (۱۳) مولانا عظیم اللہ صاحب مئوی حفظہ اللہ وغیرہم۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی لمبی ہے، یہاں چند ممتاز تلامذہ کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوریؔ رحمہ اللہ، مولانا محمد مستقیم سلفی (بنارس)، شیخ عبدالباری فتح اللہ مدنیؔ (ریاض)، شیخ صلاح الدین مقبول احمد (کویت)، ڈاکٹر عزیر شمس (مکہ مکرمہ) ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنیؔ (مالیگاؤں)، ڈاکٹر صغیر احمد مدنیؔ (رأس الخیمہ)، ڈاکٹر اقبال احمد نملی (مالیگاؤں)، شیخ عبدالمعید سلفی (علی گڑھ)، شیخ عبدالقیوم محمد شفیع سلفی (قطر)، شیخ عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ، مولانا احسن جمیل سلفی (بنارس)، مولانا عبداللہ سعود سلفی (بنارس)، شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنیؔ (دہلی)، شیخ شمیم احمد خلیل سلفی (قطر)، مولانا محمد یونس مدنیؔ (بنارس)، شیخ حافظ محمد الیاس باڑی مدنیؔ (ریاض)، سینئر صحافی قطب اللہ خاں (لکھنؤ)، ڈاکٹر عبد المبین خاں (ممبئی) مولانا نعیم الدین مدنیؔ (بنارس) ڈاکٹر محمد حاتم رحمہ اللہ (بنارس) مولانا عبدالرشید مدنیؔ (جھنڈانگر)، مولانا خورشید احمد سلفی (جھنڈانگر)، مولانا محمد نسیم مدنیؔ (نیپال)، مولانا وصی اللہ مدنیؔ (جھنڈانگر)، مولانا عبدالواحد مدنیؔ (ڈومریا گنج)، مولانا عتیق اثر ندویؔ (دریاباد) مولانا صفی احمد راجوری مدنیؔ (حیدرآباد)، مولانا عبدالجلیل مکی (ممبئی)، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم (مئو)، مولانا نسیم اختر سلفی (مئو) مولانا جمیل احمد مدنیؔ (دہلی) مولانا رفیع احمد مدنیؔ (فیجی)، ڈاکٹر الطاف احمد مدنیؔ (مدینہ طیبہ) مولانا شبیر احمد مدنیؔ (سدھارتھ نگر) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی (علی گڑھ) مولانا محمد رفیق سلفی (دہلی) مولانا احمد مجتبیٰ مدنیؔ (دہلی) مولانا ضیاء الحسن سلفی (مئو)، اوران سطور کے راقم کو بھی باضابطہ کئی سالوں تک کسب فیض کا موقع ملا ہے جب کہ عملی طور پر تو وہ تاحیات میرے معلم اور مربی رہے، رحمه الله رحمة واسعة۔

حلقۂ احباب: والد محترم رحمہ اللہ کا حلقۂ احباب گو کہ بہت وسیع نہ تھا تاہم وہ ہمیشہ اپنے بڑوں کا احترام کرتے تھے اور چھوٹوں پر نظر شفقت رکھتے تھے، ہم لوگوں نے بچپن سے اب تک ان کے دوست کے طور پر جن شخصیات کو جانا ہے وہ تمام تر اکابر اہل علم وفضل ہیں، جن میں سے اکثر اب اس دنیا میں نہیں رہے، والد صاحب کا ان سے دوستانہ رابطہ غالبا ان کے علمی فضل وکمالات کے سبب تھا، ان کے خاص احباب جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں، ان میں سب سے روشن نام صاحب اللمحات محقق جماعت مولانا محمد رئیس ندویؔ رحمہ اللہ کا ہے، والد صاحب ان سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے اور میرے بچپن کے ایام میں جب مولانا ندوی میرے گھر تشریف لاتے تھے تو والد صاحب ان کی ضیافت کا اہتمام اپنی طاقت سے بڑھ کر کرتے تھے اور جب والد صاحب بھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تو یہی معاملہ ندوی صاحب بھی ان کے ساتھ کرتے، اللہ دونوں کی مغفرت فرمائے، مولانا عبدالحمید رحمانیؔ رحمہ اللہ بھی والد صاحب کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے، اسی طرح تیسرا نام اس فہرست میں مولانا عبدالمجید اصلاحیؔ رحمہ اللہ کا ہے جن کی وفات والد صاحب کی وفات سے صرف دو ہفتہ پہلے ہوئی، اسی طرح اپنے ساتھیوں میں مولانا امان اللہ فیضیؔ رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی والد صاحب اپنے خاص دوستوں میں کیا کرتے تھے، اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے، موجودین میں عم گرامی مولانا مظہر احسن ازہریؔ حفظہ اللہ، ناظم جامعہ عالیہ عربیہ، مئو سے والد صاحب کا تادم واپسیں خاص تعلق تھا، اسی طرح شیخ عطاء الرحمٰن مدنیؔ دہلی سے بھی زمانہ طالب علمی میں ان کی دوستی رہی ہے، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ جو

فیض عام مئو کے زمانہ طالب علمی میں والد صاحب کے معاصر بھی تھے اور استاد بھی ،ان سے بھی والد رحمہ اللہ کے ساتھ تعلقات نہایت مخلصانہ اور عقیدت مندانہ تھے اور جب بھی موصوف جھنڈانگر کسی بھی مناسبت سے تشریف لاتے تو والد صاحب سے ملاقات کیے بغیر نہ جاتے۔ اللہ ان سب کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ دیر تک باقی رکھے، آمین۔

مرض الموت اور وفات: والد محترم رحمہ اللہ کی صحت جوانی میں قابل رشک رہی، مگر جامعہ سلفیہ بنارس میں قیام کی مدت میں آپ اختلاج قلب اور بلڈ پریشر جیسی کئی مزمن بیماریوں کا شکار ہوگئے اور تادم واپسیں ان سے نجات نہ پاسکے، کچھ دنوں بعد مہلک بیماری ذیابیطس میں بھی مبتلا ہوئے اور تقریبا چالیس سال تک اس سے نبرد آزما رہے، فروری ۲۰۰۸ء میں ضعف قلب کے سبب دل کا شدید دورہ پڑا، آپ کو لکھنؤ لے جایا گیا اور میڈیکل کالج کے شعبۂ قلب ''لاری کارڈیالوجی'' میں داخل کیا گیا، جہاں آپریشن کے ذریعہ آپ کو ''پیس میکر'' لگایا گیا جو نہایت کامیاب ثابت ہوا اور آخری وقت تک کام کرتا رہا، والد صاحب رحمہ اللہ اپنی صحت کے تعلق سے بہت محتاط رہتے تھے اور اپنی تمام تر دوائیں (جن میں کچھ یونانی اور آرویدیک بھی ہوتی تھیں) اسٹاک کیے رہتے تھے، اور بڑی پابندی سے دوائیں ان کے وقت پر کھاتے تھے، کسی دوا کے کھانے میں کبھی تاخیر نہ کرتے، پرہیز بھی مکمل کرتے تھے، آخری چند برسوں میں ضعف معدہ کی شکایت ہوگئی اور وہ قبض اور گیس سے بہت پریشان رہتے تھے، اجابت صاف نہ ہونے پر الجھن کا شکار ہوجاتے اور ہر آنے جانے والے سے اپنی اس تکلیف اور پریشانی کا ذکر کرتے اور دعا کی درخواست فرماتے، ۲۶؍مارچ ۲۰۱۴ء میں والدۂ محترمہ رحمہا اللہ کی وفات کے بعد ان کی صحت زیادہ متاثر ہوگئی اور دن بدن کمزوری اور اضمحلال کا شکار ہوتے گئے، پھر بھی ان کی صحت قابل تشویش نہ تھی، جنوری ۲۰۱۷ء کے دوسرے عشرہ میں اچانک آپ کو کھانسی اور تنفس کی شکایت ہوگئی، ان کے بھانجے اور میرے پھوپھی زاد بھائی ڈاکٹر سعید احمد اثری (جو مقامی طور پر والد صاحب کے مستقل معالج تھے اور ہر وقت ان کی دیکھ ریکھ اور خدمت کے لیے تیار رہتے تھے اور رات ودن میں جب بھی انھیں خبر دی جاتی وہ فوراً پہنچ کر اپنی ذمہ داری انجام دیتے رہے، (فجزاہ اللہ خیرا) نے کچھ دوائیں دیں، مگر خاطر خواہ افاقہ نہ ہوا، پھر مشہور معالج ڈاکٹر انوار احمد صاحب کو زحمت دی گئی وہ والد صاحب کی خدمت میں تشریف لائے اور تنفس اور کھانسی کی دوائیں تجویز کیں، مگر معاملہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' والا ہوگیا اور والد صاحب رحمہ اللہ بہت کمزور ہوگئے، ۳؍فروری کو جمعہ کا خطبہ دے کر میں مسجد سے باہر آیا تو ڈاکٹر انوار احمد صاحب سے ملاقات ہوئی، وہاں ناظم جامعہ بھی تشریف فرما تھے، میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ کیا والد صاحب کو لکھنؤ یا کہیں اور باہر لے جانا مناسب ہے؟ انھوں نے غالبا میری دلداری کے لیے کہا کہ ہاں لے جاسکتے ہیں، دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں، پھر فیصلہ کیا گیا کہ آپ کو لکھنؤ لے جایا جائے، میں نے فون پر برادر محترم ڈاکٹر سعید احمد اثری کو اس فیصلہ سے آگاہ کیا، اولاً انھوں نے والد صاحب کی کمزور اور تشویش ناک صحت کے پیش نظر لکھنؤ لے جانے پر اتفاق نہ کیا، مگر جب ڈاکٹر انوار احمد صاحب کے حوالہ سے بات کی تو انھوں نے بھی میری دلداری ہی کی خاطر اس سے اتفاق کرلیا اور پھر اگلی صبح کے لیے سفر کی تیاریاں شروع ہوگئیں، والد صاحب کے آرام وراحت کی خاطر ناظم جامعہ، اپنے بیٹوں اور عزیزوں کے مشورہ کے بعد ٹرین سے سفر کا فیصلہ کیا، لکھنؤ میں رفیق محترم مولانا شہاب الدین مدنی سے بات کرکے ان سے کسی مناسب ہاسپٹل کے انتخاب اور لکھنؤ میں گاڑی کی فراہمی

کے لیے درخواست کی، موصوف نے یقین دہانی کرائی کہ آپ والد صاحب کو لے کر آئیں یہاں ہر ممکن سہولیات انھیں دی جائے گی، بڑھنی سے لکھنؤ کے لیے اے سی ٹرین میں صبح کے لئے ٹکٹ بک کرالیا گیا، مغرب کے بعد میں نے والد صاحب سے لکھنؤ لے جانے کے بارے میں جب استفسار کیا تو انھوں نے مختصر جواب دیا '' جیسی آپ کی رائے ہو'' میں نے عرض کیا کہ ہم لوگ تو لے جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں صرف آپ کی اجازت کی ضرورت ہے، اس پر وہ خاموش ہوگئے، مگر اندازہ ہوا کہ وہ بھی سفر کے لیے تیار ہیں، چنانچہ بچوں نے کپڑے بدلوائے، موصوف کے کچھ کپڑے ان کے بیگ میں ان کی ہدایت کے مطابق رکھے گئے اور موصوف سفر کے لیے باقاعدہ تیار ہوگئے، عشاء کی نماز کے بعد انھوں نے شام کا کھانا بھی معمول سے کچھ زیادہ ہی کھایا اور سونے کے وقت کی دوا کے علاوہ ساری دوائیں بھی کھائیں، میری اہلیہ(جو والد صاحب کی سگی بھانجی بھی ہیں) اور پوتیوں نے روزمرہ کے معمول کے مطابق پیر اور سر میں تیل کی مالش بھی کی، والد صاحب بیٹھ کر سونے کے وقت کے اوراد و وظائف پڑھ رہے تھے اور میں آپ کے پاس بیٹھ کر ان کی دواؤں کے پتوں اور ڈبوں پر کھانے کے اوقات اور مقدار کی تفصیلات اپنی اہلیہ اور بچیوں سے پوچھ کر لکھ رہا تھا تاکہ ان کے ساتھ جانے والوں کو دوائیں کھلانے میں سہولت رہے، کہ اچانک سامنے کی طرف ان کا سر جھک گیا، میری بچی سارہ نے آواز دیا بابا! اور پھر جب اس کی آواز پر میں متوجہ ہوا تو سر مزید جھکا، میں نے فوراً انھیں پیچھے کی جانب لٹا دیا اس دوران ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور وہ سفر لکھنؤ کے بجائے سفر آخرت پر روانہ ہو چکے تھے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، اللهم اغفر له وارحمه واسكنه فسيح جناتك۔ آمین۔

جنازہ وتدفین: وفات کے اگلے دن ۴؍فروری ۲۰۱۷ء کو بعد نماز ظہر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں آپ کے ہزاروں شاگردوں اور عقیدت مندوں سمیت علماء ودعاۃ، طلبۂ مدارس اور دینی وملی تنظیموں کے ذمہ داران کا ایک جم غفیر موجود تھا، نماز جنازہ میں اضلاع سدھارتھ نگر و بلرام پور وکپل وستو کے علاوہ نیپال و ہند کے دور دراز اضلاع، شہروں اور خطوں سے بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی بالخصوص مئو، کانپور، لکھنؤ، سنت کبیر نگر، مہراج گنج، دہلی، گونڈہ، بستی، روپندیہی، دانگ اور کاٹھمانڈو وغیرہ سے لوگ شریکِ جنازہ ہوئے، نماز جنازہ بزرگ عالم دین اور صاحبِ مرعاۃ المفاتیح شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے خلف الصدق مولانا عبدالرحمٰن رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ نے پڑھائی، جنازہ کے بعد آپ کو جھنڈا نگر نیپال کی اہل حدیث قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا، شرکاء جنازہ کی تعداد کا اندازہ کم وبیش آٹھ ہزار لگایا گیا۔

پسماندگان اور اولاد واحفاد: والد صاحب رحمہ اللہ کے پسماندگان میں آپ کا اکلوتا بیٹا راقم عبدالمنان سلفی، دو بیٹیاں صفیہ خاتون اور حمیدہ خاتون، نیز آٹھ پوتے (سعود اختر سلفی، اسعد، حمود منان، حماد منان، حامد، محمد، احمد اور سعد) چھ پوتیاں (سعدیہ، ہادیہ، سارہ، مسعودہ، میمونہ اور سمیہ) اور ایک درجن سے زائد نواسے ونواسیاں اور ان کی اولاد، آپ کی دو سگی بہنیں سلمیٰ خاتون و رضیہ خاتون اور آپ کے بہنوئی و داماد اور بھانجے و بھانجیاں وغیرہ ہیں، اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر وتحمل کی توفیق دے، آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ کی خدمات و حسنات کو مغفرت اور رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

۞۞۞

شمیم احمد ندوی

مفتیٔ جامعہ مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کا انتقال پُر ملال

(جامعہ کے در و بام سوگوار اور مسند تدریس وافتاء سونی سونی)

۳ فروری جمعہ کی شب دس بجے جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر کی فضا یک لخت سوگوار ہوگئی اور اس کے در و بام اس وقت اشک بار ہوگئے جب جامعہ کے مفتی وشیخ الحدیث اور استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحنان فیضی –رحمه الله رحمة واسعة وتغمده بواسع مغفرته وأدخله فسيح جناته– نے ایک مختصر علالت کے بعد ۸۵ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، إنا لله و إنا إليه راجعون۔

یوں تو شیخ رحمہ اللہ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے اور عارضہ قلب اور مرض ذیابیطس وتنفس سمیت کئی جان لیوا عوارض کا شکار تھے، ہارٹ سرجری کے سلسلہ میں ''پیس میکر'' بھی لگا ہوا تھا، لیکن کچھ وقتی تکالیف کے علاوہ بحیثیت مجموعی ان کی صحت اطمینان بخش تھی اور ایسا کوئی فوری خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح اچانک جامعہ کی مسند درس وافتاء کو سونی چھوڑ کر ہمیں داغ مفارقت دے جائیں گے۔

صرف ایک ہفتہ قبل ان کی بیماری نے شدت اختیار کر لی، اضطراب و بے چینی میں اضافہ کے ساتھ تنفس کی شکایت بڑھ گئی لیکن پھر بھی اللہ کے فضل خاص سے آخر وقت تک ہوش وحواس قائم رہے، عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، سب لوگوں کو پہچانتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے رہے، وفات سے صرف ایک روز قبل لکھنؤ سے مدرسہ حاضر ہو کر جب راقم سطور نے بھی مفتی صاحب سے ملاقات اور ان کی عیادت کی سعادت حاصل کی تو صرف یہ کہ وہ مجھ ناچیز کو پہچان گئے بلکہ خود میری صحت کا حال دریافت کرتے ہوئے میری صحت و درازیٔ عمر کے لیے دعا فرمائی اور اپنی تکالیف کو رفع کرنے کے لیے مجھ سے بھی دعا کی درخواست کرتے رہے، اس وقت بھی ہم سب کو کسی فوری خطرہ کا احساس نہ تھا، تاہم بعد نماز جمعہ یہاں کے مشہور معالج ڈاکٹر انوار احمد خاں کے مشورہ پر انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنے کے لیے لکھنؤ لے جانے کا فیصلہ کیا گیا، ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کے مطابق ٹرین کے سفر کو ترجیح دی گئی، صبح کی ٹرین میں سنیچر کی صبح چھ بجے بڑھنی سے روانہ ہونے والی ایکسپریس ٹرین میں جو صرف چار گھنٹہ میں لکھنؤ پہنچتی ہے، تیمارداروں (بیٹے مولانا عبدالمنان سلفی، پوتے سعود اختر سلفی وحماد اور نواسے سالم اکرم) کے ہمراہ ٹکٹ بک کرالیا گیا، میڈیکل کالج کے شعبۂ قلب کے مرکزل ''اری کارڈیالوجی'' میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا گیا جہاں ۲۸ مارچ ۲۰۰۸ کو پیس میکر لگایا گیا تھا، لیکن رات ہی میں وقت موعود آپہنچا اور سارے انتظامات اور تدابیر دھری کی دھری رہ گئیں، تقدیر کا فیصلہ پورا ہوا جس

میں کسی بھی تدبیر سے وقت رحلت میں ایک لمحہ کی بھی تقدیم وتا خیر ممکن نہیں، یعنی ع

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

مولانا کا سانحہ ارتحال نہ صرف ان کے اعزہ واقرباء اوران کی اولاد واحفاد کے لیے انتہائی صدمہ کا باعث ہے، بلکہ جامعہ سراج العلوم اوراس سے وابستہ تمام اداروں، جامعہ کے اساتذہ وکارکنان، جامعہ سے تعلق رکھنے والے تمام وابستگان اور ان کے ہزاروں تلامذہ اورعقیدت مندوں کے لیے ایک ناقابل فراموش صدمہ ہے۔ کیوں کہ ان کی حیات مستعار کا بیشتر حصہ جامعہ سے ہی وابستہ ہے اور یہاں کی تاریخ کے ورق ورق پران کی خدمات کی داستان رقم ہے، انہوں نے ثانویہ تک کی تعلیم یہیں حاصل کی، جہاں ان کو خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری جیسا معلم ومربی ملا، جنھوں نے ان کے والد مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے خصوصی مراعات سے بھی نوازا اور طلب علم کی راہ میں ان کی دلچسپی ومحنت اوران کی خفتہ صلاحیتوں کو بھی پہچانا اور بلفظ دیگر اس نایاب ہیرا کو تراش خراش کے بعد جوہر قابل بنایا، پھر مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے وہ دو مرحلوں میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی خدمات کی انجام دہی پر مامور ہوئے، تدریسی ذمہ داریوں کا یہ کل دورانیہ تقریبا ۴۹ سال پر محیط ہے، پہلا مرحلہ ان کے دور جوانی کا ہے جو ۱۱ سالوں پر محیط ہے، جس میں کئی سال وہ صدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے، پھر جب خطیب الاسلام رحمہ اللہ رابطہ عالم اسلامی کی رکنیت کے باوقار منصب پر فائز کیے گئے تو ان کی کوششوں سے جامعہ کی تعلیم عالمیت تک ہونے لگی، عالمیت تک کی تعلیم کے لیے اچھے، لائق اور کہنہ مشق اساتذہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ ان کو بہت اصرار سے جامعہ سلفیہ سے دوبارہ جھنڈانگر لے کر آئے تا کہ جامعہ کا تعلیمی معیار بلند کیا جا سکے اوراس کو اس لائق بنایا جا سکے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ سے اس کا معادلہ منظور ہو جائے، الحمدللہ ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور جامعہ کا معادلہ جامعہ اسلامیہ اور سعودی وزارت تعلیم عالی سے منظور ہوا۔

مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کو دوسرے مرحلہ میں ۱۹۷۸ء میں مسند درس کو رونق بخشنے کی پیش کش ہوئی جسے انھوں نے برضا ورغبت قبول کیا، پھر تو درس وتدریس اور افتاء و تحقیق کا یہ سلسلہ جسم وجان کا رشتہ باقی رہنے تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا، درمیان میں تمام اساتذہ کے اتفاق رائے اور مجلس انتظامی کے بھرپور اعتماد سے ان کو شیخ الجامعہ کے منصب پر فائز کیا گیا کہ اساتذہ میں سے بیشتر کا شماران کے تلامذہ میں ہوتا تھا اور سب کی نظروں میں ان کا حد درجہ احترام تھا، پھر اپنی تدریسی لیاقتوں کی وجہ سے بھی اس منصب وذمہ داری کا ان سے بڑھ کر کوئی اہل نہ تھا۔ کیوں کہ جامعہ سراج العلوم کے نصاب میں داخل کتابوں میں سے مشکل وادق اور اونچی جماعتوں میں پڑھائی جانے والی کلیدی کتابوں کا درس انہیں کے ذمہ تھا، جن میں صحیحین کے علاوہ سنن کی بعض کتابیں ابوداؤد، ترمذی وغیرہ اور تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر کے علاوہ عربی ادب وبلاغت کی کتابیں بھی وقفہ وقفہ سے ان کے زیر درس رہیں اور حقیقت یہ ہے کہ سارے

مضامین کی تدریس کا حق وہ ادا کر دیتے تھے اور طلبہ کی تشنگی بجھا کر انہیں شاد کام کیا کرتے تھے۔

اپنے استاد محترم خطیب الاسلام جھنڈانگری رحمہ اللہ کے حسب ایماء اور کلیہ عائشہ صدیقہ کے ناظم بھائی عبدالرشید خاں صاحب کی خواہش و اصرار پر کلیہ میں بھی کئی سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر جب قلب کا عارضہ لاحق ہوا اور نقل وحرکت سے بھی بڑی حد تک معذور ہو گئے تو اس اضافی خدمت سے معذرت کر لی، بہر حال ایک عرصہ تک وہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے شعبہ عربی اور کلیہ عائشہ صدیقہ دونوں اداروں میں بیک وقت پڑھاتے رہے اور دونوں جگہ اپنی تدریسی ذمہ داریوں کا حق ادا کرتے رہے۔

اسی طرح جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کی جامع مسجد میں ایک عرصہ تک امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ مولانا صبغۃ اللہ ندوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کو یہ اضافی ذمہ داری سونپی گئی، ان کی شہرت گرچہ بہت بڑے خطیب اور شعلہ بار مقرر کی حیثیت سے بھی نہیں رہی لیکن ان کے مواعظ حسنہ اور ان کا دل نشین انداز بیاں اور قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے مزین ان کے وعظ وارشاد کی مجلسیں عوام وخواص میں یکساں مقبول تھیں، اسی طرح انھوں نے دسیوں برس جامعہ کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر اور پھر بعد نماز عشاء ''ریاض الصالحین'' کا پابندی کے ساتھ درس بھی دیا جس میں حضرت خطیب الاسلام پابندی سے شریک ہوتے تھے، درس حدیث کی اس مبارک مجلس میں آپ نے متعدد بار ریاض الصالحین ختم کرنے کی سعادت حاصل کی، ان کا مطالعہ اتنا گہرا اور علم اس قدر وسیع تھا کہ لچھے دار باتوں مقفع مسجع عبارتوں اور بے سرو پا حکایتوں کے ذریعہ کم علمی پر پردہ ڈالنے کی ضرورت ان کو نہیں تھی، ان کی ذات سے مساجد کے منبر ومحراب کو رونق ملی، لیکن وہ جلسوں وا سٹیج کے آدمی نہیں تھے، جہاں لوگ علم کی گہرائی ناپنے کے بجائے مقرر کی اداؤں اور لفاظیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ان کی سب سے بڑی پہچان مفتیٔ جامعہ کی حیثیت سے تھی، قرب و جوار اور دور ونزدیک کے لوگ ان سے سب سے زیادہ مفتیٔ جامعہ کی حیثیت سے واقفیت رکھتے تھے اور ان کو اکثر لوگ صرف مفتی صاحب کے لقب سے ہی پکارتے تھے۔ عوام وخواص میں ان کو بہت مقبولیت ملی ہوئی تھی اور سب کے دلوں میں ان کا احترام تھا، یعنی وہ ایک بالکل ہی غیر متنازع شخصیت کی حیثیت سے متعارف تھے، میں نے ہوش سنبھالنے اور ان سے واقفیت کے بعد بھی کسی کو ان کے پیٹھ پیچھے ان کو برا کہتے نہیں سنا، یہ خصوصیت ومقبولیت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

غرض کہ ان کی ذات میں بے شمار خوبیاں تھیں لیکن ان سطور میں میں نے صرف ان خصائص وامتیازات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا جن کا تعلق صرف جامعہ سراج العلوم سے ہے، ان کی زندگی کے دیگر علمی، دعوتی، اخلاقی اور انسانی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ اپنے نونہالوں اور آئندہ نسلوں کے لیے ہم ان کو بطور نمونہ پیش کریں۔ اسی لیے ماہنامہ ''السراج'' کی مجلس ادارت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کی حیات وخدمات پر مشتمل ماہنامہ ''السراج'' کا خصوصی شمارہ

شائع کرکے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے، کیوں کہ جہاں اس ناچیز راقم سطور کو اس ادارہ کے ناظم ہونے کا شرف حاصل ہے، جہاں مفتی صاحب کی زندگی کے قیمتی ماہ وسال گزرے وہیں راقم اس پرچہ کا مدیر مسئول بھی ہے، اسی طرح مولانا عبدالمنان سلفی ان کے فرزند اور نسبی وعلمی وارث ہونے کے ساتھ مجلّہ کے مدیر بھی ہیں۔

ان کی وفات حسرت آیات سے جامعہ میں ویرانی کا منظر ہے، ان کی ذات جامعہ کے لیے باعث خیر و برکت تھی اوران کی وفات سے جامعہ کی مسند درس وافتاء جو خالی ہوئی ہے اس جگہ کو پر کرنے کے لیے کوئی متبادل موجود نہیں ہے، یہ سانحہ ان کے اہل خانہ اور پسماندگان کے علاوہ ذاتی طور پر جامعہ کے لیے ایک بڑے خسارہ اور محرومی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے ملک و بیرون ملک سے تعزیت کرنے والوں میں سے بعض نے مجھ ناچیز کے ساتھ بھی اظہار تعزیت کیا اور ان کی وفات کو جامعہ کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے اصحاب علم وفضل اور زہد و ورع اور سادگی وقناعت سے مزین افراد کا ہم سے جدا ہو جانا پوری ملت و جماعت کے لیے ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں نظر نہیں آتی۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

وفات کے اگلے دن ۴ فروری ۲۰۱۷ء کو بعد نماز ظہر ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں عقیدت مندوں، سوگواروں کا ایک ہجوم اور جم غفیر تھا، جن میں بڑی تعداد علماء ودعاۃ، طلبہ مدارس اور دینی وملی تنظیموں کے ذمہ داران کی تھی، اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان کے تلامذہ و شاگردوں اوران سے علمی فیض پانے والوں کی تھی جو ہندو نیپال کے علاوہ خلیجی ملکوں میں بکھرے پڑے ہیں، نماز جنازہ میں جھنڈا نگر کے مضافات اور نیپال و ہند کے اضلاع کپل وستو وسدھارتھ نگر کے علاوہ دونوں ملکوں کے دور دراز اضلاع، شہروں اور خطوں سے بڑی تعداد میں اہل علم نے شرکت کی، بالخصوص مئو، کانپور لکھنؤ، سنت کبیر نگر، مہراج گنج ،بستی، بلرام پور، روپندیہی، دانگ اور کاٹھمنڈو وغیرہ سے لوگ گاڑیاں بک کرا کے شریکِ جنازہ ہوئے، نماز جنازہ کی امامت بزرگ عالم دین، نمونۂ سلف مولانا عبدالرحمٰن رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ خلف الرشید شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے فرمائی۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مفتی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اوران کی خطاؤں ولغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے جامعہ کوان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین اللھم اغفر له و ارحمه و عافه و اعف عنه۔

۞۞۞

دل مضطر کو کون دے تسکین
رحلت فخر روز گار ہے آج
غم سے بھرتا نہیں دل ناشاد
کس سے خالی ہوا جہان آباد

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری

کچھ یادیں کچھ باتیں

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدالأنبیاء والمرسلین نبینامحمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

غالبًا سن 55ء کی بات ہے جب جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیز آل سعود ہندوستان کے دورے پر آئے تو وہ بنارس بھی تشریف لائے تھے، چنانچہ ان کی آمد کی خبر پر اطراف بنارس کے اضلاع اعظم گڑھ بشمول مئو، غازی پور، جون پور اور الہٰ آباد کے مسلمانوں کا سیلاب امنڈ پڑا تھا، خاص کر مدارس اسلامیہ کے طلبہ واساتذہ بڑی تعداد میں بنارس پہنچے۔شاہ سعود رحمہ اللہ کا پروگرام بنارس ہندو یونیورسٹی میں تھا اوران کا گزر مدن پورہ سے ہونے والا تھا، چنانچہ ان کی گاڑی مدن پورہ سعیدیہ لائبریری کے سامنے رکی اور مولانا عبدالمجید صاحب حریری رحمہ اللہ اور دیگر اعیان بنارس نے ان کا استقبال کیا،اس موقع پر جامعہ فیض عام مئو کے طلبہ میں مولوی حقیق اللہ صاحب،مولوی ابومسعود عبدالرحمٰن بن میاں زکریا صاحب رحمہ اللہ اور مولانا عبدالحنان صاحب وغیرہم تھے اور دارالاقامہ جامعہ رحمانیہ پانڈے حویلی میں خاکسار کے کمرے میں فروکش تھے،یہی مختصر سی ملاقات باہمی تعارف اور دیرپا تعلقات کا مبارک آغاز ثابت ہوئی۔

جامعہ رحمانیہ بنارس سے شعبان ۱۳۷۵ھ موافق مارچ ۱۹۵۶ء میں میں نے تعلیم مکمل کی، حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب عمری مئوی اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عمری جیسے باکمال اساتذہ اور ناظم جامعہ حضرت مولانا عبدالمتین صاحب بنارسی کے دستخطوں سے مجھ کو سند تکمیل سے سرفراز کیا گیا، اور والد محترم حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ نے سالانہ تحریری امتحان لیا اوران کے ہاتھوں سے سر پر دستار فضیلت رکھی گئی اور سند دی گئی،اس کے بعد جامعہ رحمانیہ کے ناظم اعلی اوران کے خاندان اور محلے کے دیگر علماء نے بھی دوبارہ ہمارا شفوی امتحان لیا۔

حضرت اباجان رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ میں طب کی تعلیم حاصل کروں کہ یہ خاندانی چیز تھی اوردادا جان رحمہ اللہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ،صاحب سیرۃ البخاری ، حاذق طبیب تھے،مگرانھوں نے کبھی دوا کی دوکان نہیں کی اور نہ ہی نسخہ نویسی کی کوئی فیس لی اور طبابت خدمت خلق کے ساتھ ہی میرا ذریعہ معاش بھی ہوجائے گا اور بقیہ وقت میں تدریس وتعلیم کا بلامعاوضہ فریضہ انجام دوں گا، جامعہ طبیہ دہلی میں داخلہ کے ساتھ اسکالرشپ بھی منظور ہوگئی تھی اور رہائش کا بھی انتظام ہوگیا تھا مگر اللہ کی مشیئت کچھ اور تھی، چنانچہ دہلی کے سفر سے ایک روز قبل استاذ محترم مفتی حبیب الرحمٰن گھر پر تشریف لائے اور اباجان رحمہ اللہ سے کہا کہ فیض عام میں ایک مدرس کی ضرورت ہے، مجھے مولانا عبدالرحمٰن صاحب (نحوی) نے اسی ضرورت کے تحت آپ کی خدمت میں بھیجا ہے،والد صاحب نے میری جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ اسے ہی لے جایئے،

چنانچہ میں سند یافتہ طبیب ہونے کی بجائے مولوی ہی رہ گیا، فیض عام میں مولوی حقیق اللہ صاحب ان تینوں میں تیز طرار، مولوی عبدالرحمٰن قدرے خاموش اور مولانا عبدالحنان صاحب بہت زیادہ خاموش کم آمیز اور خارجی مشاغل کے بجائے اپنے دروس اور اس کے متعلقات میں منہمک رہتے تھے اور راقم سے ان کا تعلق دروس کے حل تک ہی تھا، چونکہ بیشتر اساتذہ مقامی تھے اور جو بیرونی تھے وہ اپنے عائلہ کے ساتھ شہر میں قیام پذیر تھے، شعبہ عربی کے مدرسین میں ناچیز بھی تھا جس کا قیام مدرسے میں تھا، اسی سے اکثر طلبہ خواہ کسی جماعت کے ہوں ناچیز کے پاس مراجعت کے لیے آتے اور جہاں تک ممکن ہوتا میں اپنی استعداد اور فہم کے مطابق ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا، جس نے مجھ کو ہمہ جہتی مطالعے پر مجبور کیا اور مجھے اس کا بڑا علمی فائدہ حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ حضرت اباجان رحمہ اللہ کے پاس بعض مدارس کی جماعت اولیٰ سے لے کر آخری درجات کے امتحان کے سوالات چننے کے لیے آجاتے تھے اور اباجان ان کتابوں کے سوالات تیار کرنے کے لیے مجھ کو مکلّف فرمادیتے تھے جن میں بعض مشکل ترین کتب ایسی تھیں جو دوران تعلیم ہمارے نصاب میں نہیں تھی ان کتابوں کا جن کو از اول تا آخر مطالعہ کرنا اور اس کے بعد سوال چننا میرے لیے سب سے بڑا امتحان تھا، مبادا کوئی ایسی غلطی ہوجائے جس پر اباجان رحمہ اللہ کی طرف سے سرزنش کا سامنا کرنا پڑے اور شرمسار ہونا پڑے، بعد مدت کے حضرت ابا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم نے بہت مناسب سوالات تیار کیے تھے اور کہیں ترمیم کی ضرورت نہیں پڑی ان کی اس ہمت افزائی پر ایسی خوشی اور مسرت تھی جس کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔

صاحب تذکرہ اور ہمارے ممدوح بھی جب کوئی مسئلہ حل نہ ہوتا تو میرے کمرے میں چلے آتے اور زیردرس کتابوں کی بعض عبارتوں پر تبادلہ خیال کرتے اور مطمئن ہوکر جاتے، **فالحمدللہ علی ذلک۔**

فیض عام سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا واپس اپنے وطن چلے گئے اور خاکسار فیض عام میں 4/سال ۱۹۵۶ء تک تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد مستعفی ہوکر حضرت اباجان کی خدمت میں شرح مشکاۃ کے لیے واپس گھر لوٹ آیا، ۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے چلا گیا اور وہاں سے جنوبی روڈیشیا (سابق زمبابوے) چلا گیا، اس مدت میں مولانا سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔

چار سالوں کے بعد جب وطن واپس آکر اباجان رحمہ اللہ کی خدمت میں رہنے لگا تو مرعاۃ کی طباعت کے سلسلے میں تقریباً ہر ماہ بنارس جامعہ سلفیہ جانا پڑتا، مولانا ان دنوں جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے اور ان سے مختصر سی ملاقات رہتی، وہی خاموش طبیعت اور اپنی مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں انہماک، انہی ایام میں مولانا کو فائکیریا کی اذیت ناک بیماری لگ گئی ''راجہ وجے نگرم'' بھیلوپور کے محل میں اس بیماری کے علاج کا سینٹر تھا، مولانا وہاں کے ڈاکٹر کے زیر علاج تھے، مگر اس سے ان کو افاقہ کے بجائے نقصان ہی ہوا، پاؤں کے ناخن پھٹنے لگے تھے، شاید اس کی وجہ سے انھوں نے اس علاج کو ترک کردیا تھا۔

مولانا اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جامعہ سلفیہ سے مستعفی ہوکر جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈے نگر منتقل ہوگئے اور تادم واپسیں اس ادارے سے منسلک رہے، مختلف مناسبات کے تعلق سے گاہے بگاہے میرا جھنڈانگر جانا ہوتا تھا، اور کبھی ایسا

نہیں ہوا کہ میں جھنڈا نگر گیا ہوں اور ان سے ملاقات نہ کی ہو، آخری ملاقات مولانا عبداللہ جھنڈانگری رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر منعقد سمینار کے موقع پر ہوئی، مولانا اس وقت انتہائی کمزور ہوگئے تھے، اس کے باوجود جب تک ہم ان کے پاس بیٹھے رہے محبت سے باتیں کرتے رہے، کیا خبر تھی کہ یہ ملاقات آخری ثابت ہوگی۔

مولانا کے درس میں کبھی بیٹھنے کا اتفاق تو نہیں ہوا اور نہ ہی ان کے فتاوے نظر سے گذرے کہ ان سے استفادہ کرسکوں، البتہ ایک بار مولانا عبداللہ مدنی رحمہ اللہ کی صاحبزادی کے عقد کے موقع پر مختصر، جامع، اور اثر انگیز تقریر سننے کی سعادت حاصل ہوئی جس میں انھوں نے زوجین کے حقوق اور اسلام میں ذات برادری، اور طبقاتی اونچ نیچ کے عدم اعتماد پر روشنی ڈالی تھی۔

مولانا عمر میں مجھ سے ایک سال بڑے تھے، میری پیدائش یکم رجب سن ۱۳۵۴ھ کی اور مولانا کا سن ولادت رمضان ۱۳۵۳ھ ہے، ناچیز نے جب آنکھیں کھولیں تو اپنے گھر کو علماء کا مرکز پایا، کوئی ہفتہ ایسا نہ گزرتا جس میں بیرون مبارک پور سے کسی نہ کسی عالم کا ورود نہ ہوتا ہو، تقسیم ہند سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اضلاع بستی وگونڈہ کے علماء میں حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب رحمانی، مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی، مولانا زین اللہ صاحب طیب پوری کی بکثرت آمدورفت رہتی، صاحب تذکرہ مولانا عبدالحنان صاحب کے والدگرامی قدر مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے دیدار سے محروم رہا، ہوسکتا ہے وہ میری عدم موجودگی میں مبارک پور تشریف لائے ہوں۔

مولانا موصوف نے اپنی پوری زندگی کو تعلیم وتدریس، تربیت اور وعظ وتذکیر کے ذریعے قوم کی اصلاح کے لئے وقف کردیا تھا ''الولد صنو أبيه'' کے مطابق ان کے صاحبزادے اور پوتے، پڑپوتے بھی اسی شاہراہ ارشاد وہدایت پر گامزن ہیں، ''بارک الله في جهودهم وتقبل مساعيهم''۔

ایسا بہت کم مشاہدہ میں آیا ہے کہ کسی خاندان میں علم دین کی وراثت مسلسل چار نسلوں تک برقرار رہی ہو، مولانا کے لیے یہ بھی بڑے امتیاز کی بات ہے، مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کی تدریسی مدت تقریباً 54/سالوں تک محیط ہے، یہ طویل مدت کسی علوم کے متوالے اور شیدائی، مخلص، دیانت دار، خداترس استاد کو ماہر اور محنک بنادیتی ہے، کہنہ مشق اور امانت دار استاد کبھی بھی درس گاہ میں بغیر مطالعہ اور مکمل تیاری کے مسند درس پر نہیں بیٹھتا اور اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے اس کو علم کا جو خزانہ ودیعت کیا ہے اس سے اپنے شاگردوں کو مستفیض کرے اور لائق وفائق تلامذہ کی یہی ٹیم اور گروہ مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کی قابل رشک علمی زندگی کا نمائندہ اور جیتا جاگتا جانشین ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو دراز بلکہ دائمی بنائے۔

دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے باقی رہنے والی ذات اللہ کی ہے، مولانا کا وقت مقرر آپہنچا اور انھوں نے بھی بقضائے الٰہی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تجاوز الله عن زلاته وغفر له وأدخله فسيح جناته مع الصديقين والشهداء والصالحين آمين يارب العالمين

۞۞۞

مولانا مظہراحسن ازہری
ناظم اعلیٰ جامعہ عالیہ عربیہ، مئو

رفیق محترم مولانا مفتی عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ یادوں کی روشنی میں

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے شیخ الحدیث اور مفتی مولانا عبدالحنان صاحب فیضی اب اس دنیا میں نہیں رہے، ان کے انتقال کی الم ناک خبرسن کر ہم پر سکتہ طاری ہوگیا، آپ کی علالت کی خبرفون اورسوشل میڈیا کے توسط سے برابر ملتی رہتی تھی اور آخر میں عزیز گرامی مولانا عبدالمنان سلفی کی اس اطلاع سے یک گونہ سکون مل گیا تھا کہ والدمحترم کی حالت اب قدرے بہتر ہے کہ اچانک ۳؍فروری کی شب میں انتقال کی خبرملی، انالله وانااليه راجعون۔

آپ کی وفات پر موت العالِم موت العالَم کا مقولہ صادق آتا ہے، کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جوشجر سایہ دار کے مانند اپنا فیض ہرخاص وعام کوپہنچاتی رہتی ہیں اوران کی زندگی میں ان کی حیثیت سے کماحقہ معرفت حاصل نہیں ہوپاتی مگر جب وہ اس دنیا سے اپنی حیات مستعار کے ایام مکمل کرکے آخرت کے لیے رخت سفر باندھتی ہیں توان کے مقام ومرتبہ کا صحیح اندازہ ہوپاتا ہے اوران سے محرومی کا غم ستاتا ہے۔ مفتی صاحب کی شخصیت بھی انھیں میں سے ایک تھی، جنھوں نے اپنی بے پناہ ذہانت، علمی وسعت، تقویٰ وطہارت، سادگی وشرافت، خلوص وللّٰہیت اورداعیانہ صفات کے سبب علمی دنیامیں وقار واعتبار حاصل کیا، آپ کی وفات سے ملت اسلامیہ ہندونیپال ایک عالم ربانی سے محروم ہوگئی۔

آپ اپنے والد بزرگوار مولانا محمدزماں رحمانی کے سچے علمی وارث تھے، مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسابلرام پور، مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، جامعہ سلفیہ بنارس اور پھر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر سے منسلک رہے اور مسلسل ۶۰؍سالہ تعلیمی، تدریسی، دعوتی واصلاحی خدمات سے بھرپور ایک کامیاب اورمثالی زندگی گزارکر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اس دوران آپ شیخ الجامعہ، استادِ صحیحین اورمفتی عام رہے، ہندونیپال کے سرحدی علاقوں میں آپ نے اپنے مخلصانہ عمل اوردعوتی کردارکی بدولت لوگوں کے نزدیک قبول عام حاصل کیا، آپ کی وفات کی خبر ملتے ہی جامعہ کا ایک نمائندہ وفد آپ کی نماز جنازہ اورتدفین میں شرکت کی غرض سے جھنڈانگر روانہ ہوا، جس میں خاکسار کے ساتھ نائب ناظم جامعہ عالیہ عربیہ الحاج حافظ صفات احمد، شیخ الجامعہ مولانا شریف اللہ سلفی، نائب شیخ الجامعہ مولانا عبدالرحمٰن انصاری،

مولانا محمد مظہر اعظمی، مولانا عطاء الرحمٰن مدنی اور عبداللہ ریاضی شامل تھے، اللہ رب العالمین آپ کی خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے، جنت الفردوس کا مستحق بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا عبدالحنان صاحب کی شخصیت پر مجھ سے اپنے تاثرات کے اظہار کی فرمائش کی گئی ہے، اصل میں کسی ایسی شخصیت کی حیات وخدمات کے بارے میں اظہار کرنا ذرا دشوار ہوتا ہے، جن کے بارے میں معلومات صرف دل ودماغ میں محفوظ ہوں اور اس کے لیے کوئی مستند مرجع موجود نہ ہو، مولانا عبدالحنان صاحب ایک مخلص دوست کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رہیں گے، جن سے تعلق مدرسہ فیض عام کی چوتھی جماعت میں خاکسار کے داخلہ لینے سے شروع ہوا اور تاحیات باقی رہا، ۱۹۵۸ء میں ہماری فراغت کے بعد جب تحصیل علم کے اپنے شوق کو مزید وسعت دینے کے لیے میں اپنے دو دیگر احباب (ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالعلی ازہری حفظہ اللہ) کے ساتھ مصر چلا گیا تو رابطہ ایک طرح سے منقطع ہوگیا، اس دوران تدریسی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے آپ نے مختلف اداروں سے وابستگی اختیار کی، پھر جب میں بحیثیت مدرس سعودی عرب میں خدمات انجام دینے لگا اور چھٹیوں میں وطن آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا تو گاہے بگاہے آپ سے ملاقات کی سبیل نکلنے لگی اور یوں تعلقات میں پھر سے استحکام پیدا ہوتا گیا، جامعہ سلفیہ میں جب آپ مدرس تھے تو میں جب بھی ہندوستان آتا تو ان سے ملاقات ضرور کرتا، بنارس میں قیام کے دوران ایک دفعہ وہ صدیق مکرم جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ اور محترم جاوید اعظم رحمہ اللہ کے ہمراہ ہمارے غریب خانہ پر بھی تشریف لائے تھے، جاوید اعظم صاحب ابھی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھے، یقین کریں ان تینوں حضرات کی آمد سے ہمیں بڑی مسرت اور شادمانی حاصل ہوئی تھی، پورا دن اس قدر مصروف گزرا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا، مفتی رحمہ اللہ اپنے دیرینہ رفقاء مولوی ابو مظفر، ڈاکٹر عبدالعظیم اور مولوی شمس البشر وغیرہم سے ملاقات کرکے بہت خوش ہوئے، مئو میں جماعت اہل حدیث کے بزرگ علماء کرام اور اپنے وقت کے مشہور اساتذۂ کرام میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ (جو مولانا محمد اعظمی مدظلہ العالی کے والد محترم تھے) سے مفتی صاحب کو بڑی عقیدت تھی، مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ مفتی صاحب کے استاذ تو نہیں تھے لیکن ان کی بے انتہا عزت وتکریم کرتے تھے، فیض عام میں طالب علمی کے زمانے میں مفتی صاحب مولانا موصوف سے ملاقات کی غرض سے ان کے گھر جایا کرتے تھے اوران سے علمی فیض حاصل کیا کرتے تھے، استاذ محترم حضرت مولانا عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کو ممتحن کی حیثیت سے فیض عام کے ششماہی امتحان اور سالانہ امتحان میں شرکت کی ضرور دعوت دی جاتی تھی اوران کا یہ معمول تھا کہ امتحان کے دوران وہ ہونہار اور ذہین طلبہ کی خوب حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے اور امتحان کے بعد انھیں اپنے مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے، اس وقت عام طور پر مدارس میں امتحان تقریری ہوا کرتے تھے اور ممتحن حضرات طلبہ کے جوابات سے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا کرتے تھے۔

یادش بخیر! مدرسہ عالیہ عربیہ میں ابتدائی تعلیم اور شعبۂ عربی کی تیسری جماعت پڑھنے کے بعد جب میں ۱۹۵۴ء میں مدرسہ فیض عام گیا تو وہاں چوتھی جماعت میں داخلہ ہوا، اس جماعت میں زیر تعلیم طلبہ میں زیادہ تر بستی اور گونڈہ کے طلبہ تھے، اٹھارہ بیس کی تعداد رہی ہوگی، ان میں خاص طور سے مولانا عبدالحنان صاحب، مولانا عبدالرحمٰن بن میاں زکریا صاحب جھنڈانگری (عم گرامی مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری) اور مولانا حقیق اللہ صاحب (بھلمی) وغیرہ شامل تھے، مولانا عبدالحنان صاحب غالباً مجھ سے ایک سال قبل مدرسہ فیض عام تشریف لائے تھے، ہم جماعت اور ہم سبق ہونے کی وجہ سے ہمارے درمیان رفاقت، صداقت اور اخوت کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مدرسہ عالیہ میں تیسری جماعت مکمل کر کے جب میں داخلہ لینے کی غرض سے مدرسہ فیض عام پہنچا تو امتحان داخلہ کے بعد استاد محترم مولانا عبدالرحمٰن نحوی اور ناظم مدرسہ عالی مرتبت مولانا محمد احمد (رحمہما اللہ) نے باہمی صلاح ومشورہ کے بعد یہ فیصلہ سنایا کہ دارالاقامہ میں رہ کر ہی تعلیم حاصل کرنی ہوگی، تاکہ تم مدرسہ میں رہ کر اس کے تعلیمی وتربیتی ماحول سے مکمل استفادہ کرسکو، صرف جمعرات اور جمعہ کو گھر جانے کی اجازت ہوگی، والد محترم (الحاج عبدالمنان مرحوم) کو محترم جناب ناظم صاحب نے اپنے اس فیصلہ سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ انھیں اس کے لیے راضی بھی کرلیا، چنانچہ جناب ناظم صاحب کے اس فیصلہ کے مطابق مدرسہ ہی میں رہنے لگا، اس طرح مجھے اپنے ان رفقاء درس کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ہماری درسی رفاقت صداقت میں بدلتی چلی گئی اور جلد ہی ایک دوسرے کے سچے دوست بن گئے اور ہمارے درمیان اخوت وہمدردی کا جذبہ اس قدر پروان چڑھا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی مرضی وضروریات پر دوسرے کی مرضی وضروریات کو مقدم سمجھنے لگا، لیکن یہ عمل زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور جلد ہی اپنے برادر عزیز مظفر حسن سلمہ (مرحوم) کے ساتھ بذریعہ سائیکل ہر روز مدرسہ آنے جانے لگا، غالباً میرے بعد برادر عزیز عبدالعلی (ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری) نے جب فیض عام میں داخلہ لیا تو ان کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آئی اور ان کے بارے میں بھی محترم ناظم صاحب کا یہی موقف رہا، محترم جناب ناظم صاحب ایک متبحر عالم دین، نہایت کامیاب وتجربہ کار معلم اور بڑے ہی شفیق ومہربان مربی تھے، تنظیمی امور میں بے مثال تھے، طویل مدت تک تنظیمی ذمہ داری کو بلا کسی ملل واکتاہٹ کے پوری دیانت داری اور تندہی کے ساتھ انجام دینا یہ رب کریم کا خاص انعام واکرام اور اسی کی نصرت وحمایت تھی جو ناظم صاحب کے خلوص وایثار کے بدلے میں اللہ رب العزت نے انھیں عطا کی تھی۔

دورِ طالب علمی میں مولانا عبدالحنان صاحب کا شمار ذہین طلبہ میں ہوتا تھا، خاص طور سے عربی ادب سے ان کو خاص لگاؤ تھا، چنانچہ امتحان سے پہلے مراجعہ وتکرار کا دور شروع ہوتا تو ہمارے موصوف عربی ادب کی کتابوں کا مراجعہ کراتے، اسی زمانے میں محترم ناظم صاحب نے چوتھی جماعت میں پڑھائی جانے والی کتاب ''تلخیص المفتاح'' کے

امتحان میں امتیازی نمبر حاصل کرنے والے طلبہ کے لیے انعام کا اعلان کیا تھا، ناچیز کے ساتھ مولانا عبدالحنان بھی اس انعام کے مستحق قرار پائے تھے، موصوف کی ذہانت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کبھی کبھار درس میں استاد سے کسی صرفی ،نحوی یا درسی معاملہ میں اختلاف ہوجایا کرتا تھا تو استاد ان کی رائے کو عموماً تسلیم کرلیا کرتے تھے۔

اس طرح ساتویں جماعت میں پہنچتے پہنچتے زیادہ تر ہمارے ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم معقولات کو چھوڑ کر ساتویں جماعت میں ہی دورۂ حدیث کرلیں تو وقت کی بچت ہوجائے گی ،اپنی یہ گزارش لے کر طلبہ ناظم صاحب کے پاس پہنچے اوران کے سامنے اپنی منشاء رکھی تو ناظم صاحب نے چندکو چھوڑ کر باقی سب کو دورہ کی اجازت دے دی اوران لوگوں نے مولانا مصلح الدین صاحب جیراج پوری کے یہاں دورہ مکمل کیا ،جن کو اجازت مل گئی تھی ان میں مولوی عبدالرحمٰن جھنڈانگری، مولوی حقیق اللہ (بھلمی)،مولوی محمد یاسین عادل اورمقامی طلبہ میں مولوی ابومظفر وغیرہ شامل تھے،جن کو اجازت نہیں مل سکی تھی وہ کل تین تھے ناچیز کے ساتھ مولانا عبدالحنان اورمولوی محمد یعقوب جومنگورہ بلرام پور کے رہنے والے تھے، ناظم صاحب نے ہم تینوں کواجازت نہیں دی، معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت انھوں نے یہ فیصلہ کیا تھا وہی بہتر جانتے تھے، اس طرح ہم لوگوں نے ساتویں جماعت مکمل کرنے کے بعد آٹھویں جماعت میں مولانا شمس الحق سلفی صاحب کے یہاں دورہ کیا، مولانا شمس الحق صاحب سلفی کے علاوہ جن اساتذۂ کرام سے ہم نے کسب فیض کیا،ان میں مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ فیض عام ،مولانا مصلح الدین صاحب اعظمی،مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی ،مولانا عبدالرحمٰن صاحب نحوی،مولانا عظیم اللہ صاحب مئوی، مولانا عبدالغفورصاحب بسکوہری، مولانا حکیم سلیمان صاحب رحمانی، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب مئوی رحمہم اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری بن شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ شامل ہیں، مولانا مبارک پوری حفظہ اللہ کو چھوڑ کر باقی تمام اساتذہ کرام یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں **اللھم اغفرلھم وارحمھم رحمۃ واسعۃ۔**

تمام عربی مدارس کی طرح مدرسہ فیض عام میں بھی تعلیم کے دوران طلبہ کی انجمن کا اہتمام کیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، جس میں کبھی کبھی اہم شخصیات کو بھی مدعو کیا جاتا تھا، ایک سال ڈاکٹر محمد مصطفیٰ مصری اورمولانا سعیدالرحمٰن اعظمی بحیثیت مہمان انجمن کے پروگرام میں تشریف لائے، ان سے ملاقات اوران کی تقریر سننے کے بعد طلبہ کے اندر عربی لکھنے پڑھنے کا مزید شوق پیدا ہوا اور ہمارے دلوں میں بھی باہر جانے کی خواہش پروان چڑھنے لگی جو آگے چل کر جامعہ ازہر تک رسائی کا سبب بنی۔

یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب مولانا مصلح الدین صاحب عبداللہ پور پٹنہ بنگال سے مدرسہ فیض عام تشریف لائے توان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے ساتھ چلی آئی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ درس گاہوں میں تنگی محسوس ہونے لگی تھی، ورنہ ہم لوگوں سے پہلے دورہ میں کبھی کبھی صرف ایک طالب علم ہوتے تھے ہمارے

ایک اور رفیق درس محمد یاسین عادل بہاری دمکاوی تھے جن کو تحریر وتقریر میں بڑی مہارت حاصل تھی لیکن درسی کتابوں کی طرف ان کی توجہ بہت کم رہا کرتی تھی ،اسی طرح ہمارے ہم درس ساتھیوں میں ایک مولانا عطاء الرحمٰن بھی تھے (شیخ عطاء الرحمٰن مدنی) ان کی خاص بات یہ تھی کہ محترم ناظم صاحب سے خصوصی اجازت لے کر مسلم اسکول میں بھی داخلہ لے لیے تھے اور دس بجے تک مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسکول چلے جایا کرتے تھے اور یوں دونوں نظام تعلیم سے بیک وقت استفادہ کرتے تھے، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ان کے دل میں سعودی عرب جاکر تعلیم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوئی اور بڑی بے سروسامانی کے عالم میں وہ ممبئی روانہ ہوگئے ،اللہ کی طرف سے ایسی مدد حاصل ہوئی کہ سعودیہ جانے والے بحری جہاز میں کسی طرح سوار ہوگئے لیکن جدہ بندرگاہ پہنچنے سے پہلے ہی سمندری سرحدی نگہبانوں کی دسترس سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لیے انھوں نے سمندر میں چھلانگ لگادی اور تیرتے ہوئے کسی طرح ساحل تک پہنچ گئے، پھر وہاں سے مکہ کے مدرسہ صولتیہ میں داخل ہوئے اور بعد میں دیگر جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کا انھوں نے اپنا شوق پورا کیا۔

مولانا عبدالحنان صاحب کے ساتھ گزرے لمحات کو مکمل طور سے بیان کیا جائے تو بات بہت طویل ہوجائے گی ،الغرض! سعودی عرب سے واپسی کے بعد میری ان سے وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہیں، کبھی کسی پروگرام کے سلسلے میں، کبھی بطور خاص ان سے ملاقات کی غرض سے جھنڈانگر حاضر ہوگیا، خاص طریقے سے جب ان کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا اور ان کی صحت دن بدن خراب ہونے لگی تو عیادت کی غرض سے کئی بار ان کے یہاں حاضری کا موقع ملا، چوں کہ ہماری رفاقت کی مدت بہت طویل تھی ،اس لیے ان سے مل کر مجھے دلی اطمینان وسکون محسوس ہوتا تھا، تعلقات میں استحکام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مدرسہ فیض عام میں فراغت کے سال ہم صرف تین ہی طالب علم ساتھ تھے، اس میں سے محمد یعقوب کا انتقال بہت پہلے ہو چکا ہے، ہمارے ہم عصر اور ہم درس ساتھیوں میں کسی نے سمندر میں چھلانگ لگا کر اپنی منزل متعین کی، کسی نے ندوہ کی راہ لی تو کچھ دوسری ذمہ داریوں میں لگ گئے، پچھلے دنوں آپ کی اہلیہ محترمہ کے انتقال کی خبر ملی تو جامعہ کا ایک وفد لے کر جنازہ میں شریک ہوا، ان کے اہل خانہ کے ساتھ تعزیت کا اظہار اور پھر ان کو دلاسہ دے کر واپس چلا آیا، اسی طرح قریب دو سال پہلے جب مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ کی جانب سے آپ کی ہمہ جہت (علمی، اصلاحی، دعوتی، تصنیفی، صحافتی، جماعتی اور ملی) خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا تو آپ کو پُرخلوص ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کرکے دلی مسرت حاصل ہوئی تھی۔

مولانا نہایت خاموش طبع ہونے کے ساتھ ساتھ دین دار، بااخلاق اور بڑے رحم دل انسان تھے، یہی وجہ رہی کہ ان کے ساتھ ہماری رفاقت آخری دم تک باقی رہی۔

۞۞۞

مولانا عبدالمعید مدنیؔ
علی گڑھ

معتبر اور سادہ زندگی

انتری بازار کا علمی ودعوتی خانوادہ اور مولانا محمد زماں رحمانیؔ کا گھرانہ میرے لیے اس وقت سے معروف ہے جب میں گاؤں کے مدرسہ محمدیہ میں عربی اول میں پڑھتا تھا، حافظہ کی پکڑ میں اب بھی وہ منظر ہے جب پہلی بار مولانا محمد زماں رحمانیؔ کو اپنے گھر پر دیکھا تھا، چچا مولانا محمد اسحاق رحمانیؔ کے دائرۂ تعلقات میں جو علماء تھے ان کا ورود مسعود ہمارے یہاں ہوتا رہتا تھا اور کم عمری کے باوجود میں ان کے پاس ٹپک ضرور پڑتا تھا، اُن کی شفقتیں بھی مل جایا کرتی تھیں۔

رحمانیؔ بھائی چارہ کی ڈور میں بندھے علماء کا عجب مخلصانہ رشتہ تھا، اس کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا تھا، بچپن کا ایک منظر اب تک نہیں بھولتا، مولانا محمد زماں رحمانیؔ رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے، چچا کا چہرہ مارے خوشی کے گلنار تھا، رشتے داروں کی آمد سے انہیں اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا کسی رحمانی کی آمد پر خوش دیکھا، چچا کو دیکھا کہ ان کی خوشی ٹھکانے نہ تھی، چاہتے تھے کیا سے کیا عزت وتکریم کر ڈالیں؟ چچا کے سارے متعلقین واحباب، میرے ابا کے بھی متعلقین اور احباب میں شامل ہو جاتے تھے، مجھے اپنے ابا جان کے انتری بازار جانے اور مولانا سے ملنے کے واقعے یاد ہیں۔

اس سفر میں مولانا نے بڑی شفقت فرمائی اور کئی دعائیں بتلائیں اور ان کے کہنے پر لمبی دعائیں یاد کی گئیں، پھر مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کو جانا، اکثر ان کے متعلق اپنے بڑے بھائی خلیل احمد سے سنا کرتا تھا، فیض عام مئو کے تعلیمی دور میں دونوں اسی مدرسے کے طالب علم تھے، انھوں نے ہمیشہ مولانا کی محنت ومتانت کا ذکر کیا۔

پھر بنارس جامعہ سلفیہ میں مولانا سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور سابقہ معرفت کی وجہ سے مولانا سے ہمیشہ انسیت رہی اور ذہن بنا رہا کہ یہ اپنے ہیں، مولانا نے ہماری جماعت کو ابوداؤد اور بیضاوی پڑھایا، مولانا چار سال بنارس میں رہے اس وقت وہاں کے حالات اساتذہ کے لیے اطمینان بخش ہوتے تھے، لیکن وہاں کی آب وہوا مولانا کی صحت کے لیے راس نہیں آئی، اس لیے انہیں مجبوراً جامعہ سلفیہ کو خیرباد کہنا پڑا، جامعہ سلفیہ میں مولانا کے پاس اکثر آنا جانا رہتا تھا اور مولانا کی نظرِ عنایت بھی رہتی تھی۔

مولانا تدریس کا کام بڑی محنت اور تیاری سے کرتے تھے، محنتی تو طالب علمی کے زمانہ سے ہی تھے، جیسا کہ ان کے رفقاء کا بیان تھا اور تدریس تو تعلم سے کہیں بڑھ کر ذمہ داری ہے، ہم لوگوں سے قبل کی پیڑھی کے علماء کبار کے اندر علمی شان اور اخلاقی پہچان ہوا کرتی تھی، مولانا معتبر اور کبار علماء میں سے تھے، پھر ان کی علمی وتدریسی امانت اور ذمہ داری کے کیا کہنے! مجال ہے کہ ذرا مسند درس پر متمکن ہونے میں دیری ہو اور مجال ہے کہ کچھ بھی وقت کاٹنے اور ضائع کرنے کی کوشش ہو یا عندیہ ملے، ایک ایک سکنڈ امانت۔ موضوع اور سبق پڑھانے کی جہاں تک بات ہے ہر ہر گوشے، ہر ہر نکتے کو کما حقہ بیان کرنے اور واضح کرنے کی بھرپور خواہش اور کوشش، کوشش یہ کہ کوئی نکتہ

پکڑ سے باہر جانے نہ پائے، ذمہ داری کے ساتھ بھرپور تدریس ان کی پہچان تھی۔ بیضاوی کے ابتدا کی حروف شمسیہ اور حروف قمریہ کی صوتیاتی بحث عموماً اسکیپ ہوجاتی ہے، لیکن مولانا نے صوتیاتی لغوی بحث کو بھی نہیں چھوڑا، سورۃ البقرۃ میں حروف مقطعات [الم] کے متعلق یہ بحث شروع ہوئی ہے، مولانا اپنا کورس پڑھانے کے لیے بھرپور اور تفصیلی مطالعہ کرتے تھے اور سبق سے متعلق دیگر مصادر کو پڑھتے تھے، تاکہ مالہ وماعلیہ کلیئر ہوجائے، کسی جگہ طلبہ ابہام اور تشنگی کا شکار نہ ہوں، سب کچھ بالکل واضح رہے، خلاصہ یہ ہے کہ مولانا کی جتنی علمی پکڑ تھی اور جتنی صلاحیت تھی طلبہ کے افہام وتفہیم کے لیے سب کو استعمال کرتے تھے، کاہلی وسستی کا کوئی سوال نہیں اور انسان جب اپنی وسعت بھر ذمہ داری نبھائے تو اس پر کوئی کلیم نہیں لگتا، اور ایسا شخص ذمہ داریوں کے تئیں اللہ تعالیٰ کے یہاں ماٴجور ہوتا ہے اور ہر مسلمان سے بس اتنا ہی مطلوب ہے [فاتقوا الله ما استطعتم]

لوگ سوانحی خاکے تو لکھیں گے ہی، تکرار کی بات مناسب نہیں اور لگے بندھے سوانحی خاکوں سے کسی بڑے آدمی کی زندگی اور خدمات کے نقوش ابھر ہی نہیں پاتے، سوانحی خاکہ ڈیڑھ لکیر ہوتی ہے اور اس میں اچھے برے سب برابر ہوجاتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے شکل وصورت، قلب وذہن اور کارکردگی ہر اعتبار سے الگ پہچان دی ہے، پھر ان گنت بھیڑ میں علمی، اخلاقی، اکتسابی پہچان بنالے جانا بڑی بات ہوتی ہے۔ یہی انسانی خصائص ہیں اور اس میں مسلم غیر مسلم یکساں ہوجاتے ہیں، ایک مومن اور عالم کی پہچان ہوتی ہے تقویٰ، صالحیت، صبر، امانت اور مسئولیت، اگر یہ چیز عالم کی پہچان ہے تو عالم عالم ہے، اگر ان صفات سے وہ عاری ہے تو پھر عالم عالم نہیں ہے، نہ اس کی پہچان ہے، عالم ان صفات سے عالم بنتا ہے، لبادوں سے نہیں بنتا ہے اور اسے لوگوں کی تحریری یا زبانی خراج عقیدت کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، اسے فقط اللہ کی عفو وکرم کی ضرورت ہوتی ہے، جب عالم مخلص ہوتا ہے تو اس کے اثرات اس کے گھر والوں پر بھرپور انداز میں نمایاں ہوتے ہیں، شاید ان کا اخلاص ہی ہے کہ تیسری اور چوتھی نسل تک علم دین کا فیض پہنچ گیا ہے اور ہر نسل تقریر، تحریر، درس وافتاء، دعوت وتبلیغ کے اہم کاموں سے وابستہ ہوئی۔

مولانا کا دست شفقت میرے اوپر ہمیشہ رہا، جب بھی جھنڈے نگر جانا ہوا اور ان سے ملاقات ہوئی، بڑی مسرت کا اظہار کیا اور ایسا بھی ہوا کہ مسجد میں خطاب کرنے کا حکم دیا اور اس کی تعمیل کی گئی، میرے اپنے خاص حالات ہیں، لیکن اس کے باوجود تعمیل حکم ہوا، جب تک وہ چلنے پھرنے کے قابل تھے آسانی سے ملاقات ہوجاتی تھی، جب بھی ملے دلی مسرت کا اظہار کیا، دلی دعائیں ملیں اور علمی سرگرمیوں پر انتہائی خوش ہوئے۔

مولانا ایک ثقہ اور متین عالم تھے اور عالم کی خوبیوں سے مزین تھے، دراصل ایسے لوگ عالم کہے جانے کے حق دار ہیں، اب عالم علم وثقاہت سے عالم نہیں بنتا، مصنوعی شہرت اور تولید زر کے ذرائع سے عالم بنتا ہے اور علم وعالم کے لیے وجہ شرمساری بنتا ہے اور اب تو صورت حال پر نظر جاتی ہے تو اپنا یہ شعر پڑھنا پڑتا ہے۔ ؎

کس دور میں خدا نے دیا ہے مجھے وجود
ہر پیکر نفاق سے رہنا پڑا قریب

یہ اللہ تعالیٰ سے شکایت نہیں، درد کا اظہار ہے۔ ظاہر ہے اس کی حکمت خلق کے مطابق ہم اسی دور کے لیے موزوں

تھے، اسی لیے ہمیں اس دور میں وجود بخشا ہے اور منافقوں سے قربت اختیاری بھی اور غیر اختیاری بھی ہے۔ ہم اس کی حکمت پر اعتراض کیسے کر سکتے ہیں؟ چوٹ اور درد کا اظہار کر سکتے ہیں؟۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے جس طرح کی صاف ستھری، ذمہ داری اور محنت کی زندگی گزاری ہے وہ ایک معتبر زندگی ہے، آج کے منافقانہ قلم سے ان کی معتبریت کو داغ دار بنانا بھی نہیں چاہیے، سیر و سوانح پر اس وقت جس طرح سے قلم کا استحصال ہوتا ہے، موئے قلم سے روشنائی کے بجائے آنسو نکلتے ہوں گے، قلم کو تقدس حاصل ہے، تقدیر کے قلم کی تخلیق انسان سے پہلے ہوئی ہے، اللہ نے قلم کی قسم کھائی ہے، لیکن جھوٹ اور نفاق سے قلم کی درگت بن رہی ہے، اس وقت انسان اتنا سستا ہے اور صلاحیتیں اتنی سستی اور غیر معتبر ہیں کہ ان سے کچھ بھی لکھوالو، اس وقت نہ قلموں کی روانی معتبر ہے نہ بھیڑ معتبر ہے، اکثریت اس پوزیشن میں ہیں کہ ان کی شہادت قابل قبول نہیں ہے، محبت اور اخلاص کے چند آنسو اور دعائیں کافی ہیں۔

مولانا کو اللہ نے جس قدر صلاحیت دی تھی اس کو انھوں نے ذمہ داری سے استعمال کیا، یکسوئی کے ساتھ زندگی بھر درس و تدریس و افتاء میں لگے رہے، احتیاط اور شرافت کا ہمیشہ دامن تھامے رہے، سب کے خیر خواہ اور سب کا بھلا سوچنے والے، نہ کسی سے بیر نہ کسی سے دشمنی، دین کے نام پر دنیاوی جھمیلوں سے خود کو دور رکھا، اس پُر فتن دنیا میں ان کی حاجتیں قلیل تھیں، دامن سمیٹ کر زندگی گزار لینا اور فتنوں سے بچ جانا سب سے بڑی عقل مندی ہے اور یہ عقل مندی انہیں آئی تھی، وہ نہ اسٹیج کے آدمی تھے، نہ منصب و کرسی کے طلب گار، زندگی سادہ تھی اور پُر کار بھی، اس وقت زندگی میں جتنی وسعتیں پیدا کیجیے اس کے بقدر کلفتیں پیدا ہوتی ہیں، جتنا اڑیئے اتنا ہی پَر کترے جانے کا امکان ہے، جس قدر شہرت کے رسیا بنیے اتنا ہی گھٹیا بننا پڑتا ہے، مولانا ان ساری کلفتوں سے آزاد تھے اور سارے خرخشوں سے پاک، بے لگام بھاگتی دنیا میں انسان اپنی زندگی کا لگام کھینچ لیتا ہے، پھر اس کی زندگی میں سادگی اور پرکاری آجاتی ہے، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تھی کہ اپنے گرد احتیاط کا حصار کھینچ لیں اور ساری ملمع سازیوں اور تصنعات سے بچ جائیں، آج کا انسان کمالات کی گنتی کرتے کرتے عظمت کے ہمالہ کو چھو لینے کا خواست گار ہوتا ہے، مگر اس کمیت اور مقدار کے دنگل میں کیفیت دل پر دستک دینا بھول جاتا ہے اور بسا اوقات سرخروئی کے سارے سامان روسیاہی کا سبب ہوتے ہیں اور دکھاوے و شہرت کا مارا روسیاہیوں میں زندگی کاٹ دیتا ہے، وہ ساری دنیا کا ہوس رکھتا ہے، لیکن اپنے دل کا خیال نہیں رکھتا ہے، ثقہ اور معتبر علماء پہلے اپنے دل کی بات سنتے ہیں اور اسے سنوارتے ہیں اس کے بعد باہر کی طرف جھانکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''كان العلم نقطة فوسعها الجاهلون'' اس وقت نقطے کو پہاڑ بنانے اور کھودنے، ندی اور نالے نکالنے کی کوشش ہوتی ہے، اس وقت شخصیات پر لکھنے اور نقطے کو پہاڑ بنانے اور اس کو کھود کر دریا نکالنے کا بڑا شوق رہتا ہے اور جن کا کبھی قلم سے یارانہ نہیں ہوتا اور زیر تحریر شخصیات سے معمولی سا تعلق ہوتا ہے، وہ بھی چل میرے گھوڑے چل کی آواز لگاتے ہیں اور مرحوم کی تربت پر عقیدت کے لوبان سلگانے لگتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے زندگی کی ساری ناخوبیاں موت کے بعد خوبیوں میں بدل جاتی ہیں، مولانا تمام آلائشوں سے دور تھے، اس لیے شاید کسی کو چل میرے گھوڑے چل کہنے کی نوبت نہیں آئے گی اور نہ ان کی تربت پر قلمی عقیدت کے لوبان سلگانے کی ضرورت پڑے گی۔

۞۞۞

د۔ بدرالزماں محمد شفیع نیپالی
مدیر جمعیۃ التوحید الخیریۃ، بجوا، کپل وستو، نیپال

"من قضی نحبہ"

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالمرسلين محمدوعلىٰ آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وبعد!

﴿من المؤمنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر ومابدلوا تبديلا﴾ (الأحزاب: ۲۳)

مولانا عبدالحنان فیضی بن مولانا محمد زماں رحمانی رحمہما اللہ باپ بیٹے دونوں میرے شفیق ترین اساتذہ میں سے تھے۔ ان دونوں سے پہلی بار ۱۹۶۴۔۱۹۶۵ء میں اتری بازار "بحرالعلوم" میں استفادہ کیا، پھر دونوں سے سراج العلوم جھنڈانگر میں جماعت ثالثہ میں ۱۹۶۹ء میں القراءۃ الرشیدہ اور بلوغ المرام کا درس لیا، اس وقت مجھے علم کا حقیقی شعور نہیں تھا مگر اس بے شعوری کے دور کی یہ یاد لاشعور میں باقی ہے کہ مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ القراءۃ الرشیدہ کی تشریح کرتے تو اس کی دلیل عموماً قرآن کی کسی آیت یا کبھی کبھی کسی حدیث سے دیتے تھے، جس سے میری آنکھوں میں اجالا اور دل میں روشنی آنی شروع ہوئی، آئینۂ دل میں اس وقت کے دروس کی بہت ہلکی اور دھندلی تصویر ہے مگر مذکورہ جملوں سے اس کی صحیح عکاسی ہوتی ہے۔

اس وقت کے تاثرات آج کی ترجمانی میں یہ ہے کہ مولانا کافی محنت سے تیاری کر کے پڑھانے آتے تھے اور جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ لغوی تشریح وترجمہ وغیرہ طلبہ کے ذہن میں مرتسم ہو گیا ہے تب تک انھیں سمجھاتے۔

آپ سے شرفِ تلمذ ایک بار پھر حاصل ہوا جب آپ جامعہ سلفیہ بنارس میں ۱۹۷۴ء میں مدرس ہو گئے، تفسیر بیضاوی کی تدریس پر آپ کو کافی عبور تھا، چنانچہ اس کی تدریس آپ کے حوالے ہوئی، ۱۹۷۵ء میں جب ہم فضیلت اول میں پہنچے تو آپ سے تفسیر بیضاوی پڑھنے کا موقع ملا، منتہی درجہ کے ان طلبہ کو جو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ہی جامعہ سلفیہ کے مؤقر اور اصحاب علم وفضل اساتذہ اور بعض علاقائی علماء کے یہاں اپنی علمی حیثیت کے لیے جانے پہچانے جاتے تھے اور علمی حیثیت ان کی شناخت ہو جاتی تھی ان کو پڑھانا کوئی آسان کام نہیں تھا مگر مولانا اپنی وسعتِ معلومات، علمی تصرف نگاہی، نکتہ رسی اور بحث کے مالہ وماعلیہ پر پوری گرفت رکھنے کی وجہ سے ان پر اپنا اثر رکھتے تھے، دروس میں جس طرح کا سوال اور اعتراض پیش ہوتا اپنے پیارے اور نرالے اسلوب میں اسے حل فرماتے، جابے جا سوال پر بھی آپ کی پیشانی پر بل نہیں پڑتا تھا بلکہ طلبہ کی طرف سے آپ کے بعض حقوق کی پاسداری نہ کرنے پر بھی وہ کبیدہ خاطر نہ ہوتے بلکہ بڑے انبساط کے ساتھ اسے انگیز کر لیتے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ میں قوت برداشت بلا کی ہے۔

مجھ جیسے کم مایہ شاگردوں کے ساتھ حسن سلوک زمانۂ طالب علمی کے بعد بھی زندگی بھر برقرار رہا، شفقت ایسی

فرماتے کہ خلیق مانے جانے والے اہل علم اپنے اقارب کے ساتھ بھی بمشکل اسے برتتے ہوں گے، ساتھ ہی عزت دینے میں بھی کبھی چوک نہیں ہوتی حالانکہ شفقت کے ساتھ تکریم جمع بین الطرفین کا سا ہے مگر مولانا ممدوح یہ کردار بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

منبر اور اسٹیج سے ایک حد تک فاصلہ ممکن ہے بعض نگاہوں میں قوتِ ارادی کی کمزوری محسوس ہوتی ہو مگر میں اسے عزیمت اور قوت ارادی کی روشن مثال سمجھتا ہوں، وہ یوں کہ بعض اسباب کی بنیاد پر حجاب پڑا ہوا اور بعض حالات وظروف نے حجاب اٹھا دیا اور قوتِ ارادی نے تمام وسوسوں اور اندیشوں کی گرہیں کھول دیں اور احساسِ مسئولیت نے تلافی مافات کے رہوار کو چابک دیا، پھر کیا تھا آپ نے منبر سنبھال لیا اور قوت نے جب تک ساتھ دیا سیکڑوں مسائل پر اپنے مخاطبین سے ہم کلام رہے۔

آپ کی بہت سی خوبیوں میں ایک خوبی ''بے ضرر'' ہونے کی تھی ایک مومن وہ بھی کتاب وسنت پر گہری نظر اور بصیرت رکھنے والا ہر مسلمان کا بہی خواہ اور ناصح ہوتا ہے، اس کے لیے بھلائی چاہتا ہے، برائی کے لیے سوچ اس کے وہم وگمان میں نہیں آتا، آپ اپنے متعلقین (جس میں خاندان، اقارب، احباب وتلامذہ ماتحت اور ملازمین نیز متعارفین داخل ہیں) کے لیے بے ضرر نفع بخش تھے، اخلاقیات میں امید ہے کہ ان شاء اللہ آپ کو اعلیٰ صفات کے حاملین کے اندر جگہ ملے گی۔

علم وعمل، حسن معاملہ وحسن اخلاق کے اندر اس زمان ومکان میں جس بلند مقام پر فائز تھے، بے نفسی اور تواضع وانکساری کی وجہ سے کبھی اسے ظاہر نہ ہونے دیتے، اپنے آپ کو عام آدمی کی شکل میں رکھنا اور خودنمائی سے احتراز کرنا آپ کا شیوہ تھا۔

آپ کے جمال وجلال میں جمال کا پہلو غالب اور جلال کا پہلو مغلوب ہوتا تھا، بحث وتکرار کی طرف طبعی رجحان نہیں تھا، مطالعہ کے خوگر تھے، تدریس، وعظ وتذکیر اور تحریر ہر جگہ تحقیق پسندی آپ کا وطیرہ تھا، اپنے مافی الضمیر کو دوسرے کے آئینۂ دل پر اتار دینے کی کوشش میں مختلف اسالیب کا استعمال فرماتے تاکہ آپ کے مخاطبین کسی بھی طرح محروم نہ رہ جائیں، آپ کی تدریس میں جوالہر تھی علیم ناصری رحمہ اللہ کی زبانی موج ''کنہار'' کی کہانی کی طرح تھی۔

من زادۂ کاغانم طوفانم وگردابم
ہر کوہ وکمر داند پندار تب وتابم
من جوش فراوانم حشر است بدامانم
ہر سنگ وشجر باشد مستغرق سیلابم
از بہر سبک ساراں من نعر بلا خیزم
مردان شناور را من دجلۂ پایابم
دوں ہمت وبزدل را ظلمت کدہ مرگم
از بہرا والعزماں تکیہ گہ سنجابم

آپ کی زندگی کا اصل مشن کتاب وسنت کی تعلیم کے ذریعہ مردم سازی تھی، شہادت دی جاسکتی ہے کہ آپ علماء ربانیین میں سے ایک تھے، ﴿خیرکم من تعلّم القرآن وعلمه﴾ کی روشن مثال آپ کی شخصیت تھی، آپ ایک کامیاب مدرس، بہترین مربی وناصح اور بلند پایہ فقیہ ومفتی تھے، امید ہے کہ آپ کے صاحب زادہ گرامی شیخ عبدالمنان رحفظہ اللہ آپ کے خطبات وفتاوی کو افادۂ عام کے لئے پیش کرسکیں گے جن سے عام لوگوں کے سوا اہل علم کو بھی استفادہ کا موقع ملے گا۔ وصلی الله علی نبینامحمد وعلی آله وصحبه وسلم.

۞۞۞

مولانا عبدالرشید مدنی
نائب شیخ الجامعہ و مدیر الامتحانات جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر

استاذ محترم مولانا عبدالحنان صاحب فیضی (کچھ یادیں)

نبی کریم ﷺ ایک معلم ربانی بنا کر مبعوث کئے گئے، آپ نے کتاب اللہ اور سنت مطہرہ سے امت کا تزکیہ فرمایا۔ علم کی رفعت و شرف کے لئے یہی کہنا کافی ہوگا کہ قرآن کریم کی ابتدائی چند آیتیں جو اتریں اس کی ابتداء کلمہ اقراء سے ہوئی، در حقیقت یہی تعلیم و تعلم امت کی ترقی و عروج کی اساس ہے، درحقیقت اس علم کی قیمت زر و جواہرات اور دولت و ثروت سے کہیں بالاتر ہے شاعر کہتا ہے ۔

یا جامع العلم نعم الذخر تجمعه
لا تعدلن به درا و لا ذهبا

نبی اکرم ﷺ نے اس متبرک علم کے حصول کی رغبت دلائی، صحابہ کرام نے اس کو بسر و چشم قبول کیا ان کے بعد تابعین و تبع تابعین اور اسلاف امت نے اپنی حیات مستعار کا بیش بہا وقت اس کے سیکھنے و سکھانے اور اس کی نشر و اشاعت میں صرف کیا، علماء ربانیین نے اس علم الٰہی کی نشر و اشاعت میں بے پناہ جد و جہد کیا اور یہ سلسلۃ الذھب برقرار ہے اور تا قیامت اس راہ کے راہی پائے جاتے رہیں گے۔ علماء ربانیین کی اس سنہری کڑی میں میرے استاد محترم فضیلۃ الشیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ بھی تھے جنہوں نے علم دین اور احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور تا دم حیات علم کو پھیلاتے رہے، آپ کے شاگرد عرب و عجم میں پھیل گئے، میری تعلیم از درجہ طفلاں تا جماعت خامسہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر میں ہوئی جو اس وقت مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر کے نام سے معروف تھا، اسے میں اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھتا ہوں کہ حصول علم کی ایک بڑی مدت اسی جامعہ سے متعلق ہے جو تقریبا گیارہ سال ہے، اسی طرح اب تک تدریسی خدمات کے پینتالیس سالوں میں سے ۴۳ سال جامعہ سراج العلوم میں پورے ہو چکے ہیں، جب کہ تدریس کے ابتدائی دو برس مدرسہ انوار العلوم پرساعماد میں گزرے ہیں۔

جن اساتذہ کرام سے میں بے حد متاثر رہا اور جن کی تعلیم و تربیت سے اس لائق ہوا ان میں سرفہرست میرے مشفق و مربی، عظیم محسن، صدر المدرسین، مفتی جامعہ سراج العلوم السّلفیہ مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ہیں، آپ انتہائی منکسر المزاج، متواضع، فرض شناس، سادگی پسند، صالح اور تقویٰ شعار تھے، آپ کے علم و فضل کے دوائر کافی ممتد تھے، طلبہ کی شب و روز کی سرگرمیوں پر ہمیشہ نگاہ رکھتے تھے، آپ کا طریقہ تدریس بڑا اچھوتا اور نرالا ہوتا تھا اسی سے متعلق میں چند مشاہدات ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔میں جماعت ثانیہ میں تھا،القرأۃ الرشیدہ مولانا پڑھاتے تھے، ہر سبق کے شروع کے مفردات کی مولانا رحمہ اللہ تشریح کرتے،اور کاپی پر درج کرواتے، چھوٹے چھوٹے جملوں کی نحوی ترکیب کرواتے اور دوسرے روز باقاعدہ سبق سنتے اور نہ یاد کرنے والے کو ہلکی پھلکی سزا دیتے، آپ کی کوشش ہوتی کہ سبق اتنا پڑھا جائے کہ بالکل ازبر ہو جائے اسی لیے ہر ہفتہ جمعرات کو آموختہ سنتے۔

۲۔جماعت ثالثہ میں ایک کتاب فصول اکبری داخل نصاب تھی جو بزبان فارسی فن صرف سے متعلق ہے،اس کتاب میں افعال کی گردان اور خواص ابواب بالتفصیل مثالوں کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، کتاب اپنے فن کی مانی جانی کتاب ہے لیکن اب درسی نظام سے متروک ہو چکی ہے۔مولانا رحمہ اللہ فصول اکبری بڑی محنت سے پڑھاتے اور جب تک ہم طلبہ کو سبق یاد نہ ہو جاتا سمجھاتے رہتے اور جس طالب کے بارے میں انہیں شبہ ہو جاتا کہ سبق اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہے اس سے ضرور سوال کرتے اور اس کے نہ پوچھنے پر ڈانٹ بھی پلاتے، اس لائق تحسین طرز تعلیم کی برکت ہے کہ اب بھی اس کے بعض مباحث ذہن پر کندہ ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ابھی کل کا پڑھا ہوا سبق ہے۔

۳۔میری طالب علمی کا زمانہ تھا اس وقت جامعہ سراج العلوم میں جماعت خامسہ تک تعلیم ہوتی تھی، جمعیت اہل حدیث ضلع بستی کے ذمہ داران نے یہ منظور کیا تھا کہ ضلع بستی کے تمام عربی مدارس کے منتہی طلباء کا امتحان ایک جگہ ہوگا اور بانسی میں امتحانی سنٹر بنایا گیا، امتحان کے وقت مقررہ سے ایک روز قبل ہم طلبہ جماعت خامسہ مولانا رحمہ اللہ کے ہمراہ بانسی کے لئے روانہ ہوئے، بڑھنی سے نوگڑھ تک بذریعہ ٹرین گئے ،وہاں سے بذریعہ بس بانسی جانا تھا، ہم طلبہ مولانا رحمہ اللہ کے ساتھ جب نوگڈھ بس اسٹاپ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بس ایک گھنٹہ تاخیر سے جائے گی، موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہم طلبہ مولانا رحمہ اللہ سے نورالانوار (جو کہ اصول فقہ حنفی کی اہم کتاب ہے جس میں نہایت بسط و تفصیل سے اصول فقہ حنفی اور دیگر ائمہ کے اقوال کو بالدلیل ذکر کیا گیا ہے نیز منطق و فلسفہ کے بعض مباحث کو بطور تائید شامل کیا گیا ہے) کے بعض اہم مباحث کے متعلق سوالات کرنے لگے تا کہ پرچہ سوالات کے متعلق کچھ سراغ لگ سکے کیوں کہ ہم لوگوں نے سنا تھا کہ نورالانوار کا پرچہ مولانا رحمہ اللہ نے تیار کیا ہے، میں نے شروع خطبۃ الکتاب (**الحمد لله الذی ھدانا الیٰ الصراط المستقیم**) الحمد میں الف لام کیسا ہے؟ حمد کی تعریف کیا ہوگی؟ ہدایت کتنے معانی میں مستعمل ہے؟ صراط مستقیم کے کیا معنیٰ ہیں اور کیا مراد ہے؟ وغیرہ وغیرہ

اسی طرح **محللیۃالزوج الثانی بحدیث الحیلۃ لا بقولہ حتی تنکح زوجا غیرہ** کی مکمل تشریح، ائمہ کے اقوال مع دلائل، امر کے مباحث اور دیگر اہم مباحث جو ایک سال میں ہم لوگ پڑھے تھے پوچھتے گئے مولانا رحمہ اللہ ہر سوال کا جواب پوری تفصیل سے دیتے رہے کہ لگتا تھا کہ یہی سوال آیا ہوگا ،ایک گھنٹہ تک اہم اہم مباحث کے بارے میں ہم سوال کرتے رہے لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے کہ سوالات کہاں کہاں سے

ہیں اور کون کون سے ہیں؟

۴۔ جماعت خامسہ میں تفسیر جلالین داخل نصاب تھی، یہ کتاب بھی مولانا رحمہ اللہ ہم لوگوں کو پڑھاتے تھے، بانسی میں پہلا پرچہ تفسیر کا تھا جس کے ممتحن مولانا عبد الکریم ندوی رحمہ اللہ تھے، استاد محترم رحمہ اللہ نے اس کتاب کو بڑی محنت، عرق ریزی سے پڑھایا تھا اور خوب سے خوب تر انداز میں ذہن نشین کرایا تھا، میں نے تفسیر جلالین کے تمام سوالوں کے جوابات تفسیر جلالین کی عبارت میں لکھا تھا، ممتحن مولانا عبدالکریم ندوی رحمہ اللہ کو شبہ ہوا کہ طالب علم نے کتاب سے نقل کیا ہے، استاد محترم سے شکایت کی، چونکہ استاد محترم نے جس طریقہ سے درس دیا تھا اور طلبہ کو جس محنت و تیاری کا عادی بنایا تھا بخوبی جانتے تھے فرمانے لگے کہ ایسا نہیں ہوسکتا لیکن مولانا عبدالکریم ندوی رحمہ اللہ کو یقین نہیں ہورہا تھا اور بضد تھے چنانچہ مجھے بلایا گیا میں نے الحمدللہ ہر سوال کا جواب تفسیر جلالین کی ہو بہو عبارت میں دیا اس وقت ندوی صاحب رحمہ اللہ کو یقین ہوا۔

آپ نے جس کتاب کا بھی درس دیا اس کی عبارتیں آپ کی نوک زبان تھیں، عمر کے آخری مراحل میں جب بھی آپ سے ملتا تو آپ عمر رفتہ کا ذکر چھیڑ دیتے، ایک سے ایک بھولی بسری باتوں کو یاد کرتے، کتابوں کی عبارتیں فرفر پڑھتے، کچھ میں بھی پڑھ دیتا تو بے انتہا خوش ہوتے اور فرماتے دیکھیے ابھی تک آپ کو یاد ہے۔ آپ سے عقیدت مندانہ تعلق ہمیشہ برقرار رہا، آپ اس گہرائی کو سمجھتے بھی تھے اسی لئے جب میں نے اپنے بڑے بیٹے ارشد رشید سلمہ اللہ کا نکاح پڑھانے کی دعوت دی آپ نے بخوشی قبول کیا، جب تک آپ باحیات رہے ہم نے ہمیشہ آپ کو مقدم رکھا عمر کے آخری پڑاؤ میں جب چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تو اپنے لخت جگر مولانا عبدالمنان سلفی کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا، اللہ یہ رشتہ ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔

استادگرامی قدر بہت سے کمالات اور خوبیوں، خاندانی شرافت ونجابت، ذہانت، ہم شاگردوں کے ساتھ شفقت، تعلیم و تربیت پر مکمل توجہ محتاط زندگی اور دیگر بہت سے اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ استاد محترم کی بشری لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس کا مکین بنائے اور وارثین کو آپ کا صالح جانشین بنائے (آمین)

۞۞۞

مفتی صاحب ایک دین دار اور لین دین کے بہت ہی کھرے آدمی تھے، آپ نہایت ہی سنجیدہ اور خوش اخلاق تھے، وقت کی ہمیشہ پابندی کرتے، نماز کی امامت مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے فرماتے تھے، مجھ پر بہت شفقت کرتے تھے، جب بھی میں ان کو تنخواہ دیتا بہت خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے، اللہ تعالیٰ آپ کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں بنائے۔ (آمین)

(ماسٹر عبدالحسیب، دفتری جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر)

مولانا ابوالعاص وحیدی
استاد صفا شریعت کالج، ڈومریا گنج

مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ- چند علمی وفقہی یادیں

بچپن اور دور طالب علمی کی یادوں اور تاثرات میں بڑی صداقت وواقعیت ہوتی ہے، اس لیے کہ اس دور میں انسان کے اندر فطری سادگی ہوتی ہے اور اس پر خارجی اسباب وعوامل کا کوئی دباؤ نہیں ہوتا ہے، لیکن جب انسان بالغ ہوجاتا ہے اور میزانِ زندگی میں قدم رکھتا ہے تو داخلی وخارجی اثرات کی وجہ سے اس کی فطری سادگی جاتی رہتی ہے اور صداقت ومعروضیت مجروح ہوجاتی ہے۔

بچپن کی یادوں میں صداقت کے ساتھ دوام واستحکام بھی ہوتا ہے اس لئے کہ اس زمانہ میں انسان دردِ دروں اور غم دوراں سے بالکل آزاد رہتا ہے، لیکن بالغ ہونے کے بعد جب انسان کا سابقہ عائلی زندگی سے ہوجاتا ہے اور وہ مختلف انفرادی ومعاشرتی الجھنوں میں گھر جاتا ہے تو اس کا حافظہ کمزور ہوجاتا ہے اور اس کی یادوں اور تاثرات میں ضعف واضمحلال آجاتا ہے۔

ذاتی طور پر خود میرا حال یہ ہے کہ میں نے بچپن میں جن شخصیات کو دیکھا ہے، ان سے ملاقات کی ہے اور جن حالات وواقعات سے دوچار ہوا ہوں، ان سب کے نقوش پردۂ ذہن پر من وعن محفوظ ومرتسم ہیں جب میں ذہن کے جھروکے سے ماضی بعید کو دیکھتا ہوں تو اس دور کی تمام یادیں حافظہ میں اس طرح تازہ ہوجاتی ہیں جیسے کسی تازہ شاخ پر خوش رنگ تازہ پھول ہوں، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت وقدرت کا عظیم کرشمہ ہے کہ اس نے انسانی ذہن ودماغ کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ علوم وفنون کا سرچشمہ اور مختلف تلخ وشیریں یادوں کا مخزن ہے، ﴿فتبارک اللہ أحسن الخٰلِقین﴾ (المومنون:۱۴)

بعض یادوں کے تابندہ نقوش:

۱۹۶۲ء یا ۱۹۶۳ء کی بات ہے جب میں اپنے والد محترم مولانا زین اللہ ضیغم رحمہ اللہ کے ساتھ کدربٹوا، نیپال میں رہتا تھا، ان سے ابتدائی فارسی کی کتابیں پڑھتا تھا، اس وقت میرے بچپن کے ساتھیوں میں مولانا شمیم احمد ندوی اور ڈاکٹر منظور احمد خاں ندوی تھے، اس دور کی بعض بڑی دلچسپ یادیں ہیں جن کا تذکرہ مولانا شمیم احمد ندوی نے سرگذشت جامعہ جلد دوم میں کیا ہے، ان کا تصور کرکے بڑی فرحت ولذت محسوس ہوتی ہے۔

اس دور میں جب میں کدربٹوا تھا، والد صاحب کے ساتھ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں آمدورفت رہتی تھی، وہاں کے اساتذہ کو دیکھتا تھا اور ان سے ملاقات ہوتی تھی، اس دور کے اساتذہ میں مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا عبدالحنان فیضی، مولانا عبدالسلام رحمانی اور مولانا محمد حنیف رحمانی رحمہم اللہ وغیرہ تھے، اسی دور میں خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کو دیکھا ہے جو جامعہ کے ذمہ دار بھی تھے۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں مولانا عبدالحنان فیضی کی تدریس کا یہ پہلا مرحلہ تھا، اس مرحلہ میں ان سے یہ

میرے بچپن کی ابتدائی ملاقات تھی، جوایک سال تک برابر ہوتی رہی، اس ابتدائی ملاقات میں ان کے بارے میں میرا یہ تاثر تھا کہ وہ کم گو، پیکر سنجیدگی اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں، میری اس نوعمری میں ان کے بارے میں کسی علمی تاثر کا سوال ہی نہیں تھا، کدر بٹوا ایک سال گزارنے کے بعد میرا دور طالب علمی جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار، جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں گزرا، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۹۷۵ء میں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کا مدرس ہوگیا اور تدریسی فرائض کے ساتھ استادگرامی جناب مولانا محمد عمر سلفیؒ گونڈوی کی نگرانی میں فتاوی بھی لکھنے لگا۔

مولانا عبدالحنان فیضیؒ اپنی تدریس کے پہلے مرحلہ میں تقریباً گیارہ سال جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں رہے، اس کے بعد چار سال کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے، اس درمیان میں مولانا عبدالحنان فیضیؒ سے نہ میری ملاقات رہی نہ کوئی تعارف تھا، لیکن جب وہ ۱۹۷۸ء میں جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں دوبارہ تشریف لائے اور تاحیات تدریس وافتاء کے فرائض انجام دیتے رہے تو ان کے اس طویل تدریسی مرحلہ میں ان سے میرا گہرا تعارف ہوا اور مختلف مواقع پر بارہا ملاقات ہوتی رہی، بلکہ جب بھی میرا جھنڈا نگر جانا ہوتا تو ان سے ضرور ملاقات کرتا، ان کی بیماری کے ایام میں کئی بار بغرض عیادت جھنڈا نگر جاکر ان سے ملاقات کی ہے اور انھوں نے اپنی شفقت ومحبت اور دعاؤں سے نوازا ہے، یہاں تک کہ ان کی نماز جنازہ میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے، ''سقى الله ثراه وجعل الجنة مثواه'' آمین۔

مولانا عبدالحنان فیضیؒ کے ایام صحت میں جب بھی میں نے ان سے ملاقات کی ہے علمی استفادہ کیا ہے، کئی بار میں نے ادب وبلاغت اور فقہ وافتاء کے سلسلہ میں ان سے استفسار کیا ہے، انھوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ میرے سوالات کے جوابات دیے ہیں، جن سے مجھے ان کی علمی، ادبی اور فقہی عبقریت کا بخوبی اندازہ ہوا ہے، اسی کے ساتھ میں نے ان کے اندر بدرجۂ اتم علمی تواضع بھی پایا ہے جو کسی مردمؤمن کی شان اور پہچان ہوتی ہے۔

اسلاف واکابر کا یہ مزاج رہا ہے کہ وہ علمی میدان میں اصاغر کی ہمت افزائی کرتے رہے ہیں، مجھے یاد ہے کہ جب میں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کی ابتدائی تدریسی زندگی میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے لگا، جو جریدۂ ترجمان دہلی اور مجلّہ نوائے اسلام دہلی وغیرہ میں شائع ہونے لگے تو مولانا عبدالعلیم ماہر رحمہ اللہ جو عربی علوم وفنون اور اردو ادب وانشاء میں یدطولیٰ رکھتے تھے، انھوں نے میری بڑی تشجیع وحوصلہ افزائی کی اور کئی بار مجھ سے کہا کہ اب تمہارے اسلوب نگارش میں مکمل صحت اور پختگی آگئی ہے، بے تکلف لکھتے رہیے، اسی طرح جب میں فتاویٰ لکھنے لگا تو میرے بعض فتاویٰ کو دیکھ کر مولانا عبدالحنان فیضیؒ بہت خوش ہوئے اور میری بے انتہاء ہمت افزائی کی، میرے فتاویٰ کی طرح میرے مقالات کو بھی وہ اعتماد واعتبار سے نوازتے تھے، کئی بار ایسا بھی ہوا ہے کہ علاقہ اٹوا کے بعض مستفتی حضرات کو انھوں نے میرے پاس بھیج دیا، جن کے استفتاء کے جوابات میں نے لکھے اور وہ ان جوابات کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھے دعاؤں سے نوازا۔

بہرحال مولانا عبدالحنان فیضیؒ کے تعلق سے میری بہت سی علمی وفقہی یادیں ہیں، جن کی تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے میں یہاں دو علمی وفقہی یادوں کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کررہا ہوں، مجھے امید ہے کہ علماء وطلبہ ان سے

ضرور مستفید ہوں گے، ان شاء اللہ۔

بیع وشرا کا ایک اہم مسئلہ:

۱۹۹۵ء یا ۱۹۹۶ء کی بات ہے جب میں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریس وافتاء کے فرائض انجام دے رہا تھا، مولانا انعام اللہ کنڈؤ نے میرے پاس ایک طویل استفتاء شراوغیرہ کے بارے میں بھیجا پورا استفتاء اوراس کا جواب مجلّہ ''السراج'' جھنڈانگر کے ایک شمارہ میں شائع ہو چکا ہے، اس استفتاء میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اگر کوئی شخص غلہ وغیرہ بیچے تو خریدار یہ کہے کہ میں نقد ایک ہزار روپے کنٹل لوں گا اور ادھار ڈیڑھ ہزار روپے کنٹل لوں گا، ادھار بیع میں ثمن، مثمن اوراجل (مدت) متعین ہوجائے، بائع ومشتری اسی متعین معاملہ پر الگ ہوجائیں تو کیا یہ بیع درست ہے؟ میں نے جواب لکھا کہ وہ بیع درست ہے، جامعہ کے بعض اساتذہ نے میرے فتویٰ سے یہ کہہ کراختلاف کیا کہ اس بیع میں ربا کی بو محسوس ہوتی ہے، اوراس میں ''بیعتان في بیعة'' کی شکل پائی جاتی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے، لہٰذا وہ درست نہیں، مگر میں نے دلائل کی روشنی میں اساتذہ کو مطمئن کردیا اوروہ میرے اس فتوی سے پورے طور پر متفق ہوگئے، اس کے بعد میں نے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کا سفر کیا اور مولانا عبدالحنان فیضی سے اس فتویٰ کے بارے میں مراجعہ کیا تو انھوں نے میرے فتویٰ کی تصویب فرمائی اور میرے دلائل سے مکمل اتفاق کیا، بعد میں میں نے ''فتاوی نذیریہ'' جلد دوم طبع قدیم کی کتاب ''البیوع''، دیکھی، اس کا پہلا فتوی اسی طرح کے مسئلہ سے متعلق ہے اس میں بھی مذکورہ بیع کو درست قرار دیا گیا ہے مجھے حد درجہ خوشی ہوئی۔

میرے پاس جب مذکورہ استفتاء آیا تو میں ان دنوں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں ''جامع الترمذی'' پڑھا رہا تھا، ''کتاب البیوع'' میں ایک باب ہے ''باب ماجاء في النهي عن بیعتین في بیعة'' اس کے تحت ابوہریرہ سے مروی یہ حدیث ہے ''نهى رسول الله ﷺ عن بیعتین في بیعة''، یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے روکا ہے۔

امام ترمذی لکھتے ہیں: اہل علم نے ایک بیع میں دو بیع کی تشریح یہ کی ہے کہ کوئی شخص مشتری سے کہے کہ میں تم سے یہ کپڑا نقد دس درہم میں بیچوں گا اور ادھار بیس درہم میں اور وہ دونوں مذکورہ شکلوں میں سے کسی ایک پر متفق وراضی ہوکر الگ نہ ہوں تو وہ بیع ممنوع ہے اور اگر وہ دونوں کسی ایک معاملہ پر متفق ہوکر الگ ہوجائیں تو وہ بیع درست ہے، امام شافعی نے ممنوع بیع کی ایک دوسری شکل ذکر کی ہے اہل علم جامع ترمذی میں اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں، شوافع، احناف اور جمہور اہل علم اس بیع کو درست قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحبِ ''تحفة الأحوذی'' اور صاحبِ ''عون المعبود'' نے اس کی وضاحت کی ہے۔

ایک علمی خطبۂ صدارت:

مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کوئی بڑے خطیب اورشعلہ بار مقرر نہیں تھے، وہ جب کبھی تقریر کرتے تو ان کا انداز بڑا علمی، باوقار اور سنجیدہ ہوتا تھا، مجھے ان کا ایک خطبۂ صدارت یاد آرہا ہے جس کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے۔

جون ۲۰۰۵ء کی بات ہے، ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے زیر اہتمام بمقام پرینا، اٹوا، سدھارتھ نگر دوروزہ ضلعی کانفرنس منعقد ہوئی، اس وقت ضلعی جمعیت کے ناظم مولانا محمد ابراہیم مدنی تھے، کانفرنس کی پہلی شب کے صدر مولانا عبدالحنان فیضی تھے، انھوں نے اتباع سنت کے موضوع

پر مختصر مگر بڑا ابلیغ علمی خطاب کیا، انھوں نے تمہیدی طور پر قرآن کی روشنی میں حجیت حدیث پر گفتگو کی اور درج ذیل آیات سے استدلال کیا۔

﴿وأنزلنا إليه الذكر لتبين للناس مانزل اليهم﴾ (النحل: ۴۴) ﴿فاذاقرانهُ فاتبع قرآنه ثم إن علينا بيانه﴾ (القيامة: ۱۸، ۱۹)

مولانا نے مذکورہ آیات کا ترجمہ وتفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر ذکر (قرآن) نازل کیا اور قرآن کی تبیین وتشریح کا فریضہ آپ ﷺ پر عائد کیا، پھر بیان قرآن کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن نازل کیا ہے جو وحی متلو ہے اسی طرح بیان قرآن بھی نازل کیا ہے جو وحی غیر متلو ہے جسے حدیث وسنت کہا جاتا ہے میں ذاتی طور پر مولانا کے اس خطاب سے بہت متاثر ہوا تھا، جس کی یاد اب بھی تازہ ہے۔

حرف آخر:

مشاغل کے ہجوم میں بڑی عجلت کے ساتھ مقالہ اختتام پذیر ہوا، اب آخر میں میری گزارش ہے کہ مولانا شمیم احمد ندوی جنھیں اللہ تعالیٰ نے طبع ہوش مند، فکر ارجمند اور قلم سمندر سے نوازا ہے اور مولانا عبدالمنان سلفی جو اپنے والد کے صالح فرزند اور ان کے علوم کے جانشین ہنرمند ہیں مولانا عبدالحنان فیضی کے فتاویٰ، دروس حدیث اور خطبات مرتب کر کے طباعت واشاعت کا ضرور اہتمام کریں، تاکہ نئی نسل ان سے استفادہ کرے اور بڑی مسرت وفخر سے کہے ؎

اولئک آبائی فجئني بمثلهم
إذا جمعتنا یاجریر المجامع

❁❁❁

علم کی شمع بجھ گئی

ملک نیپال کے سب سے بڑے اسلامی ادارہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کے مفتی وشیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی صاحب کا دنیائے فانی سے کوچ کر جانا قوم وملت کا بہت بڑا خسارہ ہے ان کی دینی خدمات قابل تعریف ولائق ستائش ہیں، انھوں نے جو علم کی شمع نیپال اور ہندوستان دونوں ملکوں میں روشن کی ہے اس کی روشنی سے جاہلیت کا اندھیرا دور ہوگا، ان شاءاللہ، آپ نے کئی نسلوں کی تربیت کی اور شرک وبدعات سے لوگوں کو ڈرایا اور کتاب وسنت پر چلنے کی تلقین کی، میں بارہا آپ کی تقریریں سننے کے لئے جامعہ سراج العلوم کی جامع مسجد میں حاضر ہوتا تھا اور اس سے استفادہ حاصل کرتا تھا، اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر کے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

(صغیر خاکسار، نمائندہ انڈونیپال)

❁❁❁

مولانا وصی اللہ عبدالحکیم مدنی
استاد حدیث کلیہ عائشہ صدیقہ جھنڈانگر، نیپال

شیخ الحدیث علامہ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی زندگی کے چند درخشاں پہلو

نمونۂ سلف، آبروئے سلفیت، نازش جماعت وجمعیت، فقیہ ذی مرتبت، ماحی شرک وبدعت، حامی کتاب وسنت، نکتہ سنج ونکتہ شناس، کہنہ مشق اور مخلص مدرس، باشعور ومتحمس داعی ومبلغ اور میرے مشفق استاد ومربی شیخ محترم جناب علامہ عبدالحنان محمد زماں فیضی رحمہ اللہ علم وعمل سے بھرپور تقریبا ۸۵ برس کی طویل اور قابل رشک زندگی گزار کر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے، إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

میرے ممدوح مفتی محترم چمنستان دارالحدیث رحمانیہ کے گل سرسبد، علامہ محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے اکلوتے فرزند ارجمند، صاحب زبان وقلم، بالغ نظر وبے باک صحافی، خوش فکر اور منہج سلف کے امین وپاسباں اور میرے کرم فرما جناب مولانا عبدالمنان سلفی رحفظہ اللہ ریکٹر جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر کے والد گرامی، میرے ان مایہ ناز شیوخ واساتذہ میں سے ہیں جن کی والہانہ شفقت ومحبت، شرافت ونجابت اور عالمانہ وفاضلانہ طرز گفتگو اور باوقار علمی شخصیت سے میں متاثر ہوں، جن کی تقویٰ وطہارت، علم وفضل کا معترف نیز ان کی خصوصی علمی توجہ وعنایات کا احسان مند ہوں، اللہ کے فضل وکرم اور انہی مشائخ عظام کی دعاء سحر گاہی اور علمی الطاف وعنایات کا نتیجہ ہے کہ آج اللہ نے مجھے اپنے استاد محترم اور ان کے پیش رو جماعت اہل حدیث کے دیگر نامور ومشاہیر علماء ودعاۃ کی علمی ودعوتی خدمات کو قلمی خراج تحسین پیش کرنے کی توفیق ارزانی بخشی ہے۔

آپ کی علمی، دعوتی اور عبقری شخصیت بڑی ہمہ گیر، ہمہ جہت، ہمہ صفت اور مختلف خوبیوں وصلاحیتوں کی مجموعہ تھی، آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت آبائی وطن معروف قصبہ انتری بازار میں سلفی عقیدہ ومنہج کے داعی ونقیب علامہ محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے سایہ شفقت میں ہوئی، ہمارے مضافات اور علاقے میں سلفیت کو فروغ دینے میں جن افاضل علماء کرام اور ربانی دعاۃ ومبلغین کا کلیدی کردار رہا ہے ان عظیم علمی وبزرگ شخصیات میں ہمارے مفتی محترم کے والد مکرم علامہ محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کا بھی نام نامی سرفہرست ہے، رحمانی صاحب نے اپنی دعوت وارشاد کا آغاز اپنے گھر سے کیا، رفقاء واحباب، مصاحبین ومتعلقین کو نغمۂ توحید کی حقیقت سے روشناس کرایا، کفر وشرک کی غلاظت اور تقلید شخصی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تلقین کی، اپنے اکلوتے لخت جگر ممدوح محترم کو دین محمدی کا عظیم سپاہی اور اپنی دعوتی واصلاحی تحریک ومشن کا حقیقی وارث وعلمبردار بنانے کا عزم مصمم کیا، شرعی مسائل میں بصیرت اور درک حاصل کرنے کے لئے وقت کے نامور فضلاء کے حلقہ درس میں داخل فرمایا، اللہ نے آپ کی دعاؤں اور کاوشوں کو شرف قبولیت بخشا اور آپ کے نور نظر کو باکمال مدرس ومربی، شیخ الحدیث اور منصب افتاء کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا،

جنھوں نے پوری زندگی علم دین کی نشر واشاعت اور قرطاس وقلم سے رشتہ مضبوط رکھتے ہوئے تشنگان علوم دینیہ کو اپنے علمی فیوض وبرکات سے فیض یاب فرمایا۔

اس راقم آثم نے بھی آپ کے علم بیکراں سے خوب استفادہ کیا ہے، مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابیں، تفسیر بیضاوی، مختارات، البلاغۃ الواضحۃ اور صحیح بخاری پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

چونکہ آپ کی تعلیم وتربیت ایک مخلص باپ اور غیور عالم دین کے زیر سایہ ہوئی تھی اور آپ کا سینہ کتاب وسنت کی سنہری وآفاقی تعلیمات سے معمور تھا، حیات مستعار کے باغ وبہار میں وسطیت اور زندگی کے ہر موڑ پر اسوۂ نبوی کو ملحوظ رکھا تھا اس لئے آپ کی زندگی کا ہر پہلو درخشندہ اور قابل تقلید نمونہ ہے، آپ کی ذات گرامی جن اوصاف وکمالات، شمائل وخصائل اور گوناں گوں صفات حمیدہ کی مالک تھی وہ عام مسلمانوں کے علاوہ ہم جیسے طالبان علوم نبوت مدرسین، واعظین ومقررین، باحثین ومصنفین، مؤرخین، دعاۃ ومصلحین، فعال وسرگرم مبلغین، جمعیت وجماعت کے منتظمین اور دینی مدارس ومعاہد جامعات ویونیورسٹیز کے خوددار روساء ونظماء کے لئے سبق آموز اور تازیانۂ عبرت ہے۔

آپ کی حیات بابرکات کے مختلف گوشے ہیں جس پہلو پر گفتگو کی جائے ہر گوشہ قابل ذکر اور مکمل محسوس ہوگا اور لگے گا یہی ان کی دلچسپیوں کا اصل محور اور یہی ان کی اصل جولان گاہ ہے۔

زیر نظر مضمون میں آپ کی زندگی کے ان روشن گوشوں کو اجاگر کرنا چاہتا ہوں جن میں علماء وطلبہ کے لئے عبرت ونصیحت ہے اور ان اوصاف حمیدہ کو صفحۂ قرطاس کے نذر کر رہا ہوں جو اہل علم کے مابین نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں، تحریر کا مقصد اہل علم حضرات کو احتساب نفس وعمل کی پرخلوص دعوت دینا، نئی نسل کو کتاب وسنت سے سرفراز کرنا اور اپنے اسلاف کرام کے انمٹ نقوش وخطوط کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنانا ہے۔

آئندہ سطور میں استاد محترم شیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کے کاروان حیات سے جن عطر بیز ومہکتے پھولوں اور دلربا یادوں کو قید تحریر میں لانے کی جسارت کی ہے، وہ درحقیقت میرے ذاتی تعلقات، قلبی کیفیات، احساسات، تاثرات، عینی مشاہدات، مسموعات اصحاب علم وفضل کے آراء وافکار، قدیم مصاحبین، رفقاء واحباب کے خیالات، عزیزوں اور فرزندوں کے حکایات وبیانات کا مجموعہ ہے۔

تبلیغ حق وصداقت:

دختران ملت اسلامیہ کو زیور علم وعرفاں سے آراستہ کرنے، اسلامی تہذیب وثقافت اور تربیت کے قالب میں ڈھالنے اور خالص کتاب وسنت کی تعلیمات کو فروغ دینے کے نام پر حسب سہولت واستطاعت نسواں اسکولوں کا قیام عمل میں لایا جارہا ہے، شرعی احکام ومسائل پر جن علماء کی گہری نظر ہے اور اس کے رموز واسرار سے اچھی طرح واقف ہیں، ان نسواں اسکولوں کے اردگرد ان کے بہت سارے قابل غور سوالات ہیں، وقتاً فوقتاً باذوق علماء اپنے منھ کا ذائقہ بدلتے رہتے ہیں، ان تمام امور سے قطع نظر یہ زندہ اور تلخ حقیقت ہے، جسے میں اپنے مشاہدات وتجربات کی روشنی میں قلم بند کررہا ہوں، ان اداروں کے قیام کا علمی فائدہ کم اور اخلاقی وتربیتی نقصان زیادہ ہے، معلمات وطالبات کے اندر بہت ساری اخلاقی خرابیاں وبیماریاں پائی جاتی ہیں، فیشن پرستی عام ہے، اسلامی تربیت عنقاء ہے، تفریح طبع کے لئے کمسن ومراہقہ بچیوں سے ایکشن کرانا، شرعی حجاب وجلباب کی دھجیاں اڑانا، نسوانی زیب وآرائش کی اشیاء کا استعمال کرنے والی طالبات کو قدامت پسندی کی علامت تصور کی جاتی ہے، بعض مغربیت وتحریکیت

زدہ معلمات شرعی قوانین واصول وضوابط سے خود کو بالاتر سمجھتی ہیں، میرے مفتی محترم رحمہ اللہ ناظم جامعہ شیخ شمیم احمد خاں ندوی اور کلیہ عائشہ صدیقہ کے ناظم الحاج بھیا عبدالرشید خاں حفظہما اللہ کے حسب خواہش جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کی نسواں شاخ کلیہ عائشۃ الصدیقہ میں تقریباً ۱۱ر برسوں تک فن حدیث اور عقیدہ کی اہم اور بنیادی کتاب ''**الجامع الصحیح للإمام البخاری**'' اور **شرح العقیدۃ الواسطیۃ للشیخ محمد خلیل ھراس**'' کو پڑھانے کا شرف حاصل ہے، منتظمین کلیہ کے بقول یہ سنہری دور تھا، شخصیت پرستی کی بجائے نظم وضبط کی بالادستی تھی، کلیہ میں آپ کی تقرری وتشریف آوری سے قبل کلاس روم میں ایک غیر شرعی رسم ورواج ''قیام تعظیمی'' کا چلن عام تھا، ہر کلاس میں معلمین ومعلمات کی آمد پر کلاس کی تمام طالبات کھڑی ہو کر ان کا خیر مقدم اور استقبال کرتی تھیں، معلمین ومعلمات جب کلاس روم میں داخل ہوتے اور نکلتے دونوں صورتوں میں بچیاں ہی سلام کرتی تھیں، بڑے افسوس اور شرم کی بات تھی کہ ایک سلفی نسواں ادارے میں غیر ارادی طور پر بریلوی مکتب فکر کے عقائد کی ترویج ہو رہی تھی، ہماری معلمات وطالبات کی علمی مسکنت اور بے بسی کا حال یہ تھا کہ انھیں مروجہ قیام تعظیمی کی مشروعیت اور سلام کے احکام وآداب تک کا صحیح علم نہ تھا، مفتی محترم نے ناظم کلیہ الحاج بھیا عبدالرشید خاں رحفظہ اللہ ورعاہ سے اس امر منکر کا برمحل تذکرہ کیا اور اس کے ازالہ کی طرف توجہ دلائی، ذمہ داران کلیہ نے آپ سے استفتاء طلب کیا اور نصیحتی کلمات کی مجلس کا انعقاد کیا، آپ رحمہ اللہ نے مسئلہ کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب وسنت کی روشنی میں اس استفتاء کا جواب دوٹوک لکھا اور کھلے الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ یہ عمل غیر مشروع ہے، مروجہ عمل سے متعلق کئی آیات واحادیث پیش فرما کر اس منکر عمل کی اچھے انداز میں تردید فرمائی اور مجلس میں موجود سامعین وسامعات کو سنن نبوی کی پیروی اور بدعی اعمال سے کنارہ کشی کی تلقین کی، سنت کی اہمیت وافادیت اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے بدعات کی خطرناکی کی طرف رہنمائی فرمائی، بحمد اللہ سبحانہ! آپ کی اس تقریر دلپذیر کا اثر یہ ہوا کہ اسی دن سے یہ غیر شرعی عمل اپنے انجام کو پہنچ گیا اور ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا، اس بدعی عمل کے خاتمہ کا اجر وثواب آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، ان شاء اللہ۔

اس کے علاوہ ابھی وہاں بہت سارے امراض موجود ہیں جن کی اصلاح اور شرعی آپریشن کی اشد ضرورت ہے، اللہ ہم سب کی اصلاح فرمادے اور میرے استاذ گرامی کے تمام حسنات وخدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی بشری لغزشوں کو درگذر فرمائے۔ (آمین)

امانت ودیانت:

آج ہمارے علماء ودعاۃ، داعیان حق، مصلحین امت، ذمہ داران جماعت وجمعیت، نظمائے مدارس وجامعات اور سیاسی قائدین حضرات دوسروں کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے اس پہلو پر کافی زور دیتے ہیں کہ آپ اپنے اوپر عائد کردہ حقوق وفرائض کی پاسداری کریں اور اصحاب رسول ﷺ کے طرز وانداز پر امانت ودیانت کا شاندار مظاہرہ کریں کیونکہ یہی اسلام کی تعلیم ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ اللَّـهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا.... ﴾ (النساء: ۵۸) بلا شبہ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کرو۔

فضیلۃ الشیخ رحافظ صلاح الدین یوسف رحفظہ اللہ اس آیت کی تشریح وفوائد کے تحت رقم طراز ہیں کہ ''امانت کا لفظ بڑا جامع ہے اس میں احکام شرعیہ کی حفاظت، معاملات میں راست بازی، اور اصحاب حقوق کی ادائیگی وغیرہ سب شامل ہیں، حدیث کے مطابق اخلاق وکردار کے روز افزوں زوال کی

وجہ سے یہ امانت آہستہ آہستہ ختم ہوجائے گی''۔

اس تلخ حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہمارے اس دور میں امانت نہایت ہی کمیاب ہے، حقوق وفرائض اور عہدہ ومناصب کے تقاضوں کی ادائیگی میں کوتاہی اور خیانت معیوب نہیں ہے جب کہ ہر انسان اپنی ذمہ داریوں کی بابت اللہ کے سامنے جوابدہ ہوگا، حقوق کی پامالی اور امانت میں خیانت کا رونا ہر کوئی روتا ہے مگر اس دائرے سے خود کو مستثنیٰ سمجھتا ہے۔

مفتی صاحب نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس اور دعوت وارشاد کے لئے وقف کیا، ملازمت کے منفی اثرات کو طوعا وکرہا برداشت کیا اور وقفہ وقفہ سے نظمائے مدارس کے ظلم وزیادتیوں کو بھی انگیز کیا ہوگا مگر آپ نے میرے محدود علم کے مطابق اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں قصداً کوتاہی اور خیانت نہیں کی ہے، ہمارے جامعہ سراج العلوم السلفیہ ،جھنڈانگر کے مؤقر اساتذہ کرام، سراجی اخوان اور میرے ہم سبق رفقاء واحباب اس بات کے عینی شاہد ہیں کہ ''مفتی محترم رحمہ اللہ ہم طلبہ جامعہ سے کہا کرتے تھے کہ یہ تعلیم ،درس وتدریس امانت ہے، اس میں خیانت ناجائز ہے، بنابریں آپ تدریسی فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی بالکل نہیں کرتے تھے، بلکہ درس کے مقررہ اوقات کی پابندی کرتے تھے، بسا اوقات بعض شریر وسست طلبہ کا احتساب بھی کرتے تھے، لیکن ایسے طلبہ آپ کی نرم خوئی کی وجہ سے فائدہ اٹھا ہی لیتے تھے، آپ یومیہ دروس ومحاضرات کی مکمل تیاری کر کے کلاس میں داخل ہوتے تھے اور ہر فن کی کتابوں کو اپنے اچھوتے وانوکھے انداز میں پڑھایا کرتے تھے، اسلوب تدریس بڑا عالمانہ، فاضلانہ اور دل نشین ہوتا تھا، ہر موضوع ومتعلقہ مسائل کو مفصل مدلل اور مسلسل بیان کیا کرتے تھے۔

جامعہ سراج العلوم السلفیہ کے ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ ر شمیم احمد خاں ندوی رحفظہ اللہ ورعاہ نے بھی تدریسی امور میں آپ کی کمال امانتداری کی شہادت کا تذکرہ ایک مجلس میں یوں فرمائی ہے:'' کہ میں ایک روز بغیر کسی کو خبر کئے ہوئے تعلیمی جائزہ لینے کے لئے ہر ہر کلاس میں گیا تاکہ میں اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکوں کہ ہمارے اساتذۂ کرام کتنے مستعدی وتندہی سے تدریسی فرائض انجام دیتے ہیں، بعض اساتذہ کلاس روم میں موجود تھے، بعض آرہے تھے اور مفتی جامعہ اپنی پیرانہ سالی ونقاہت کے باوجود اپنی جماعت وکلاس میں تشریف فرما تھے، زیر تعلیم بچے اکادکا آرہے تھے گویا کہ آپ طلبہ کے آنے کا انتظار بھی کرتے تھے، آپ کلاس کے مقررہ وقت پر حاضر ہوجایا کرتے تھے اور طلبہ وطالبات کی قلت وکثرت کی پروا کئے بغیر آپ اپنا درس شروع کردیتے تھے۔

☆ آپ کئی امراض سے نبرد آزما تھے، جسمانی نقاہت وکمزوری کے باوجود اپنی تمام ذمہ داری کو بحسن وخوبی سرانجام دینے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے، استادمحترم بلبل حدیث جناب مولانا صبغۃ اللہ ندوی رحمہ اللہ معروف بہ ''امام صاحب'' کے انتقال پُر ملال کے بعد جامعہ کی انتظامیہ نے آپ کو پنج وقتہ صلاۃ کی امامت کا مکلّف بنایا، انشراح صدر کے ساتھ رضائے الٰہی کی خاطر آپ نے اس اہم فریضے کو قبول فرمایا اور نہایت پابندی وامانت داری کے ساتھ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ فرض صلوات کی امامت فرمایا کرتے تھے، مصلیان کرام کی رعایت کرتے ہوئے صلاۃ مغرب کے بعد امام نووی کی علمی شاہکار تصنیف ''ریاض الصالحین'' سے مختصر مگر پرمغز وجامع درس حدیث بھی دیا کرتے تھے۔

☆ آپ معاملاتِ لین دین میں بھی نہایت کھرے اور صاف ستھرے تھے، آپ کی محتاط زندگی کا مطالعہ کرنے کے

بعد بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی زندگی اسلاف کرام کی مکمل آئینہ دار تھی، ''امانت'' کا جو عام مفہوم سمجھا جاتا ہے اس تناظر میں بھی اگر آپ کو دیکھا جائے تو آپ کی ذات پر کوئی انگشت نمائی نہیں کرسکتا ہے کیونکہ آپ کو جس قسم کی بھی امانت تفویض کی گئی اس کی واپسی وادائیگی میں ٹال مٹول کرنے کے بجائے حسب منشا پوری امانت ودیانت کے ساتھ صاحب امانت کو اس کی امانت اس کے سپرد کردی۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے بمصداق مفتی محترم کی امانت ودیانت سے متعلق یہ بعض سچے واقعات وحکایات تھے جس کے تناظر میں اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے آپ کو خشیت ربانی اور کمال امانتداری کے قابل رشک اوصاف سے آراستہ کرتے ہوئے تقوی وطہارت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا تھا، اسی طرح سے ان واقعات میں ان خوش پوشاک، لحیم وشحیم اور اصحاب جبہ دستار کے لئے خاموش پیغام ہے جو منتہی درجات کی اہم کتابیں اپنے سروں پر لادلیتے ہیں مگر ان کتابوں کی صحیح تدریس سے عاجز وقاصر رہتے ہیں اور طلبہ وطالبات کے ساتھ علمی خیانت کرتے ہوئے ان کے مستقبل کو تابناک بنانے کے بجائے تاریک کردیتے ہیں۔

ایمان اور انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جو کسی بھی شعبہ کا ذمہ دار ہو اپنے سر کوئی ذمہ داری لیا ہو وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرے، امانت ودیانت کا صحیح معنی سمجھے، لوگوں کے حقوق وواجبات کی رعایت کرے، غصب اور غبن سے خود کو دور رکھیں ورنہ کل کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

دعاء خوانی اور اوراد وظائف کا اہتمام:

خلوص وللّٰہیت اور نیک نیتی کے ساتھ اپنی حاجت برآری کے لئے صرف اللہ کو پکارنے اور اسی کے سامنے ہی دست سوال دراز کرنے کا نام ''دعاء'' ہے ارشاد الٰہی ہے:﴿..... أدعونی استجب لکم...﴾ (المؤمن الآیة: ۴۰/۶۰) مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، دعاء ہی اصل عبادت بھی ہے، ارشاد نبوی ہے:'' الدعاء هو العبادة'' (صحیح/سنن أبی داود) دعا ہی عبادت ہے۔

چونکہ دعاء مرد مومن کی معراج ہے اس لئے تنگی وفراخی، پریشانی وخوش حالی اور خلوت وجلوت میں اہل ایمان کو صرف اللہ سے فریادرسی کرنی چاہئے کیونکہ وہی حقیقی غوث اعظم ہے، وہی مشکل کشا ہے، وہی آڑے وقت میں دست گیری کرنے والا ہے، وہی داتا اور دامن مراد کو بھرنے والا ہے، ہمارے معاشرے کے بعض لوگوں کے حالات وواقعات شاہد ہیں کہ جب اللہ نے انھیں مال ومنال سے سرفراز کیا، خوش حال بنایا تو اللہ سے رشتہ کمزور ہوگیا، مسجدوں میں آنا جانا کم ہوگیا، رفقاء واحباب اور غریب قرابت داروں کو پہچاننے سے انکار کردیا اور اپنے گھر کا چوکھٹ بدل دیا۔

میرے ممدوح محترم اور ان کے ابوجان مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہما اللہ دونوں کتاب وسنت کے حامل وعامل تھے، تنگی وفراخی دونوں صورتوں میں آپ نے اللہ سے رشتہ مضبوط رکھا، فاقہ کشی کی حالت میں بھی اللہ سے کوئی گلہ وشکوہ نہیں کیا اور نہ ہی اپنی ''انا'' کو بھینٹ چڑھایا، ہمیشہ عزت نفس کا خیال رکھا اور ہر مشکلات وپریشانی کا سامنا کرتے ہوئے صبر وعزیمت کا مظاہرہ فرمایا، اپنی اور اہل وعیال کی دینی ودنیوی سلامتی، صلح وآشتی اور ان کی صحت یابی ومالی خوش حالی کی برابر دعائیں کرتے رہے اور اسوۂ رسول ہاشمی ﷺ ''دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَة....'' ''مسلمان کی اپنے بھائی کے لئے اس کی پیٹھ پیچھے کی گئی دعا مستجاب ہوتی ہے...'' (صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبة والإستغفار، باب فضل الدعاء للمسلمین بظهر الغیب، رقم: ۲۹۲۹)

کے پیش نظر آپ اپنے دوسرے احباب وعزیزان سے دعا کی درخواست کرتے تھے، آپ صالح اور نیک تھے، ہر کار خیر میں بقدر استطاعت سخاوت وفیاضی سے کام لیتے تھے، نیکی اور خوفِ الٰہی کا اثر تھا کہ اللہ نے آپ کی اکثر دعاؤں کو شرف قبولیت سے ہمکنار فرمایا اور مانگی مرادیں پوری ہوئیں، مجھے اس بات پر کامل یقین ہے اور آپ کی اولاد واحفاد کو بھی اعتراف ہے کہ آج علمی وعوامی مجالس میں آل رحمانی کو جوادب واحترام، عزت ومحبت، شہرت ومقبولیت، دولت علم وعرفاں، اور بقدر کفاف رزق حلال کی فراوانی ہے وہ اللہ کے فضل خاص کے بعد میرے داداجان علامہ محمد زماں رحمانی اور والدین کی دعاؤں اور نیکیوں کا ثمرہ ہے'' آپ نے رب کے حضور ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾ (الصافات: ۱۰۰) کی دعاء مانگی تھی، اللہ نے آپ کو ایک صالح نرینہ اولاد عطا کیا، جو ہمہ جہت شخصیت کا مالک اور کئی لحاظ سے کئی اولاد پر بھاری ہے، یہ بھی آپ کی دعاء اور کوشش ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کا یہ لخت جگر ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کا مصداق بنا اور آپ کا ہم خیال، ہم مزاج اور آپ کے علمی ودعوتی اور سلفی تحریک ومشن کا امین ومحافظ بن کر دین حنیف کی خدمت میں مصروف عمل ہے ''اللهم تقبل حسناتهم ومساعيهم الجميلة وخدماتهم النيّرة في سبيل نشر الإسلام والمسلمين'' آپ پریشانی اور صدمہ کے وقت ''حسبنا الله ونعم الوكيل'' کا بکثرت ورد کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ بڑا اچھا اور پر اثر ورد ہے۔

شیخ محترم رحمہ اللہ عارضۂ قلب، ذیابیطس وتنفس سمیت کئی موذی اور جان لیوا عوارض کا شکار تھے، ہارٹ سرجری کے سلسلہ میں پیس میکر بھی لگا ہوا تھا، اہل وعیال کی نگہداشت وکفالت اور اشیائے خورد ونوش کے انتظام وانصرام میں کبھی کبھار اعتدال سے تجاوز کر جاتے تھے، تاہم آپ کے حکم اور خواہش کی بھرپور تکمیل کی جاتی، علاج ومعالجہ کے سلسلے میں آپ بذات خود حددرجہ محتاط تھے، انگریزی یونانی وغیرہ دواؤں کا استعمال برابر کرتے تھے، آپ کے اکلوتے فرزند آپ کی راحت رسانی اور صحت یابی کے سلسلے میں اپنی طاقت سے زیادہ خرچ کرنے کا جذبہ رکھتے تھے اور بوقت ضرورت عملاً ثابت بھی کیا اور ایک قیمتی زمین فروخت کر کے آپ کا علاج کرایا اور والد گرامی کی خدمت کی خاطر اپنی اولادوں کی مختلف ڈیوٹی لگا رکھی تھی، مولانا موصوف کے سارے بچے قابل مبارکباد ہیں کہ اپنے دادا کی خدمت ذوق وشوق اور محبت سے کرتے تھے، جس کا اعتراف مفتی جامعہ رحمہ اللہ نے مجھ سے کیا تھا، اللہ کی مہربانی اور اچھے معالج کے زیر نگرانی علاج کے باعث آپ کی صحت اطمینان بخش تھی، لاحق امراض سے شفایابی کے لئے ظاہری اسباب ووسائل اختیار کرنے کے باوجود ہمیشہ اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھا، سکون قلب کی دعا کی، ارذل عمر سے پناہ طلب کی، حسب توفیق میں جب بھی آپ کی زیارت وملاقات کے لئے آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو آپ کی پیشانی پر مسرت کی لکیریں نظر آئیں، میری صحت وعافیت دینی ودنیوی خیر وبرکت پر مشتمل، ڈھیر ساری دعائیں کرتے تھے، کبھی کبھار اپنے دل کی کچھ باتیں بھی کہتے تھے، پھر مجھ جیسے کمتر اور گنہگار سے سکون قلب اور مکمل صحت یابی کے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے، آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ اپنے تمام محبین، معتقدین، مستفیدین، تلامذہ، رفقاء واحباب، متعلقین اور زائرین کرام سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور غیوبت میں بھی ہمیشہ دعا کرنے کی اپیل کرتے تھے، میرے والد گرامی آپ کے قدردانوں میں سے تھے حسب توفیق وطن عزیز انتری بازار اور کبھی جامعہ میں آپ سے ملاقات کی غرض سے آیا کرتے تھے اور مفتی جامعہ بھی ان کی بے حد عزت فرماتے، برابر ان کے احوال دریافت کرتے

تھے اور مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ان سے کہنا کہ میرے لئے دعائیں کرتے رہیں گے۔

آپ کا یہ معمول اور وطیرہ اس بات پر غماز ہے کہ آپ کا سینہ خوف الٰہی سے معمور تھا، اللہ کی ذات پر توکل تھا، حسن ظن تھا، حسن خاتمہ آپ کی دعا کی قبولیت اور نیکیوں کے حسین اثرات کی دلیل ہے۔

اسی طرح سے ان لوگوں کے لئے خاموش پیغام ہے جو زفرق تابقدم (سر سے پاؤں تک) گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، دن رات اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اس کے باوجود ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے نہ آخرت کی فکر اور نہ ہی اللہ سے توبہ واستغفار کرتے ہیں۔فاعتبروا یاولی الأبصار۔

صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے حقوق کی پاسداری:

آپ کی ذات گرامی صلہ رحمی کی نمایاں صفات سے متصف تھی، صلہ رحمی کا مطلب ہے ''رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان سے ہر صورت میں تعلق جوڑ کر رکھنا حتی کہ اگر رشتے دار بداخلاقی کا مظاہرہ اور تعلق توڑنے کا ارتکاب کریں تب بھی حقوق قرابت کی ادائیگی اور تعلق جوڑے رکھنے کا اہتمام کیا جائے اسی کا نام ''صلہ رحمی'' ہے، مفتی محترم کے جتنے دورونزدیک کے رشتہ دار تھے ہر ایک سے آپ کے مراسم وتعلقات بہت اچھے تھے، ہر کوئی آپ کی عزت وتکریم کرتا تھا اور آپ بھی حسب مراتب ومناصب سبھی لوگوں کے حقوق ادا کرتے تھے، آپ عیدین میں جب اپنے آبائی وطن معروف قصبہ انتری بازار جاتے تھے تو رشتہ داروں، عقیدت مندوں اور عزیز شاگردوں کے آنے جانے کا لامتناہی سلسلہ لگا رہتا تھا، حسب سہولت پرتکلف دعوتوں کا اہتمام کرواتے تھے، ہدایا وتحائف کا باہمی تبادلہ کرتے تھے، آپ کی زندگی کا اکثر حصہ ملک نیپال کا عالمی شہرت یافتہ سلفی ادارہ ''جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر کی فیملی کوارٹر میں گزرا ہے، سرزمین جھنڈانگر میں ایک دعوتی، علمی خانوادہ ''خاندان میاں زکریا'' کے نام سے معروف ہے، اس خاندان میں طرفین سے کئی رشتہ داریاں ہیں، اس علمی خانوادے کے اکثر وبیشتر حضرات دینی وعصری علوم سے آراستہ ہیں، سارے لوگ خلیق وملنسار اور خوش پوشاک اور بعض تکلف مزاج ہیں، ہر ایک کی اپنی الگ الگ شان وپہچان ہے، ایک دوسرے کے حقوق کو اچھی طرح جانتے ہیں، بعض گھریلو وذاتی امور میں اختلاف کے باوجود باہمی میل وجول، الفت ومحبت اور اسلامی رواداری وہمدردی میں کوئی کمی نظر نہیں آتی ہے، اگر میں یہ لکھ دوں تو مبالغہ نہ ہوگا گرچہ مبالغہ پر محمول کیا جائے گا کہ ''حق رفاقت'' وضیافت، سلیقہ مندی اور ظاہری وضع داری اور دوسروں کے دلوں پر حکمرانی کرنے کا گُر سیکھنا ہے تو اس خاندان کے ان تجربہ کاروں کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے، جو اس میدان میں لاثانی ہیں۔

میرے مفتی محترم اپنی اولاد واحفاد، خاندان اور پڑوسیوں کی نگاہ میں بڑی ہی محترم شخصیت تھی، ہر کوئی آپ کی عزت واحترام میں دست بستہ کھڑا رہتا تھا اور اگر کبھی کسی بات پر ناراض ہوجایا کرتے تھے تو آپ کی اس خفگی وناراضی کو دعا سمجھ کر انگیز کرلیتے تھے اور جواب دینے سے گریز اور راہ فرار اختیار کرتے تھے، مبادا کہیں گستاخی اور بے ادبی نہ ہوجائے کیونکہ ربانی علماء کی دل آزاری قابل سرزنش ومواخذہ ہوا کرتا ہے، آپ اپنے پڑوسیوں کے حقوق کی پاسداری کا بھرپور خیال کرتے تھے، ان کے معاملے میں بدمزاج اور سخت گیر نہیں تھے، حتی الامکان باہمی ہمدردی وتعاون کا جذبہ رکھتے تھے، کسی کو اپنی زبان وقلم سے ایذاء رسانی آپ کی طبیعت، ایمانی غیرت کے منافی تھا، وطن مالوف انتری بازار اور جامعہ کے پڑوسیوں کے مابین کبھی کوئی اختلاف اور ناچاقی پیدا نہیں ہوئی، برابر ہر ایک کی خبرگیری

کرتے تھے، بیماری و پریشانی میں شانہ بشانہ لگے رہتے، احوال دریافت کرتے تھے، ماشاء اللہ ان کی اولاد واحفاد نے بھی آپ کے اس حسن عمل کونمونہ بنارکھا ہے، ہر پریشان حال کی پریشانی کودور کرنے میں رضا کارانہ خدمت انجام دیتے ہیں اوراپنی انسانی بساط وطاقت بھرتعاون پیش کرتے ہیں، آپ کی بھانجی و بہواور عزیز مکرم مولا نا سعود اختر سلفی سلمہ اللہ کی والدہ محترمہ کا دل بھی کافی کشادہ ہے، نسوانی امراض وضروریات کے سلسلے میں ان کوکافی معلومات اورمہارت حاصل ہے، بڑی جرأت ودلیری کے ساتھ ان کے تمام معاملات سے نمٹنے کا ہنر کامل آتا ہے اوررضائے الٰہی کی خاطر خدمت خلق کا جذبہ ان کے دل میں ہمیشہ موجزن رہتا ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ شادوآباد اور سلامت رکھے، تاکہ دختران ملت اسلامیہ آپ کے تجربے سے مستفید ہوسکیں۔(آمین)

علماء کرام کے علم ومعرفت کا اعتراف واحترام:

معتبر ومستند علماء کے علوم وفنون سے استفادہ کرنا، قلبی عقیدت کا اظہار کرنا اور کشادہ قلبی کے ساتھ ان کے فضل وکمال، علمی تفوق وبرتری کا اعتراف کرنا انبیائی مشن اور صحابہ کرام کا اسوۂ حسنہ ہے، جرح وتعدیل کے ناقدین حدیث اور ائمہ نقاد نے صرف نقد وجرح ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ثقات رواۃ کی توثیق وتائید بھی کی ہے اور ان کی حدیثوں کا برملا اقرار کیا ہے، جرح وتعدیل کے عظیم نقاد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت یحییٰ بن سعید قطان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے ''...مَارَايتُ بِعَيْنِيْ مِثْلَ يَحْيىَ بن سَعِيْدٍ الْقَطَّانِ''.(سنن ترمذی/ أبو اب القدر، باب الأعمال بالخواتيم: ۴/ ۱۵، رقم: ۲۱۳۷)

یحیی بن سعید قطان کی طرح میری آنکھوں نے کسی کونہیں دیکھا ہے، چونکہ درسگاہ نبوی کے فیض یافتہ آفتاب وماہتاب صحابہ کرام اور اس کے بعد اس ادوار کے نفوس قدسیہ کی پاکیزہ سیرت وکردار شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے زیر مطالعہ تھیں، اس لئے ان اوصاف سے ان کا متاثر ہونا فطری امر تھا، میرے ممدوح محترم اسلاف کرام، مشائخ عظام اور اپنے معاصر علماء کرام کا خوب احترام کرتے تھے، دروس ومحاضرات اور فتوی نویسی کے وقت اپنے موقف اور استدلال پر ان لوگوں کے آراء کا ذکر کرتے تھے، خصوصاً حضرت امام بخاری، امام ابن قدامہ، شارح سنن ترمذی علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب ''التحفة''، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی صاحب المرعاة، شیخ الکل فی الکل سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی اور فاتح قادیان علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری وغیرہم کا ذکر جمیل ،عقیدت مندانہ لب ولہجہ میں کیا کرتے تھے اور ان کے علمی کمالات وخصوصیات کا اعتراف کرتے تھے، احادیث نبوی کی تحقیق وتخریج تصحیح وتضعیف کی بابت تاجدار اقلیم حدیث امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی علمی کاوش کو بنظر استحسان دیکھتے تھے، استفادہ کرتے تھے، ناقدین البانی کی طرف نظر التفات کم کرتے تھے، البانی کے علمی تسامحات وتناقضات اور نوادرات کی بابت یہ کہا کرتے تھے کہ وہ بھی ایک انسان تھے، نئے علمی مسائل پر گفتگو کے دوران کئی بار آپ نے مجھے امہات الکتب کا مطالعہ کرنے اور متقدمین ومتاخرین علماء فقہاء کے علمی فیوض وبرکات سے اکتساب فیض کی وصیت فرمائی، امام اہل السنۃ علامہ محمد ناصر الدین البانی کے علم کی وسعت وگیرائی اور ان کی گراں قدر تالیفات وتحقیقات کی بابت جب میں نے آپ سے کہا اور بعض مسائل میں ان کے دلائل وطرز استدلال کو ذکر کیا تو آپ نے برجستہ بلا تامل ان کے موقف کی تائید وتوثیق کی اور ازراہ نصیحت وخیر خواہی فرمایا کہ علامہ محمد ناصر الدین البانی کی تالیفات وتصنیفات، تحقیقات وتخریجات کا مطالعہ بہت زیادہ مفید ثابت ہوگا اور اس سے تحقیق کا شعور پیدا ہوگا۔

علماء ودعاۃ کی قدردانی اوران کی حوصلہ افزائی:

آپ عالم باعمل اور ہردلعزیز تھے، آپ کی ذات، برادری وعلاقائی تعصب سے بالاترتھی، آپ کی شخصیت غیرمتنازع تھی،اسی لئے ہرکوئی آپ کوعزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھااورآپ کی خدمت وطاعت کواپنے لیے باعث عزوشرف تصورکرتا تھا،آپ میدان تدریس کے شہسوار اوردولہا تھے،آپ کے اندرکامیاب ومثالی معلم ومربی کے سارے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے،علوم مروجہ فن تفسیر،حدیث،فقہ،اصول فقہ اورعلم منطق وغیرہ میں دست گاہ کامل حاصل ہونے کے باوجودکبھی بھی ہمہ دانی کاغرور دل میں پیدانہ ہوا، ہرچھوٹے بڑے عالم دین کی قدرکرتے تھے،علم دین کی خدمت ،نشرواشاعت کے فضائل ومسائل بیان کرکےان کے دلوں میں کتاب وسنت کی تعلیمات کوعام کرنے کاشوق پیدا کرتے تھے،تخصصات پرزوردیتے تھے اورکہا کرتے تھے کہ آپ کوجس کام میں دلچسپی ہواس میں انتھک کوشش کرکے اپنانام روشن کریں،آپ اپنے ان شاگردوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے، جودعوت وارشاد ، درس وتدریس ، خطابت وصحافت سے منسلک ہوکرملت بیضاء کی خدمت سرانجام دیتے ہیں،ان کی عدم موجودگی میں ان کاذکرخیرکیا کرتے تھے، اورجب ملاقات ہوتی تواپنی خوشی کااظہار کرتے ہوئے خلوص دل سے دعائیں دیتے تھےاورحوصلہ افزاکلمات کے ساتھ بیش قیمت پندونصائح کرتے ہوئے ذاتی تجربات اورتاریخی حقائق سے روشناس کراتے تھے جس سے دلوں میں کچھ کرگزرنے کاحوصلہ پیدا ہوتا تھا۔

میرے مخلص اوروفا شعار فاضل دوست فضیلۃ الشیخ محمدنسیم محمدیونس مدنی رحفظہ اللہ ورعاہ جومملکت نیپال ضلع روپندیہی کے مستندسلفی عالم دین،انڈونیپال میں سلفی منہج ومسلک کےمخلص علمبردار،داعیانہ جرأت وبسالت،عالمانہ وقارکے مالک ہیں،اللہ نے انھیں موثرزبان،محققانہ انداز،دل آویزاسلوب تدریس،سیال وخاراشگاف قلم عطا کیا ہے،جس کے ذریعہ سنت نبوی کا دفاع، پیغام سلفیت کوفروغ دینے،کتاب وسنت کی مرجعیت اوراس کی اہمیت وافادیت کوثابت کرنے میں شب وروز کوشاں رہتے ہیں، منبرومحراب اوردعوتی اسٹیج سےایوان کفروشرک کی بنیادوں کی بیخ کنی کرنے کاانھیں زبردست ہنرآتا ہے،آپ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے محبین اورارشدتلامذہ میں سے ہیں،میرے ممدوح محترم ان کی خوش گفتاری،شگفتہ مزاجی،حسن اخلاق کی بلندی،دعوتی ،تدریسی اورصحافتی خدمات کااعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان کااسلوب خطابت بہت عمدہ ہے اورانداز بیاں شیریں ودل نشین ہوتا ہے،جس موضوع کا انتخاب کرتے ہیں،اس پرمفصل، مدلل اورسیرحاصل گفتگوکرتے ہیں، میں نے جواباً عرض کیا کہ آپ کوجوکچھ معلوم ہوا ہے یاآپ نے سماعت فرمایا ہے وہ مبنی برحقیقت ہے،سامعین وسامعات آپ کی تقریرکی باری کابصدخلوص ومحبت انتظارکرتے ہیں،اوربڑے ذوق وشوق سےان کی تقریردل پذیرسماعت کرتے ہیں،ان کی شرافت ونجابت،علمی رفعت اورمثالی دعوتی کازمیں سرگرم عمل ہونے کی وجہ سے مفتی محترم ان کی قدرکرتے تھے۔

مجھے اپنی علمی بے بضاعتی وقلمی بے مائیگی اورخام علمی کا اعتراف ہے تاہم دعوتی وتدریسی فرائض کے علاوہ کچھ علمی وتحقیقی مقالات ومضامین لکھنے کی بھی کوشش کرتا ہوں، آپ اکثر بعدنمازعصر ''دارالافتاء'' کے کمرے کے سامنے چہل قدمی کے لئے نکلا کرتے تھے، جب تھکان اور درد کا احساس ہوتا تھا توبیٹھ جایا کرتے تھے، میں آپ کی عیادت وتیمارداری اور زیارت کی خاطر اکثریہیں آپ سے ملاقات کرتا تھا، احوال وکوائف دریافت کرنے کے بعد بسااوقات آپ میری علمی مصروفیت کے بارے میں سوال کرتے تھے، میں شرم وخجالت سے سرجھکالیتا تھا، کیونکہ مجھے اپنا حال معلوم ہے''من آنم کہ

من دانم''، لیکن وہ اپنی گفتگو جاری رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا مضمون ماہنامہ ''السراج'' میں برابر شائع ہوتا ہے، بوقت فرصت ضرور پڑھتا ہوں، برابر لکھنے کی عادت بناؤ، اس سے تحریر میں حسن اور علم میں پختگی آئے گی، ایک دن موقعہ کو غنیمت سمجھا آپ سے مؤدبانہ درخواست کرتے ہوئے کہا کہ میں نے علامہ شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق اور انقلابی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی تسہیل، تہذیب اور تنقیح کی ہے، میری اس معمولی قلمی کاوش پر مقدمہ تحریر فرمادیں، بلاکسی قیل وقال فوراً تیار ہوگئے اور ایک مختصر مگر جامع مقدمہ زیب قرطاس کرکے میری اس کتاب کے اعتبار ووقار میں اضافہ فرمایا اللہ کے فضل وکرم اور مخلص مشائخ کی دعاؤں سے یہ کتاب شائع ہوئی اور نونہالان ملت کے زیر درس ہے۔

آج شیخ رحمہ اللہ ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کی علمی خدمات اور نیکیاں زندہ ہیں، ان کے الطاف وعنایات اور حسنات کو یاد کرتا ہوں تو میری آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں، اس انانیت، وفرعونیت کے دور میں کون کس کو اہمیت دیتا ہے ''ہم چنیں دیگرے نیست'' اکثر لوگوں کا محبوب مشغلہ ہے، مگر یہ آپ ہی کی امتیازی شان تھی کہ معمولی سی خدمت انجام دینے پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعاؤں سے نوازتے تھے، آپ کا سینہ آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا، ہمیشہ شاگردوں کی دلجوئی کرتے تھے، ان کے روشن مستقبل کے لئے فکرمند رہتے تھے، آپ نمونہ ہیں ان تنگ اور حاسد اساتذۂ کرام کے لئے جو اپنے شاگردوں کا پر کترتے ہیں اور ان کی علمی ترقی پر جلتے ہیں، ضرورت ہے کہ ایسے لوگ اپنے رویہ میں خوش گوار تبدیلی پیدا کریں اور پاک طینت، عمدہ سیرت وکردار کے حامل افراد کے نقش قدم کی پیروی کریں۔

پیرانہ سالی وجسمانی کمزوری اور صحت کی بسیار خرابی کی وجہ سے جب آپ نے کلیہ عائشہ صدیقہ میں تدریسی فرائض انجام دینے سے معذرت کرلی تو ناظم جامعہ محترم جناب مولانا شمیم احمد خاں ندوی اور کلیہ عائشہ صدیقہ کے ناظم الحاج بھیہ عبدالرشید خاں حفظہما اللہ سے کہا کہ میری دونوں کتابیں ''صحیح بخاری'' اور ''شرح العقیدۃ الواسطیۃ'' میرا عزیز شاگرد وصی اللہ مدنی پڑھائے گا اور کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دے گا، ان شاء اللہ، یہ آپ کا میرے بارے میں حسن ظن تھا اور میرے لئے بڑا امتحان، ذمہ داران کے باہمی مشوروں سے مجھے یہ کتابیں تفویض کی گئیں، اپنے شیخ کے حسن ظن واعتماد پر پورا اترنے کی مکمل کوشش کررہا ہوں اور اپنی علمی بساط بھر طالبات کلیہ کو مطمئن کررہا ہوں **فللہ الحمد والمنة**۔

☆بڑی ناسپاسی اور حق تلفی ہوگی اگر میں شیخ محترم کے ایک خاص اور عقیدت مند شاگرد موضع تندوا، ضلع سدھارتھ نگر کے مولانا عبدالحمید صاحب کے ملفوظات اور ان کے قلبی احساسات کو قلم بند نہ کروں آپ مفتی محترم سے ملاقات کی غرض سے جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر آیا کرتے تھے، دوران ملاقات بعض پیش آمدہ مسائل کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے، تشفی بخش جواب پاکر مطمئن ہوجایا کرتے تھے، آپ کا جسم نحیف ہے، مگر علمی سوالات اور اس کی باریکیوں سے اہل علم کے سر چکرانے لگتے ہیں، اپنے شیخ کی علمی رفعت وعظمت، فقہی بصیرت، تفسیری ذوق اور دیگر محاسن کا ذکر علمی وعوامی مجالس میں برابر کرتے رہتے ہیں، ابھی انتقال کے کچھ دنوں کے بعد جامعہ کی جامع مسجد میں ممبئی کے معزز مہمان مولانا عبدالحمید صاحب (بھیونڈی) سے مفتی محترم کی علمی جلالت شان، قوت استحضار، سادگی اور کتاب وسنت کے نصوص سے مسائل کا استخراج واستنباط کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بوقت ضرورت اور میری عدم موجودگی میں دینی سوالات واستفسارات

میرے شاگرد وصی اللہ عبدالحکیم مدنی سے رجوع کرلیا کریں اس کا ذوق علمی اور تحقیقی ہے، یہ میرے شیخ محترم کی ذرہ نوازی تھی ورنہ میں اس عظیم وجلیل کام کا اہل نہیں ہوں۔

☆ایک بار ایک مجلس میں ان علماء کا ذکر آ گیا جو دوسرے اہل علم حضرات کے علمی کاموں کو بنظر استخفاف دیکھتے ہیں اوراپنی ساری علمی توانائی ان کی عیب جوئی اور کیڑے نکالنے میں صرف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ نے دوٹوک نصیحت فرمائی کہ ایسے لوگوں کی ہرگز پروانہ کرو، ان کی باتوں وتنقیدوں پر بالکل توجہ نہ دو، بلکہ آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرو، فتنہ پروروں سے یہ زمین کبھی خالی نہیں تھی، شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ پر بھی ان کے معاصرین وحاسدین علماء نے انگشت نمائی کی اوران کی بکثرت تصنیف کو طنز وتعریض کا نشانہ بنایا، بے جا اعتراض کرنے والے اپنی ہی جگہ پربت بن کر کھڑے ہیں، اور خدمت دین کا عزم وحوصلہ رکھنے والے کچھ نہ کچھ کر گزرے اور اپنے لئے صدقۂ جاریہ کے طور پر تقریریں، علم نافع مفید لٹریچرس اور کتابوں کو چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

☆آپ کا سفر حج بھی میرے لئے کافی حوصلہ افزا تھا، ۱۹۹۴ء میں جب اللہ نے آپ کو سفر حج کی توفیق بخشی تو میں ان دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم تھا، مشتاق نگاہوں سے مدینہ طیبہ آنے کا انتظار کررہا تھا، وہ مبارک ساعت بھی آ گئی اور آپ مدینہ تشریف لے آئے، جامعہ میں آپ کے موجود تلامذہ ومستفیدین ملاقات کی خاطر مسجد نبوی اور آپ کی رہائش پر جایا کرتے تھے، ایک روز آپ نے مجھ سے کہا کہ تم لوگوں کی ملاقات سے میں بہت ہی زیادہ خوش ہوں، مکہ میں مجھے جو مشقت اور اجنبیت تھی وہ یہاں نہیں ہے، وہاں کوئی خبر گیری کرنے والا نہیں تھا اور یہاں ماشاء اللہ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ جیسے میں اپنے گھر پر ہوں، ایک مجلس میں جامعہ اسلامیہ کی تعلیم وتربیت، طرق تدریس پر گفتگو شروع ہوئی تو کہا تم لوگوں کو اللہ کا شکر بجالانا چاہئے اور یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ اللہ نے آپ لوگوں کو جامعہ اسلامیہ جیسی عظیم سلفی عالمی یونیورسٹی میں پڑھنے کا موقع عنایت فرمایا، یہاں کے کبار شیوخ، عبقری وعلمی شخصیات سے استفادہ کا موقع دیا ہے، اسے غنیمت سمجھ کر اپنے اساتذہ وشیوخ کے علم وعرفاں کے بحر ناپیدا کنار میں خوب خوب غوطہ زنی کرنا تاکہ بابصیرت عالم بن کر اپنے وطن عزیز کو واپس آنا، جامعہ اسلامیہ کے ثمرات وحسنات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے خوشی اور فخر ہے کہ اللہ نے میرے شاگردوں اور جامعہ کے دیگر فضلاء کو جو نعمت عظمیٰ عطا کی ہے، اس سے میں اور میری طرح دوسرے علماء محروم ہیں، وہ اس کم عمری میں جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط کی روشنی میں ان کے اندر احادیث کی تحقیق کا شعور پیدا ہوگیا ہے، ہم لوگوں کو یہ علمی ماحول نہیں مل سکا جس کی وجہ سے فارغ التحصیل اور میدان عمل میں اترنے کے باوجود یہ کام ہم لوگوں کے لئے مشکل ہے، اہل علم کے مابین احادیث کی تحقیق کا جو جذبہ پیدا ہوا اس کا سارا سہرا امام وقت علامہ محمد ناصرالدین البانی رحمہ اللہ اوران کے دیگر ارشد تلامذہ کے سر جاتا ہے، جنھوں نے اس راستے کے پیچ وخم کو ہموار کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے، **فجزاهم الله خيراً**۔

''علم اور علماء'' کے تعلق سے آپ کی یہ عقیدت ومحبت اوراحترام کا اظہار شیخ موصوف کی علمی تواضع پر دلالت کرتا ہے، حدیث رسول ﷺ ''**وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ**''(**صحیح مسلم**) کے مصداق اللہ نے آپ کو

جومقام عالیہ عطا کیا تھا، وہ اسی تواضع وانکساری کا ثمرہ تھا، حیرت ہوتی ہے ان علماء پر جنھیں نابغہ روزگار عالم ربانی شیخ ابن باز جیسی علمی ودعوتی شخصیت کی عربی زبان دانی میں خشونت ورکاکت نظر آتی ہے اوراپنی ہندوستانی عربی میں فصاحت وبلاغت ،اس طرح کے بیان وتبصرہ کا مقصد وحید سستی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں، لیکن آسمان پر تھوکنے والے کاانجام سب کومعلوم ہے۔

ازدواجی زندگی اوراسوۂ مفتی:

اللہ کے رسول ﷺ نے بہترین شخص اس کوقرار دیا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں، پھرفرمایا کہ تم میں بہترشخص وہ ہے جس کارویہ اپنے گھروالوں کے ساتھ بہتر ہواور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے والا ہوں ''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُم لِأَهْلِي''۔(صحیح/سنن ترمذی،المناقب،باب فی فضل ازواج النبی ﷺ ۶/ ۱۸۸ ،رقم: ۳۸۹۵)

ازواج کی کثرت کے باوجودآپ ﷺ کاسلوک اپنی بیویوں کےساتھ ہمیشہ اعلیٰ درجے کارہا کیونکہ اللہ نے بیویوں کے ساتھ بہترسلوک کاحکم فرمایاہےارشادالٰہی ہے:﴿وَعَاشِرُوهُن بالمعروف..﴾ (النساء: ۱۹) عورتوں کےساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو' یہ ایک جامع تعبیر ہے جس میں نرم خوئی،خوش اخلاقی،شرافت ومروت اور پاس ولحاظ کی تمام صورتیں داخل ہیں۔

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کاایک پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کاذکرکیاجائے اوراس سے محبت کااظہار ہو، انسانی فطرت ہے کہ اگراس کی تعریف کی جائے تواس کوخوشی ہوتی ہے، دنیاوی اورفطرتی ضروریات کی تکمیل کےعلاوہ اگرشوہراپنی بیوی کودینی وشرعی احکام ومسائل سے آگاہ کرتاہے،اس کی آخرت سنوارنے میں اپنی توانائی صرف کرتا ہے توایسی نیک سیرت عورتیں اپنے شوہروں کی احسان مندرہتی ہیں اوران کے باہمی تعلقات خوشگوار رہتے ہیں، ہمارے مفتی محترم کی ازدواجی زندگی پرکیف گذری ہے، کیوں کہ زوجین کاتعلق علمی گھرانے سے تھا، دونوں کی تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی تھی،آپ کی اہلیہ محترمہ کسی ادارے کی متخرجہ اورمستندعالمہ نہیں تھیں،لیکن مفتی محترم کی حسن تربیت اورمعاشرت کااثر یہ تھا کہ موجودہ دورکی طالبات ومعلمات سے علم واخلاق کے اعتبار سے اچھی تھیں، آپ اپنی سیرت وکرداراوراعلی اخلاق واقدارکی وجہ سےعورتوں کے مابین محترم تھیں اورفیشن زدہ ونیم عریاں لباس زیب تن کرنے والی دختران ملت اورادھیڑعمرکی عورتوں کو اسلامی لباس وحجاب وتعلیمات نبوی سے آگاہ کرتی تھیں۔

آپ کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ کی قرآن سے وارفتگی کاحال یہ تھا کہ روانی قرآن پڑھنے میں دقت محسوس ہوتی تھی اس لئے کہ مکتب کی تعلیم کمزورتھی لیکن ہرحال میں قرآن سیکھنے کا حوصلہ دل میں موجزن اوربلندتھا،آپ نے مفتی محترم سے اپنی دلی خواہش کااظہارکیا،انسانی طاقت بھرکوشش کی،مفتی محترم نے بھی اپنی مونس وغمگساررفیقۂ حیات کی دل داری وپاسداری کرنے کے لئے شب وروزاس جانب خصوصی توجہ فرمائی اور اس راہ کی ساری رکاوٹیں دورہوگئیں سچ اورحقیقت ہے ﴿ان مع العسر یسرا﴾ کچھ دنوں کی محنت ومشقت اوراللہ کے فضل خاص سے آپ کوآہستہ آہستہ اچھی طرح سےقرآن پڑھنا آگیااوراکثراوقات قرآن کی تلاوت کرنا آپ کی شناخت اور پہچان بن گئی، آپ جہاں رہتی تھیں فرصت کے اوقات میں قرآن کی تلاوت لازمی تھی، آپ کا یہ عمل ان کے حسن صحبت کی واضح دلیل تھی، یہ ایک خاموش پیغام تھا کہ میرے مرنے کے

بعد بھی قرآن سے رشتہ برقرار رہے نیز اللہ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی کدو کاوش کو ثمر بار بناتا ہے، مفتی محترم کی زندگی کا یہ میدان علماء وعوام کے لئے نمونہ عمل ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے ہیں، معاشرتی حقوق کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیتے ہیں اور لطف اندوزی اور دنیاوی اغراض ومقاصد کی حد تک محدود رکھتے ہیں۔

اخلاقی برتری:

شیخ الحدیث اور مفتی محترم کا اصل میدان تدریس کا تھا اور انھیں تدریس سے اس قدر دلچسپی تھی کہ جب تک صاحب فراش نہیں ہوئے برابر پڑھاتے رہے، حدیث کی تمام کتابوں پر ان کی گہری نظر تھی، تدریس وافتاء کے سلسلے میں ان کی کاوشیں بالخصوص لائق تحسین ہیں، آپ کی ذات اخلاقی بیماری سے پاک تھی، آپ خلیق وملنسار، خوش گفتار اور عمدہ سیرت وکردار اور بزرگ انسان تھے، منتظمین جامعہ، تدریسی اسٹاف اور اپنے شاگردوں کی عزت کرتے تھے مگر تاریخ گواہ ہے کہ اس روئے زمین پر صلحاء واتقیاء اور خود دار علماء کے عزت نفس کو ہر دور میں چیلنج کیا گیا، ابتلاء وآزمائش کی بھٹی میں تپایا گیا ہے، آج مجھے حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کی بات کی صداقت یاد آتی ہے، انھوں نے آپ ﷺ کے متعلق کہا تھا کہ ''.......لم يأت رجل قط بمثل ما جئت به إلا عودي....'' (صحيح بخاري: بدء الوحي) حق پرست، حق گو اور راست باز اشخاص کی باتوں کی مخالفت اور ان سے عداوت کی جاتی ہے، میری نگاہیں ذوالوجہین لوگوں کو دیکھ رہی ہیں جو بظاہر غمخوار نظر آتے تھے، مگر آپ کی ذاتی امور میں نکتہ چینی کرنے اور آپ کے استاد گرامی ناظم جامعہ سے شکایت کرنے میں پیش پیش رہتے تھے، لیکن ناظم جامعہ مردم شناس تھے، ان کے قلب ونظر میں وسعت تھی، آپ ان لوگوں کی شکایت ایسے انداز میں سنتے تھے جیسا کہ سنا ہی نہیں، میں شیخ الحدیث کے صبر واستقامت کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ جاننے کے باوجود برادران یوسف کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، اور کبھی اپنی زبان پر حرف شکایت نہیں لاتے، اگر کسی نے جھوٹی شکایتوں کے ازالہ وصفائی کی طرف توجہ دلائی تو فرمایا کہ ہمارا یہ حضرات کیا لیتے ہیں اگر اس سے انھیں راحت محسوس ہوتی ہے تو ہمیں خوش ہونا چاہئے، کہ ہماری وجہ سے انھیں سکون قلب حاصل ہو رہا ہے، یہ آپ کا انکسار اور اخلاقی برتری کی علامت تھی، تحریر کا مقصد آئندہ آنے والی نسلوں کو اپنے اسلاف کے زریں کارناموں سے آگاہ کرنا اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرنے کی دعوت دینا ہے۔

جماعتی ومسلکی غیرت وحمیت:

شیخ الحدیث کے والد گرامی مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ اپنے زمانے کے عبقری عالم دین اور سحر البیان خطیب تھے، کتاب وسنت کے منبع اور منہج محدثین کے علمبردار تھے، آپ اپنی حیات مستعار کو سلفیت کے فروغ کے لئے وقف کر رکھا تھا، مختلف وسائل وذرائع کے ذریعہ تقلیدی آلائشوں کو بے نقاب کیا اور سلف صالحین کے عقائد سے لوگوں کو آگاہ کیا، شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو جماعت سے وابستگی وراثت میں ملی تھی، آپ بابصیرت باغیرت اور باوقار سلفی عالم اور مخلص ومتحمس داعی دین حنیف تھے، ایمان شکن تحریروں اور گمراہ گر فرقوں کے فاسد عقائد ونظریات کی تردید میں اپنی زبان وقلم کو شمشیر بے نیام کر دیا کرتے تھے، اگر کسی نے جماعت اہل حدیث کے مسلک

ومنہج پر حملہ کیا تو ایسے مواقع پر اپنی سکوت اور خاموشی کو اپنی فطرت کے خلاف اور قلم کی غیرت کے منافی تصور کرتے تھے، تادم واپسیں سلفی منہج وفکر اور صحیح فہم وفراست کی بالادستی کو قائم رکھتے ہوئے سلف صالحین کے افکار، فرمودات اور صحیح عقائد کے منافی امور ومعتقدات کی بیخ کنی کی اوران کے تمام بودے دلائل وبراہین کی حقیقت سے امت مسلمہ کو آگاہ فرمایا۔

آپ جمعیت وجماعت کی ترقی کے خواہاں تھے اوراس کے لئے اپنی مفوضہ ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے ہمہ وقت کمربستہ وکوشاں رہے، جمعیت سے منسلک ہوکر دعوتی وجماعتی حرکت ونشاط میں روح ڈالی ہے اور جب ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوگئے تب بھی انفرادی طور پر جماعت کے دستور ومنشور اوراس کے اہم اہداف ومقاصد سے اپنے اطراف واکناف کے مسلمانوں کو روشناس کرایا ہے مسلک حق کو عام کرنے کے لئے ناقابل فراموش جدوجہد کی ہے، فِرَق وادیان اور اسلامی جمعیات وتنظیمات پر گہری نظر تھی، جمعیت وجماعت کے تئیں آپ بہت حساس تھے، معمولی گفتگو برداشت نہیں کرتے تھے، رگ حمیت بھڑک اٹھتی تھی، آپ کم گو اور خاموش داعی اور مصلح قوم وملت تھے، سلفیت کا تعارف اس کی صداقت وحقانیت اوراس کے حسین اثرات کو بیان کرنے کے لئے آپ کے پاس کوئی وقت اور جگہ کی تعیین نہیں تھی بلکہ برجستہ وبرمحل سلف صالحین کے عقائد کی خوبیوں کو اجاگر کرتے اور مقلدین اور دیگر باطل فرقوں کے فاسد معتقدات اوران کے بدنما چہروں کو آئینہ دکھاتے تھے۔

غالبًا میں جامعہ سراج العلوم السلفیہ میں جماعت سادسہ میں زیر تعلیم تھا، اس وقت بعض اہل حدیث طلبہ تحریکیوں کے تاجرانہ اخلاق وخوشنما الفاظ سے متاثر تھے، میرے ہم سبق ساتھیوں میں سے کسی نے آپ سے جماعت اسلامی کے بارے میں سوال کرلیا، آپ نے درس بند کردیا، اور پُر جوش ہوگئے اور اپنے مخصوص لب ولہجہ میں جماعت اسلامی کے بانی اوران کے دیگر قائدین کا شرعی پوسٹ مارٹم کرنے لگے تو وقت اپنی تنگ دامنی کی شکایت کرنے لگا، مجھے اس وقت خود اس جماعت کے بارے میں کچھ معلومات نہیں تھی، لیکن آپ کی گفتگو کا ہم طلبہ کو یہ فائدہ ہوا کہ اس جماعت کے خدوخال کی معرفت کا شعور دل میں پیدا ہوا، اور حکیم مولانا محمد اجمل خاں رحمہ اللہ کی تصنیف ''جماعت اسلامی کو پہچانئے'' پڑھنے کا موقع ملا، اس وقت آپ کی گفتگو من وعن یاد نہیں ہے، صرف اتنا یاد ہے کہ آپ نے جماعت اسلامی کا تعارف یوں کرایا تھا کہ یہ اسلامی جماعت نہیں ''کھچڑی جماعت'' ہے پھر آپ نے اپنی اودھی ودیہاتی زبان میں کہا کہ ''شیعہ بابو'' تہوں آوٗ، حنفی بھائی، تبلیغی بھائی، بریلوی بھائی'' سب میری جماعت میں شامل ہوجاوٗ اور اپنی مرضی کے مطابق صوم وصلاۃ ادا کرو، جماعت اسلامی کے تعارف میں جو کلمہ آپ نے استعمال کیا وہ بلاشبہ ایک جامع تعبیر تھی اوراس لفظ میں جو جامعیت ہے وہ آج عالم اسلام کے سیاسی پس منظر میں سمجھ میں آرہا ہے، کہ رافضیت، شیعیت، ندویت، دیوبندیت اور بریلویت کے مجموعہ کا نام ''جماعت اسلامی'' ہے اوراس اتحاد کے پیچھے ان کے جو اہداف ومقاصد ہیں وہ بہت ہی گھناؤنے اور خطرناک ہیں، یااللہ! عالم اسلام اور حرمین شریفین کی حفاظت فرما۔(آمین) **اللهم احفظنا من كل بلاء الدنيا والآخرة۔**

✿✿✿

سعود اختر عبدالمنان سلفی
استاد جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر

پیارے دادا جان کی زندگی کے درخشاں پہلو

میرے مشفق دادا جان رحمہ اللہ علم وعمل ، درس و تدریس ،فقہ وفتاوی ،تواضع وانکساری،سادگی وقناعت پسندی کے علاوہ بے شمار اوصاف و خصائل کے مالک تھے ۔ان کی حیات ہمارے لئے باعث رحمت تھی ،لیکن اللہ کی مشیئت اور فیصلے کے مطابق یکے بعد دیگرے صرف چھ سال کی مدت میں دادی ،دادا اور پھر والد صاحب رحمہم اللہ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جانے کے باعث مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے دل رنجور اور مغموم ہے،آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر آباد ہے اور یکا یک ذمہ داریوں کے بوجھ نیز غموں کے لامتناہی سلسلے نے ذہن ودماغ کو مختل کردیا ہے،ان کی جمع کی ہوئی کتابوں اور علمی اثاثوں کو دیکھ کر جگر چھلنی ہوا جاتا ہے ،آج جب میں اپنے جذبات واحساسات کو جملوں میں ڈھالنے کی کوشش کررہا ہوں تو آنکھوں سے بے حساب موتیاں ٹپک ٹپک کر کاغذ کو بھگو رہی ہیں اور قلم کی روشنائی کو بکھیر رہی ہیں ،لیکن ہم اللہ کی حکمت ومصلحت سے بالکل بے خبر ہیں ،اس پر ہمارا ایمان ہے ،اس کے ہر حکم اور فیصلے پر ہم راضی اور خوش ہیں اور ایسے ہوش ربا حالات میں اللہ کی بارگاہ میں ہم وہی کہتے ہیں جو میرے نبی اکرم ﷺ نے اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم کی موت پر کہا تھا:

''إن العین تدمع و إن القلب یحزن ولا نقول إلا مایرضیٰ ربنا و انابفراقک لمحزونون''

موت ایک اٹل حقیقت ہے ،جس پر کسی کا زور نہیں چل سکتا ،کوئی دربان خواہ وہ قوت وطاقت میں کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ ہو روک نہیں سکتا ،زمین کی تہوں ، پہاڑ کی چوٹیوں ، آہنی دیواروں اور لمبی چوڑی فصیلوں کی آڑ میں بیٹھ کر یا بلند وبالا برجوں پر بھی چڑھ کر اس سے کوئی راہ فرار اختیار نہیں کرسکتا ، موت کا جب اور جہاں وقت متعین ہے آکر رہے گی ، بندہ کا اپنے آباء واجداد یا کسی قریبی کی موت سے غمگین ہونا ایک فطری عمل ہے اور ایک حد میں رہ کر اس پر حزین وغمگین ہونا جائز و مباح ہے لیکن اس پر صبر وشکر کرنا باعث اجر وثواب ہے۔

انسان جب اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال اس کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کے لئے برزخی و اخروی زندگی میں مفید وکارآمد اور کبھی ضرر ساں ثابت ہوتے ہیں اور بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے وجود تک میت کو فائدہ ونقصان پہنچاتے رہتے ہیں ۔انہی میں سے ایک عمل علم نافع ہے ، جو کہ انسان کو موت کے بعد بھی مرنے نہیں دیتا اور اس کے درجات کو بلند کرتا رہتا ہے ۔الحمدللہ ہمارے اجداد نے بھی اپنے سینے میں علم شرعی کو محفوظ کیا اور اسے دوسروں تک پہنچایا ، دعوت واصلاح کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں ،تبلیغ ودعوت ،درس وتدریس اور وعظ وخطابت کے ذریعہ کئی نسلوں کی تربیت کی جس کی وجہ سے وہ مرنے کے باوجود بھی خلق خدا کے دل وزبان پر زندہ ہیں اور جب تک لوگ ان کے علمی اثاثوں اور تلامذہ سے مستفید ہوتے رہیں گے ، انہیں

دنیوی واخروی فائدہ ملتا رہے گا، ان شاءاللہ۔

میرے دادا ایک علمی و دعوتی خانوادہ کے روشن چشم وچراغ تھے، آپ کے والدمحترم جناب مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کی مایہ نازاور ممتاز درس گاہ دارالحدیث رحمانیہ کے فاضل تھے، اللہ کے فضل کے بعد اپنے والد کی اعلیٰ تعلیم وتربیت اور علمی میدان میں اپنی محنت و جاں فشانی، متانت وسنجیدگی اور غیر معمولی ذہانت کے نتیجہ میں جامعہ اسلامیہ فیض عام سے سندفراغت حاصل کی، اس کے بعد مختلف مدارس میں رہ کرعلم دین کی خوب آبیاری کی اور شمع رسالت کو روشن کیا، آپ کی زندگی کے کس گوشہ پر میں روشنی ڈالوں سمجھ سے بالاتر ہے، والدصاحب نے ابھی لاک ڈاؤن سے قبل اس شمارہ کومرتب کرلیا تھا کہ آپ کواختلاج قلب کی شکایت ہوگئی پھرمشاغل کے ہجوم اور اپنی ایک کتاب ''ضلع سدھارتھ نگر کے فارغین جامعہ سلفیہ بنارس کی تصنیفی خدمات،، کواشاعت کے لائق بنانے نیز اس کی کتابت وپروف ریڈنگ میں مصروف ہو گئے، ابھی یہ کام پایہ تکمیل کوبھی نہیں پہنچا کہ کرونا وائرس نے ہند ونیپال میں دستک دے دی اور متاثرین ومہلوکین کی تعداد میں غیرمعمولی اضافے ہونے لگے، شرح اموات میں تیزی آ گئی، حکومتوں نے اس بیماری سے نجات کا واحد علاج لاک ڈاؤن میں تلاش کرلیا اور ہمارے یہاں بھی اس خبیث لاک ڈاؤن کا لامتناہی سلسلہ دراز ہوتا گیا اور اسی دوران وہ اچانک ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا ہوکر ہم کوداغ مفارقت دے گئے (إنا لله وإنا إليه راجعون) اوران کے سارے خواب وارمان اور جذبات وخواہشات ان کے ساتھ دفن ہوگئے۔ والد صاحب اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے، آپ نے لمبے عرصے تک ان کی خدمت کی اور ایسی خدمت جوآج کے دور میں عدیم النظیر وبے مثال نہیں تو کمیاب ضرور ہے، ممکن ہے لاک ڈاؤن میں فرصت کے لمحات میں اپنے والدمحترم کے تئیں اپنے جذبات کا اظہار بھی کیا ہو، کمپیوٹر اوران کے کاغذات میں کافی تلاش کیا لیکن کچھ بھی نہ مل سکا، اس طول طویل تمہید کا مقصد یہ ہے کہ زیرنظر مضمون میں، میں اپنے جذبات اور اپنے والدگرامی صاحب کے ان احساسات وخیالات اور تاثرات کی ترجمانی کروں گا جو میں نے ان سے سنا اور دیکھا ہے۔

دادا محترم نے ایک ایسے خانوادہ میں آنکھیں کھولیں جوعلم وعمل میں مینارۂ نوراورشرک وبدعات سے کوسوں دور تھا، آپ کے دادا نہایت ہی متقی وپرہیزگار انسان تھے، تجارت کے ساتھ دعوت دین کو جزء لاینفک تصور کرتے اور اصلاحی وتربیتی امور میں علماء کرام کی معاونت کرتے، نیز پوری تندہی اور جاں فشانی کے ساتھ اس کا علم بلند کرتے، انتری بازار تعزیہ داری ودیگر غیرشرعی رسوم واعمال کا مرکز بنتا جارہا تھا جسے دیکھ کر وہ بے چین و بے قرار ہورہے تھے، گاؤں کے دوافراد کے ساتھ حامی سنت، قاطع بدعت، مصلح کبیر مولانا سید عابدعلی رحمہ اللہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر اپنی بستی کے احوال وکوائف بیان فرمائے اوران سے بغرض تبلیغ و دعوت انتری بازار میں سکونت اختیار کرنے کی عاجزانہ ومخلصانہ درخواست کی جسے انہوں نے شرف قبولیت بخشی اور دعوت واصلاح کے جذبہ سے سرشار آپ نے گاؤں میں قدم رنجہ فرمایا، ان کی علمی بصیرت اور دعوتی تجربات اور گاؤں کے چند بابصیرت اشخاص کی اعانت سے تھوڑے عرصہ میں گاؤں کا نقشہ بدل گیا، مولانا نے اپنی دعوت کا آغاز مسجد سے کیا اور اسی مسجد ہی میں بحرالعلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا، بچوں کوعلم دین کی جانب راغب فرمایا اور انہیں مکتب ، فارسی وعربی کی

ابتدائی تعلیم سے بہرہ ورفرما کر ملک کے مختلف شہروں میں حصول تعلیم کے لئے روانہ کیا، میرے پردادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ جو کہ بچپن کا ایک عمر فضول میں گزار چکے تھے لیکن جب ان کے والد محترم کو اپنے سلیقہ مند بیٹے کے مستقبل اور کار دعوت کو تسلسل کے ساتھ قائم رکھنے کی فکر ہوئی تو گاؤں ہی کے ایک متوسط پڑھے لکھے میاں عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ کے حوالے کر کے ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا، پردادا مولانا محمد زماں رحمانی نے ان سے ابتدائی کتابیں اور ناظرہ قرآن مجید پڑھیں، اس کے بعد سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا عباداللہ صاحب کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور تشریف لے گئے، جہاں مولانا سید عابد علی صاحب سمیت کئی افاضل علماء تدریس پر مامور تھے اوران کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، ۱۹۱۸ء میں جب انتری بازار کے چند بزرگوں کی دعوت پر مولانا سید عابد علی صاحب نے یوسف پور کو خیر باد کہہ دیا اور انتری بازار تشریف لے آئے تو آپ بھی ان کے ساتھ گاؤں میں چلے آئے اور مدرسہ بحرالعلوم میں آپ سے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس لے کر مہارت حاصل کی، مولانا سید عابد علی کی بے انتہا محبت اور تدریس کی اثر انگیزی وسحر آفرینی نے ان کے دل کی دنیا بدل دی اور وہ مولانا سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کر کے حصول علم کا شوق وامنگ لئے گھر سے نکل گئے اور مختلف مدارس- جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو و جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر- سے خوشہ چینی اورا فاضل اساتذہ کرام سے کسب فیض حاصل کرتے ہوئے اپنے استاد ماہر فنون مولانا عبدالغفور ملا بسکوہری کے ساتھ وقت کے سب سے معیاری اور ممتاز ادارہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہو گئے اور بہت ساری معاشی تکلیفوں اور کلفتوں کو جھیل کر جبہ و دستار اور سند افتخار نیز رحمانی لقب کے ساتھ گھر واپس ہوئے۔

آپ کو وقت کی عظیم درس گاہ، ممتاز دانش کدہ، منہج سلف کی منادوآبرو، سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے خوابوں کی تعبیر دارالحدیث رحمانیہ اور میاں صاحب کے فیض تربیت سے لبریز متعدد افاضل اساتذہ کی صحبت نے دعوتی وتعلیمی مشن کا مرد مجاہد بنا دیا تھا، رحمانیہ سے فراغت کے بعد جب میدان عمل میں قدم رکھا تو اپنے پسماندہ علاقے کے علاوہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے کئی مقامات اور پڑوسی ملک نیپال کے ترائی اور پہاڑی علاقوں کو اپنی دعوت واصلاح کا مرکز بنایا، اپنے استاد مولانا سید عابد علی رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسہ بحرالعلوم کی آب یاری کی اوراس کی تعمیر وترقی اور نشاۃ ثانیہ میں بنیادی کردار ادا کیا، بغیر کسی لالچ وطمع کے تبلیغی دورے کئے، عوام الناس کو ان کی زبان میں کتاب وسنت کا جام پلایا، والدین اور سرپرستوں کو تعلیم نسواں پر مہمیز کیا، آپ کی اسی فکر کی بدولت تمام اولاد (دادااوران کے بہنوں سمیت) نے اچھا خاصا علم شرعی حاصل کیا۔

آپ کی نرینہ اولاد میں سے کئی بچے بچپن میں فوت ہو گئے، دادا کے علاوہ ایک بھائی ضیاء الرحمٰن رحمہ اللہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے، بقول دادی محترمہ رحمہا اللہ نہایت وجیہ، محنتی اور فرماں بردار تھے، جماعت ثانیہ میں زیر تعلیم تھے لیکن مشیئت الٰہی کے تحت معمولی بیماری میں مبتلا ہو کر داغ مفارقت دے گئے اور نرینہ اولاد میں دادا تنہا بچے جنہیں اکلوتے ہونے کے سبب چھوٹی بڑی بہنوں و دیگر خاندان کی بے پناہ محبتیں اور شفقتیں حاصل تھیں، دادا جان اپنے والد محترم اور دیگر اساتذہ کی تربیت اور نگرانی میں رہ کر اپنے والد کے نقش قدم کی پیروی اور ان کے نسبی وعلمی جانشین بننے کی فکر میں نہ

صرف یہ کہ لگ گئے بلکہ اپنے ہم عمروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اپنی محنت و جاں فشانی اور صالحیت وصلاحیت کی بنیاد پر ہند و نیپال کی دو عظیم مرکزی درس گاہوں میں اپنے علم کا جوہر دکھایا، آپ کی علمی صلاحیت پر آپ کے بعض تلامذہ اور رفقاء و معاصرین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ، ناچیز راقم صرف اپنے مشاہدات و تجربات عائلی زندگی میں آپ کا مقام قلم بند کرنے کی کوشش کررہا ہے، دادا جان کو اللہ رب العالمین نے شادی کا ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بہت سارے ارمانوں ، دعاؤں اور تمناؤں کے بعد والد محترم مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ کی شکل میں ایک بیٹا عطا فرمایا، اس کے بعد آٹھ آٹھ سالوں کے طویل وقفہ سے رحمت کی شکل میں دو بیٹیاں محترمہ پھوپھی صفیہ خاتون ومحترمہ پھوپھی حمیدہ خاتون حفظہما اللہ عنایت فرمائے، آپ نے اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سب کو علم دین کے حصول میں لگایا، جس میں وہ مکمل طور پر کامیاب بھی ہوئے۔

دادا جان کی اولاد کو جہاں والدین کی محبتیں اور شفقتیں حاصل تھیں وہیں دادا نابغۂ روزگار مولانا محمد زماں رحمانی اور نانا واعظ خوش بیان نمونہ سلف مولانا فتح محمد رحمہما اللہ کی شکل میں مربی ومعلم بھی حاصل تھے، جو پیار ومحبت کے ساتھ ساتھ پوری ذمہ داری کے ساتھ دروس دیتے اور کبھی شعوری و لاشعوری طور پر غفلت کا ارتکاب کرنے پر ڈانٹ بھی پلاتے اور دیگر سزائیں مرتب کرتے ، ہمارے پردادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ بھی عام لوگوں کے مانند اپنے اکلوتے پوتے اور پوتیوں سے بے انتہا لاڈو پیار کرتے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ پوتے کی پیدائش ایسے وقت میں ہوئی کہ ساری امیدیں معدوم ہو چکی تھیں، لوگوں نے دادی رحمہا اللہ کو بانجھ ہونے کا طعنہ دینا بھی شروع کردیا تھا، لیکن افراد خانہ مایوس نہ ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ﴿رب هب لی من الصالحين﴾ کے وظیفہ میں اپنی زبانوں کو تر اور قلبوں کو متوجہ کئے ہوئے تھے اور اللہ سے امید اور لو لگائے ہوئے تھے، اللہ نے اپنے بندوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور اپنی نعمت خانوادہ رحمانی پر نچھاور کردی اور اپنے فضل خاص سے ایک بیٹا عطا کردیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے پناہ آرزؤں اور دعاؤں کے نتیجہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا مطیع وفرماں بردار فرزند ملا، جس کی انہوں نے بے مثال و بے نظیر تربیت کی اور بچپن ہی سے انبیائی مشن کی راہ پر لگا کر سرخرو و کامیاب ہوئے ،بعینہ میرے دادا اور پردادا نے بھی اپنے ہونہار اکلوتے بیٹے کو اپنی طاقت بھر ناز ونعم میں پالا لیکن تربیت کے معاملہ میں ذرا بھی سمجھوتا نہیں کیا، لاڈو پیار کو اپنی جگہ پر رکھا لیکن غفلت وسستی کو بالکل برداشت نہیں کیا اور اپنے دعوتی مشن کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی، ابتداء میں تعلیم سے بے رغبتی کی بنیاد پر دو بھینسوں کا چرواہا بھی بنادیا جس کی تفصیل والد صاحب نے خودنوشت سوانح میں لکھی ہے۔

اسی طرح میری پھوپھیاں بالخصوص چھوٹی پھوپھی حمیدہ خاتون حفظہا اللہ بھی تعلیمی میدان میں ممتاز مقام پر فائز رہیں، وہ دادا کے ساتھ جھنڈا نگر میں رہتیں، نہایت کم عمری ہی میں دادا کا پرہیزی کھانا بھی بناتیں اور کلاس کے اعتبار سے گھر ہی پر دادا سے اسباق بھی پڑھتیں ،ان کی ذہانت وفطانت اور تعلیم میں دلچسپی وتوجہ اور دادا کے طریقۂ درس نے ان کو ممتاز مقام پر لاکر کھڑا کردیا تھا، گھر ہی پر رہ کر اپنے والد صاحب سے جماعت خامسہ تک کی ساری نصابی کتابیں پڑھ ڈالی تھیں اور کمال کی بات یہ کہ ثانویہ کی سند کے حصول کے لئے امتحان کے لئے بھی بضد ہوگئیں ، دادا جان نے جب اس کا تذکرہ

اپنے استاذ ناظم جامعہ علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری صاحب رحمہ اللہ سے کیا تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کو امتحان دینے کی اجازت دی بلکہ اس کا انتظام بھی کرادیا، جماعت خامسہ کے طلبہ کے پرچوں میں ایک پرچہ کا اضافہ کیا گیا،مسجد کی دونوں منزل کو طلبہ کے امتحان کے لئے مختص کیا گیا جب کہ پھوپھی کے لئے علیحدہ کمرہ کا انتظام کیا گیا اور موصوفہ نے اسی کمرہ میں بیٹھ کر امتحان دیا اور ممتاز مقام حاصل کیا ۔اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ میری پھوپھی پہلی سراجی خاتون ہیں تو بے جانہ ہوگا۔ان کا نکاح میرے ماموں مولانا محمد اکرم عالیاوی صاحب سے ہوا ،اسی اثناء میں میرے نانا مولانا عبدالوہاب ریاضی نے اپنے نامور عالم دین ،معروف خطیب وقلم کار بھتیجے مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہما اللہ کے تعاون سے مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کا قیام کیا تو اس میں پہلی معلّمہ کی شکل میں بھی انہوں نے اپنا تعاون پیش فرمایا لیکن افسوس کہ بعض وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ دراز نہ ہوسکا اور تدریسی عمل کو خیر باد کہنا پڑا،اگر موصوفہ کا یہ سلسلہ تادیر جاری رہتا تو بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج وہ ملک کی کامیاب ترین معلمات کی فہرست میں شمار ہوتیں۔

میرے دادا نے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت جس انداز میں کی وہ جگ ظاہر ہے ،لیکن اپنے پوتوں پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں کی تعلیم وتربیت سے کبھی غافل نہیں ہوئے بلکہ اگر مشہور مثل ''اصل سے پیارا سود ہوتا ہے'' کے مطابق میں عرض کروں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی اولاد سے زیادہ ہم پوتوں پوتیوں کو پیار ومحبت دیا، ہماری تعلیم کے لئے کوشاں رہے اور ہماری آرام وراحت کے لئے زمانہ کے سرد وگرم حالات کا مقابلہ کیا۔

میری پیدائش ہوئی تو خوشی میں نہال ہوگئے ،عقیقہ کے روز اعیان جماعت وجمعیت ،حافظ نذیر احمد قنوجی ،مولانا ذاکر ندوی،قدسی صاحب اور جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈا نگر کے مؤقر اساتذہ کرام وکارکنان کو جمع کرکے یک شبی دعوتی اور تہنیتی پروگرام بھی منعقد کرلیا جس میں علماء کرام نے اپنی تقریروں اور شعراء عظام نے اپنے موزون کلام کے ذریعہ جہاں دادا محترم کو تہنیتی کلمات پیش فرمائے وہیں عوام الناس کو بھی اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا۔

میری پیدائش پر میرے بزرگوں کو دو قسم کی خوشیاں میسر ہوئیں ایک تو یہ کہ ایک طویل عرصہ کے بعد جہاں آنگن میں کلکاریوں کی آواز گونج رہی تھی وہیں دوسری طرف معاشی حالت بھی مستحکم اور مضبوط ہوئی اور وہ یہ کہ دادا محترم کا ابتعاث دارالافتاء سعودی عرب سے ہوگیا اور پہلی تنخواہ سے میرے عقیقے کے مصارف پایہ تکمیل کو پہنچے اور اس نوید جاں فزا کی وجہ سے میرا نام بھی سعود رکھا گیا، ذاکر ندوی صاحب نے میرے نام میں اضافہ کرکے سعود اختر حمید کے ذریعہ سن پیدائش بھی نکال دیا ،اس لحاظ سے میرا نام تاریخی ہوگیا۔میری پیدائش کے ڈیڑھ سال بعد میرے دوسرے بھائی عزیزم اسعد سلمہ کی پیدائش ہوئی تو گویا آپ کی کائنات بھر گئی ابھی ہم دونوں کی عمریں تین اور چار سال کی بھی نہیں کہ انتری بازار سے جھنڈانگر لے آئے اور اپنی اور دادی رحمہا اللہ کی شفقتوں محبتوں اور عنایتوں کی بارش برسانے لگے ہم کبھی آپ کے کندھے پر سوار ہوتے تو کبھی بانہوں میں لٹک کر جھولا جھولتے ،معصومانہ شرارتیں کرتے تو کبھی ضد پر اڑ جاتے اور وہ ہماری تمام جائز ارمانوں اور خواہشوں کی تکمیل کرکے خوشی محسوس کرتے ،بچپن کے وہ حسین لمحات یاد آنے پر آج بھی

اپنی لطافت کے مزے دے جاتے ہیں، تھوڑا بڑے ہوئے دادا نے حکمت کے ساتھ قاعدہ بغدادی کو ہمارے ہاتھوں میں تھما دیا اور حروف شناسی کے لیے موٹی دفتیوں پر جلی حروف میں حروف ہجاء کو لکھ کر کھیل کھیل میں ان کی مکمل شناخت کرادی ،اس کے بعد جب مکتب میں داخل ہوئے تو فجر اور مغرب کے بعد اسباق کو یاد کراتے ،قرآن مجید ناظرہ پر خصوصی توجہ مرکوز کرتے ،اگلے اسباق کی نہ صرف رہنمائی کرتے بلکہ اس کو بھی ازبر کرا دیتے جس سے اپنے ساتھیوں میں سب سے کمسن ہونے کے باوجود ایک دھاک بیٹھ گئی اور صرف دس سال کی عمر میں درجہ ششم پاس کر لیا، بعض احباب خاص طور سے میرے مشفق استاد حافظ محمد خلیل گونڈوی حفظہ اللہ کے مشورے اور اپنے پورے گھرانے کی خواہش پر شعبہ حفظ میں داخل کرا دیا لیکن اپنے مخصوص حالات اور لاابالی پن وعدم توجہی کے نتیجے میں سارے لوگوں کی تمناؤں وآرزوں پر پانی پھیر دیا اور ناتمام حافظ رہ گیا۔

دادا کی مسلسل کاوشوں سے ۱۹۹۹ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ ملا اور حقیقت ہے کہ دادا کی علمی عظمت کی معرفت وہیں حاصل ہوئی جب ان کے شاگردوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا اور مطلوبہ جماعت ثانیہ میں داخلہ ممکن ہوا، جامعہ سلفیہ بنارس میں اکثر اساتذہ بالخصوص استاد محترم شیخ محمد یونس مدنی رحفظہ اللہ ان کے علمی کمالات، درس کے استحضار اور سادگی کو بیان کرتے تھے، آپ میری موجودگی میں ایک مرتبہ جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے تو انھوں نے بے حد خدمت کر کے اپنی شاگردی کا حق ادا کردیا، ۲۰۰۶ء میں فضیلت کا کورس مکمل کرنے کے بعد میری خواہش تھی کہ اپنے دیگر ساتھیوں کے شانہ بشانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا رخ کروں لیکن جب انہوں نے اپنی علمی میراث کو برقرار رکھنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ مقدس پیشہ تدریس کے محاسن پر پوری تقریر کردی تو میں نہ صرف یہ کہ اس کا قائل ہوا بلکہ اس وراثت کو سنبھالے رہنے میں پوری مستعدی کے ساتھ لگ گیا۔ جب نومبر ۲۰۱۰ء میں جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر کے شعبہ عربی میں تقرری ہوگئی تو جہاں اس سے انہیں بے پناہ خوشی حاصل ہوئی وہیں خیالات ووسوسوں نے بھی پریشان کرنا شروع کردیا جس دن میں نے تدریس شروع کی انتہائی خوش تھے، دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، تدریس کے آداب سکھائے، بلوغ المرام کی دو حدیثوں اور ہدایۃ النحو کے ظروف مبنیہ کے ابتدائی بحث کو بیسیوں مرتبہ سمجھائے کہ مجھے ہنسی آ گئی اور میں نے کہا بابا پریشان نہ ہوں اللہ مدد فرمائے گا، ابھی میں آپ کے کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ عصا کے سہارے آپ بھی نکل پڑے اور ہموار زمین تک دھیرے دھیرے میرے ساتھ چلتے رہے اور سمجھاتے رہے پھر جب سیڑھی آ گئی تو ٹھہر کر ایک لمبی سانس لی اور مزید ہمت بندھائی اور کہا کہ جا پورے عزم ویقین کے ساتھ درس شروع کرنا، کسی قسم کی گھبراہٹ اپنے اوپر طاری نہ کرنا اور نہ ہی طلبہ پر بلا وجہ سختی اور دھونس جمانا، ان سے پیار ومحبت اور اپنائیت سے گفتگو کرنا اور اپنے علم وصلاحیت کی بنیاد پر انہیں اپنا گرویدہ بنانا، دو گھنٹیاں پڑھا کر جب نیچے اترا تو برآمدہ میں دارالافتاء کے سامنے ان کو اپنا منتظر پایا، میرا دل خوشیوں سے لبریز بلیوں اچھل رہا تھا، چہرہ پر حصول نعمت کے آثار نمایاں تھے، سچ پوچھو تو خوشی کے مارے زمین پر پیر نہیں پڑ رہے تھے، اپنی قسمت پر نازاں وفرحاں دادا کی آغوش محبت میں پہنچ گیا اور ہنس ہنس کر انہیں اپنا روداد درس اور بعض شوخ بچوں کی معصومانہ شوخیاں سنائیں تو ہنس پڑے، آپ سے درس میں باقاعدہ تو

میں نے استفادہ نہیں کیا لیکن پوری زندگی بالخصوص جامعہ میں تدریسی ایام کے دوران ان سے بھرپور استفادہ کرتا رہا، شرح شذور الذھب کی تدریس سے قبل میرے حوصلے پست ہو رہے تھے، مختلف قسم کے اندیشوں نے جنم لینا شروع کر دیا تھا لیکن دادا کی تربیت اور مستقل عزم و حوصلہ کی تلقین اور ان کی محنت و جاں فشانی کی وجہ سے اس کی تدریس میرے لئے بالکل آسان ہوگئی اور جلد ہی تمام اندیشے کافور ہوگئے۔

زمانہ طالب علمی ہی سے میری تھوڑی بہت دلچسپی صحافت کی جانب تھی بعض موضوعات پر جب میری ٹوٹی پھوٹی تحریریں دینی جرائد ومجلّات میں شائع ہوتیں تو خوب حوصلہ افزائی فرماتے اسی طرح جب مجھے ۲۰۰۵ء میں ندوۃ الطلبہ کے سالانہ و پندرہ روزہ حائطیہ ''المنار'' کا ایڈیٹر منتخب کیا گیا تو ولولہ انگیز خط لکھ کر تہنیتی کلمات پیش فرمائے، آپ ہمیشہ کثرتِ مطالعہ کی تلقین کرتے، خطابت پر بھی زور دیتے لیکن اس میدان میں میری دلچسپی کا حال یہ تھا کہ تعلیمی ایام میں بھی نمبرات کے لئے بغیر یاد کئے ہوئے معتمد کے ساتھ سیٹنگ کر کے کسی طرح سے وقت گزاری کر دیتا، لیکن آپ کی تڑپ مستقل تلقین و تمنا اور اپنی زندگی میں مجھے منبر پر دیکھنے کی خواہش اور آبائی غیرت نے مجھ کو منبر تک پہنچا دیا، آپ اس معاملہ میں ہمیشہ غیرت دلاتے، نام لے لے کر کہتے کہ فلاں کہہ رہے تھے کہ مولانا آپ کی تین نسلوں کو جھنڈانگر کے منبر پر دیکھ لیا چوتھی نسل کو بھی دیکھنے کی خواہش ہے ان کو بھی کھڑا کریں، جب تم اس سے اتنا دور بھاگو گے تو ہمارے وارث کیوں کر ہو گے اور ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پڑھتے:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیوں کر ہو

الحمدللہ! آپ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور والد صاحب کے درپیش اسفار و مرض کے سبب جھنڈانگر کی جامع مسجد میں خطبہ کا موقع ملتا، جسے آپ بغور سنتے اور اصلاح فرماتے، انھی کی کوششوں اور تربیت کا ثمرہ ہے کہ اب کوئی ہفتہ بھی بغیر خطبہ دیئے نہیں گزرتا، کسی مرغوب غذا کے مانند جب تک اس کو انجام نہ دے دیا جائے سکون نہیں ملتا، اگر خطبہ نہ دوں تو بے چینی اور اضطراب کی کیفیت ہو جاتی ہے، آپ کی وفات جمعہ کا دن گزار کر سنیچر کی ابتدائی رات تقریباً ۱۰ بجے ہوئی، جمعہ کی صبح میں کافی نقاہت تھی، بہنیں ناشتہ کرا رہی تھیں، میں خطبۂ جمعہ کے لیے شہرت گڑھ جانے کی اجازت طلب کرنے کے لیے آپ کے قریب بیٹھا تھا، اچانک گھڑی کی طرف نگاہ اٹھائی، از خود گویا ہوئے کیا بابو آج شہرت گڑھ نہیں جاؤ گے؟ میں نے کہا جیسا آپ کا حکم ہو، ضعف کی بنا پر قدرے پست لیکن حوصلہ افزا انداز میں بولے اللہ کی راہ میں جا رہے ہو اللہ تمہیں کامیاب کرے اور زیادہ سے زیادہ خدمت دین کی توفیق بخشے، جاؤ میرے لیے دعا کرنا اور نمازیوں سے بھی سکون قلب کی دعا کی درخواست کرنا۔ آپ کی ان باتوں نے میرے اندر روح پھونک دی اور ایسے وقت میں جب کی آپ کی موت کی خبر کسی وقت بھی مل سکتی تھی میں نے سفر کیا، واپسی میں سب سے پہلے آپ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تو دیکھا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں، دیکھتے ہی ان کے چہرے کی بشاشت دوبالا ہوگئی، کہا آج بہت دیر کر دی، میں نے انہیں بتایا کہ ابھی سوا دو بجے ہیں اور میں خطبہ کے بعد ایک گھنٹہ میں پہنچ گیا ہوں، شاید آپ کو انتظار کرنے کی وجہ سے وقت کا احساس زیادہ ہو رہا ہے۔ کہا کھانا کھالو، اس کے بعد آؤ، کھانے کے بعد پہنچا تو مؤذن اذان عصر کی صدا لگا رہا تھا، آپ کو سہارے سے

نماز پڑھائی، پھر اس کے بعد والدہ محترمہ حفظہا اللہ اور بعض بہنوں نے معمول کے مطابق دوائیں کھلائیں اور عصر کے بعد معمولی ناشتہ اور جوس کا انتظام کیا، ادھر تیمارداروں کی قطار لگنی شروع ہوگئی ،لوگ یکے بعد دیگرے آتے گئے اور آپ سب سے سکون قلب، ارذل عمر سے بچنے اور ایمان پر خاتمہ کی درخواست کرتے رہے، الحمدللہ! آپ کے حق میں خود ان کی اور دوسرے لوگوں کی دعائیں قبول ہوئیں اور آخری وقت تک مکمل ہوش وحواس میں رہ کر سونے کے اذکار پڑھنے کے وقت روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

دادا محترم نے ہم احفاد کی تربیت دینی نہج پر کی ،ہمہ وقت ہماری تعلیم وتربیت اور روشن مستقبل کے لئے دعا گو اور فکر مند ہوتے نیز اپنی طاقت بھر کوشش کرتے ،اوقات کی حفاظت پر زور دیتے فضول و لایعنی مجلسوں میں شرکت سے دور رہنے کی تلقین کرتے ،دوست واحباب اور ہم نشینوں پر خصوصی نظر رکھتے ہوٹلوں اور چائے خانوں پر بیٹھنے اور ٹھیلوں پر کھڑے ہوکر کھانے پینے سے منع کرتے اور اس کو مروت کے خلاف باور کراتے ،ان کا خیال تھا کہ بازار کی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور اسی چیز کو اپنے گھر میں بنا کر کھایا جائے تو ایک طرف صاف اور بہتر چیز ہمارے پیٹ میں جائے گی تو دوسری طرف گھر والے اس سے وافر مقدار میں لطف اٹھا سکیں گے، ۲۰۰۷ء تک گھر کی مکمل ذمہ داری خود اٹھائے ہوئے تھے، بازار خود ہی کرتے تھے، ابو کے منع کرنے پر اس کی توجیہ کرتے کہ بازار جاتا ہوں لوگوں سے ملاقاتیں ہوجاتی ہیں لوگ مسئلہ مسائل بھی پوچھ لیتے ہیں، چہل قدمی سے صحت بھی اچھی رہتی ہے اور دل بہلا رہتا ہے اور سب سے اہم بات کہ خود کو بیمار یا کمزور محسوس نہیں کرتا، بازار جاتے جو بھی سبزی اچھی لگ جاتی ہے خرید لیتے، آپ کے اس عمل پر دادی چراغ پا ہوتیں اور کہتیں کہ "بازار والے انتظار کرتے ہوں گے کہ ابھی مولوی صاحب آئیں گے اور پورا بازار اٹھا کر لے جائیں گے" دونوں میں دیر تک کہا سنی ہوتی نتیجہ اس پر نکلتا کہ اچھا کل سے زیادہ نہیں لاؤں گا لیکن عادت اور پسند کے مطابق دوسرے دن بھی بازار میں جو بھی چیز اچھی لگتی اسے فورا خرید لیتے ،ضعف قلب کے عارضہ سے قبل گوشت مچھلی اور انڈا کے خوب رسیا تھے، چھٹیوں میں گاؤں میں قیام کے وقت گوشت و مچھلی جب اور جتنا مل جاتا خرید لیتے، ایک شکاری ماہ رمضان میں اکثر عین افطار کے وقت چڑیوں کا شکار کر کے فروخت کے ارادے سے گھر پہنچ جاتا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ خود بھی شدت سے اس کے منتظر ہوتے اور وہ جو بھی چڑیا لاتا اسے خرید لیتے ،دادی جان اس کی کریہہ آواز سن کر ہی چراغ پا ہوجاتیں، ان کی ناراضی بھی بجا تھی کیونکہ میری والدہ تنہا کچن کی ذمہ داریوں کو اٹھائے ہوئے تھیں ،اس پر مستزاد چھوٹے چھوٹے بچوں کی ذمہ داری اور دادا کی فرمائش اور طبیعت کے مطابق روز علماء، طلبہ، خاندان ومحلّہ کے بعض افراد اور نادار وغریب لوگوں کے لیے پرتکلف افطار کا انتظام کرنا بذات خود ایک مشکل امر تھا اور اسی وقت درجنوں چڑیوں کو ذبح کرنا اور ان کی بوٹیاں بنانا ایک اضافی بوجھ ہوتا لیکن اللہ نے میری والدہ حفظہا اللہ کو ہمت و توانائی بخشی تھی، خوش دلی سے وہ سارا کام نمٹاتی تھیں جسے آج کی بہوئیں تصور بھی نہیں کرسکتیں، میری والدہ چوں کہ آپ کی بھانجی تھیں، وہ اپنے ماموں وممانی کا خوب احترام اور خدمت کرتیں، ان کی تمام ضروریات کی تکمیل فرض اولین سمجھتیں، ہم دو بھائیوں کی شادیاں ایک ساتھ ہوئیں، بہوؤں کو دادا دادی کی اچھی طرح خدمت کرنے اور ان سے دعائیں لینے کی تلقین کی گئی اور والدہ حفظہا اللہ نے انہیں اپنی تربیت میں رکھ کر جہاں گھر کے اصول و

آداب سکھائے وہی ان کی پسند اور پرہیزی کھانا بنانے کی تعلیم بھی دی، الحمدللہ انہوں نے والدہ ماجدہ حفظہا اللہ کے نقش قدم کی پیروی کی اور صبح بیدار ہونے سے لے کر رات سونے تک گھر کے کام کاج ودیگر مشغولیات کے ساتھ ان کے آرام وراحت کا بھی خیال رکھتی تھیں، اللہ انہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔

دادا جان رحمہ اللہ اپنے لخت جگر والد محترم مولانا عبدالمنان سلفی سے بے انتہا محبت کرتے، ان کی ادنی تکلیف پر بے چین و بے قرار ہو جاتے، میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں ایسے باپ بیٹے نہیں دیکھے جو ایک دوسرے کے لئے جان چھڑکنے والے اور قربان ہو جانے والے ہوں، والد صاحب جب سفر پر ہوتے تو بار بار ہم پوتوں کو بلاتے اور پوچھتے تمہارے ابو کہاں پہنچے؟ فون آیا؟ ان کو فون لگاؤ، جب کبھی رات میں زیادہ تاخیر ہو جاتی تو کہتے کہ میں لیٹ رہا ہوں نیند تو آئے گی نہیں لیکن جب آجائیں تو مجھے ضرور خبر کر دینا۔

بڑھاپے میں انسان بچوں کی طرح ضدی اور ناسمجھی والی باتیں بھی کرنے لگتا ہے، دادا پر وہ دن تو نہیں آئے لیکن کبھی کبھار کچھ کھانے سے بیزاری کا اظہار کرتے حالانکہ وہ ان کے لئے مقوی اور صحت بخش ہوتی، ابو ایک زبان کہتے کہ ابا کھالیں نقصان نہیں کرے گا، اچھا بابو کہہ کر کھانے لگتے، جس پر ہم لوگ ہنس پڑتے کہ اتنی دیر سے ہم لوگ منت سماجت کر رہے تھے لیکن ہم لوگوں کی بات خاطر میں نہیں لا رہے تھے جیسے ابو نے کہا فوراً تیار ہو گئے، اگر کسی چیز کے کھانے کی کبھی خواہش ہوتی اسے منگا تو لیتے لیکن جب تک ابو اور بعد میں مجھ سے یا اسعد سے اس کے نقصان دہ نہ ہونے کا حکم نہ سن لیتے نہیں کھاتے، ہم میں سے کسی سے یا ہمارے بچوں سے یا اپنے کسی شاگرد سے اگر کوئی کام لیتے تو اس کے صلہ میں بے شمار دعاؤں سے نواز دیتے اور بسا اوقات کھانے پینے کی چیز بھی عنایت فرماتے، آپ اپنے پاس تحفہ تحائف میں ملنے والی مٹھائیوں اور بعض دوسرے سامانوں کو خرید کر محفوظ رکھتے اور جب بھی کوئی ملاقاتی آتا تو جب تک کچن سے تکلفات کے ساتھ اس کے چائے و ناشتہ کا انتظام ہوتا مکمل سادگی کے ساتھ اپنے پاس موجود اشیاء خورد ونوش سے اس کی ضیافت کر دیتے۔

دادا محترم رحمہ اللہ اپنی مخصوص طبیعت اور کم گوئی کے باعث لوگوں سے بہت زیادہ بے تکلف نہیں ہوتے اسی وجہ سے آپ کا یارانہ بہت زیادہ لوگوں سے نہیں تھا لیکن جن سے بھی تھا ان سے بہت ٹوٹ کر محبت کرتے، ان کی خوشی وغمی میں شریک ہوتے، اپنا حال دل انہیں سناتے، محقق جماعت استاد محترم مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا مظہر احسن ازہری اور مولانا عبد المجید اصلاحی صاحب سے آپ کے گہرے اور دیرینہ تعلقات تھے۔ محترم ندوی صاحب کی آمد پر ان کا پرجوش استقبال کرتے، ہم لوگوں کو ان کی خدمت پر مامور کرتے، والدہ سے مختلف ڈشیں تیار کراتے، کبھی خود بازار کا چکر لگاتے کبھی کسی کو دوڑاتے، ان کی آمد پر گویا گھر میں عید کا سماں ہوتا، کچن سے مختلف قسم کی خوشبوؤں میں گھر نہایا ہوا ہوتا، دونوں ایک دوسرے کے ادب واحترام کے ساتھ علمی، معاشرتی اور معاشی و عائلی مسائل پر گفتگو کرتے، ثانی الذکر مولانا عبدالمجید اصلاحی رحمہ اللہ اپنی ادبی طبیعت اور مزاحیہ انداز سے دادا کو بھی محظوظ کرتے اور کرید کرید کر کھولنے کی کوشش کرتے لیکن دادا صرف مسکرا کر رہ جاتے حالانکہ دادا بھی اردو، عربی اور فارسی ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے، مذکورہ زبانوں کے بے شمار اشعار ازبر تھے، ہمیں صبح اشعار پڑھ پڑھ کر بیدار کرتے اور ہر بات پر نصوص قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ برمحل اشعار بھی پڑھتے اور

سب سے بڑھ کر آپ کو خود بھی شعر گوئی کا ملکہ تھا خوشی اور غم سے متاثر ہو کر آپ نظمیں، غزلیں، اور مرثیے کہہ ڈالتے، میری ایک بہن مسعودہ کی موت پر نہایت ہی شان دار مرثیہ لکھا تھا جس کے چند مصرعے آج بھی ذہن میں موجود ہیں۔

دادا جان رحمہ اللہ گو کہ ہر کسی سے بے تکلف نہیں ہوتے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ آپ ظرافت و مزاح سے نا آشنا و ناواقف اور خشک مزاج تھے، آپ دادی رحمہا اللہ سے خوب دل لگی بلکہ بعض اوقات میں ظریفانہ انداز کی گفتگو کرتے تھے البتہ پھوہڑ و بازاری قسم کے الفاظ سے اجتناب کرتے تھے، دادی محترمہ جب کبھی کسی بات پر چراغ پا ہو جاتیں تو دادا کی ظریفانہ و خوش کن باتیں کھل کھلا کر ہنسنے پر مجبور کر دیتیں۔

دادا رحمہ اللہ ایک سیدھے سادے اور شریف النفس انسان تھے کہ نہ پہچاننے والا یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ بھی بڑے عالم ہیں، گروہ بندیوں اور ہر قسم کی سیاسی داؤ پیچ اور اگاڑ پچھاڑ سے نہ صرف یہ کہ دور بلکہ متنفر و بیزار تھے اور ان کے اسی وصف کی بنیاد پر بعض حاسدین فائدہ اٹھا لیتے تھے بیچارے ایسے لوگ سمجھتے تھے کہ مفتی صاحب بیوقوف ہیں، کچھ سمجھ نہیں پاتے تو ایسے لوگوں کو اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے کہ جسے وہ بے وقوفی تصور کرتے تھے یہ ان کی فراست ایمانی تھی، وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے پائے اگر چہ لوگ مجھے تکلیف پہنچا کر خوشی محسوس کریں، بے شمار ایسے واقعات جن کو میں نے بچپن سے لے کر جوانی تک اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا آج بھی ذہن میں موجود ہیں، آپ کے ساتھ دھوکا فراڈ اور کھلی نا انصافی ہوتی لیکن صبر و شکیبائی کا اس قدر مظاہرہ کرتے جس پر حاسدین بھی حیرت زدہ ہوتے۔

آپ امانت و دیانت اور حقوق کی ادائیگی میں حد درجہ محتاط رہنے والے انسان تھے، اپنی آخری عمر میں بھی ان کا حساب کتاب لکھ کر رکھتے تھے، آمد و صرف کا حساب کبھی کاپی پر لکھتے تو کبھی کسی کاغذ پر لکھنے کے بعد اس میں پیسوں کو لپیٹ کر رکھ دیتے، آپ کے پاس کئی لوگوں کی امانتیں رکھی ہوتیں آپ ضرورت کے باوجود بھی اس میں سے خرچ کرنا مناسب نہیں سمجھتے، آپ نے اپنے اسی احتیاط کے پیش نظر انتظامیہ اور شعبہ مالیات کے عہدوں کی پیشکش کو مسترد کر دیا، جب کبھی کسی کی خیانت یا فراڈ کی خبر عام ہوتی تو اس کی شناعت وقباحت کو ہمارے قلوب و اذہان میں پیوست کرنے کی کوشش کرتے اور اس سے بچنے کی تلقین اور وصیت و نصیحت کرتے تھے۔

داداجان رحمہ اللہ کے والد صاحب کل ۵/بھائی تھے، وراثت کی تقسیم میں کچھ پیچیدگیوں کے باعث چاروں بھائیوں نے کچھ زمین سب سے بڑے بھائی مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے نام سے کر دی جسے انہوں نے اپنی موت سے قبل پانچوں بھائیوں کے بچوں کو برابر برابر تقسیم کرنے کی وصیت فرمائی۔ الحمد للہ دادا رحمہ اللہ نے تمام چچیرے بھائیوں کو ان کے نام سے کرنے کی کوشش کی، کئی لوگوں نے اپنے حصے کی زرعی زمین اپنے نام سے کرالی اور کئی لوگوں نے معاشی مشکلات کے باعث موجودہ مالیت کے حساب سے دادا کو زمین بیچ دی، جب کہ کسی نے دوسرے سے بات چیت کر لی، دادا رحمہ اللہ اس پر بھی تیار ہو گئے لیکن بعد میں کچھ لوگوں کے سمجھانے سے وہ فروخت سے باز آ گئے اور انہوں نے بھی اپنی زمین اپنے نام سے کرالی، ابھی انتقال سے چند سال قبل دوسرے بھائیوں کی زمین تھی لیکن وراثت میں نامعلوم کیسے سارے بھائیوں کی اولاد کے نام چڑھے ہوئے تھے جن کی

زمین تھی وہ سات بھائی تھے تھوڑا تھوڑا حصہ آرہا تھا اس لئے سب نے متفقہ طور پر اسے فروخت کر کے پیسہ بانٹنے کا فیصلہ کرلیا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ اس میں سارے بھائیوں کے نام بھی چڑھے ہوئے ہیں ،دادا پر انھیں اعتماد تھا، وہ دوسروں کو راضی کرنے کی کوشش میں لگ گئے ،بعض شرائط کے ساتھ راضی ہوئے کچھ کو دادا نے بغیر کسی شرط کے راضی کر لیا اس زمین کی فروخت کے لئے دو مرتبہ جھنڈا نگر سے شہرت گڑھ اپنے خرچ پر بذریعہ گاڑی جانا پڑا جب کہ ان کا ایک قدم بھی چلنا دشوار ہو چکا تھا، پورا دن ان کے ساتھ والد صاحب اور ہم کئی بھائی بھوکے پیاسے تحصیل میں ان کی خدمت میں لگے رہے ،رجسٹرار کے سامنے انہوں نے اپنا بیان بھی درج کرایا۔

دادا جان رحمہ اللہ اپنے ماتحتوں کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور اپنی مفوضہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتے اور اس سلسلے میں ہمیشہ خوف الٰہی سے لرزاں ہوتے ،جامعہ سے متعلق کوئی معاملہ ہوتا یا جمعیت سے، گھریلو معاملات ہوں یا معاشرتی معاملات،اولاد کا مسئلہ ہو یا طلبہ کا ہر ایک کو پوری امانت و دیانت کے ساتھ حل کرتے اور معاملات کو صاف و شفاف رکھتے ،اپنے قرابت داروں میں سے ایتام و بیوگان اور نادار لوگوں کی مدد کرتے اور جب بھی تنخواہ ملتی ان کا حصہ نکال کر الگ کرتے ،اسی طرح مساجد و مدارس کا بھی خیال کرتے ،گاؤں میں اپنے محلّہ کی مسجد کی تعمیر و ترقی اور دیگر ضروریات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ،مستقل آمدنی کا انتظام کرانے کے لئے برابر فکرمند ہوتے ،اسی ضمن میں دو دیگوں کا انتظام کرایا کہ لوگ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں اس کو عام کرائے سے کم کرائے پر حاصل کر کے اپنی ضرورت پوری کرلیں اس طرح لوگوں کا بھی فائدہ ہوگا اور مسجد کی معاشی حالت بھی بہتر ہوگی ،اسی طرح سے آپ کو اگر نکاح پڑھائی کے نام پر کچھ پیسے ملتے تو اسے صاحب حیثیت لوگوں سے لے لیتے ،لیکن اسے اپنے اوپر خرچ کرنے کے بجائے کسی مسجد یا مدرسہ کے طلبہ پر خرچ کرتے۔

آپ حرص وطمع اور لالچ سے دور بلکہ متنفر تھے، اپنے اندر کبھی کسی چیز کی لالچ نہیں پیدا کی ،تکلف وتصنع اور ظاہری ٹھاٹ باٹ، کروفر اور ناز ونخرے سے ہٹ کر جو بھی میسر ہوا کھا اور پہن لیا البتہ بڑھاپے میں بعض چیزوں کا شوق پیدا ہوا تو والد صاحب نے اسے فورا حاضر کیا ایک مرتبہ چچا محترم ماسٹر عبدالحسیب کو کوٹ پہنے ہوئے دیکھا انہیں اچھا لگا فوراً پیسہ دیا کہ میرے لیے بھی لا دیں، والد صاحب اور چچا محترم کوٹ لیکر آئے دو ایک روز پہن کر شوق پورا کرلیا پھر اسے مجھے ہدیہ کر دیا، ایسے ہی دہلی سے اونی صدری منگوائی جسے وزنی ہونے کی وجہ سے ایک دن بھی نہ پہن سکے اور کسی کو ہدیہ کر دیا، اسی طرح بعض مناسبات سے جوانی میں بھی عمدہ اور بہترین کپڑے سلواتے اور خوب شوق سے پہنتے، وفات کی رات بھی صبح لکھنؤ جانے کے لیے بہترین اونی کرتا پاجامہ اور بالکل نیا سوئٹر زیب تن کیا تھا لیکن اس سفر سے پہلے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اور اسی کپڑے میں آپ کی روح پرواز کرگئی ،ایک اہم خصوصیت آپ کے اندر یہ تھی کہ اپنی ضروریات کو محدود رکھتے ،کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے بلکہ بعض مواقع پر تلامذہ کی جانب سے کچھ تعاون کی پیشکش بھی ہوئی جسے آپ نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ٹال دیا۔

عیدین میں ہزاروں پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا

کرتے ہوئے اپنے آبائی وطن حاضر ہوجاتے تھے کہ لوگوں سے ملاقات بھی ہوجائے گی اور علماء وطلبہ اور بعض نادار اور خاندان کے لوگوں کو اپنی وسعت کے مطابق تحفہ تحائف اور امداد بھی کردیں گے، گاؤں میں لوگ شدت سے آپ کے منتظر ہوتے، جیسے ہی خبر عام ہوتی کہ مولانا تشریف لے آئے ہیں ہلچل مچ جاتی اور لوگ دیوانہ وار ملاقات کے لیے گھر پہنچنے لگتے جس سے عام طور سے آپ کے کھانے پینے اور آرام کے نظام میں خلل پڑتا لیکن ان کی محبت دیکھ کر وقتی پریشانی کو برداشت کرلیتے اور ان کے لیے اپنی آرام وراحت کو قربان کردیتے، ملاقاتیوں میں مختلف طرح کے لوگ ہوتے کوئی استفتاء لے کر پہنچتا، کوئی کسی مسئلہ کو لے کر، کوئی کھیت کھلیان پر خرچ شدہ رقم کو وصول کرنے کے لئے حاضر ہوتا، آپ سب کو خوش دلی سے نمٹاتے، افسوس آج گاؤں میں صرف ان کی یادیں ہی رہ گئیں اللہ ہمیں اسلاف کا نعم البدل عطا فرما۔

دادا رحمہ اللہ کو جہاں بھی موقع ملتا دعوتی امور کی انجام دہی میں لگ جاتے جب تک قویٰ مضبوط اور اعضاء درست اور چلنے پھرنے کے قابل تھے خطبات جمعہ کا اہتمام کرتے رہے، بیماری کے ایام اور سردی گرمی کی پروا کیے بغیر علاقے کی مساجد میں جا کر خطبات جمعہ کا اہتمام کرتے، بہادر گنج میں ایک مرتبہ خطبہ دیتے دیتے شوگر کا لیول کم ہوگیا اور آپ پر غشی طاری ہوگئی، لوگوں نے وہاں سے آپ کو گھر پہنچایا اس واقعے سے آپ بالکل بھی خوف زدہ نہیں ہوئے بلکہ دوسرے ہفتے سے ہی اپنا دعوتی عمل پورے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا، لوگ آپ کے خطابات بصد شوق سماعت کرتے، جب آپ پر دل کا دورہ پڑا اور سیڑھی سے چڑھنے اترنے کے قابل نہیں رہے اور چلنے پھرنے سے مکمل معذور ہوگئے تو علاقے میں آمد ورفت کا سلسلہ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وطن مالوف انتری بازار میں بھی جانا کم ہوگیا لیکن جب بھی پہنچتے لوگ خوش ہوجاتے، کسی بھی طریقے سے مسجد یا عیدگاہ لے جانے کی ضد کرتے اور خطاب کے لئے آمادہ کرتے، آپ بھی ان کی خواہشات کی قدر کرتے اور بیٹھ کر وعظ ونصیحت کردیتے، حالانکہ آپ شعلہ بیاں مقرر تھے اور نہ ہی پیشہ ور واعظ وخطیب لیکن خلوص وللہیت نے آپ کو ہر دلعزیزی عطا فرمائی، اور اسی وجہ سے عوام الناس بلکہ علمائے کرام بھی آپ کے فیصلے اور فتوے کو آخری اور قطعی تصور کرتے تھے، آپ اپنے تلامذہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے جب بھی کسی کا نام لیتے تو شفقت ومحبت ٹپک پڑتی، ان کے علمی کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے، حوصلہ افزائی فرماتے اور اپنے ان تلامذہ کا ذکر جمیل ہر علمی مجلس میں کرتے، جو کہ دنیا میں ایک علمی مقام رکھتے ہیں، اللہ ان تلامذہ کو آپ کے لیے صدقۂ جاریہ بنادے۔

داداجان رحمہ اللہ نے پچاسی برس کی طویل عمر اس دنیا میں گزاری اور آپ نے اپنے پوتوں، پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں کے بیس سے زائد بچوں کو گود کھلایا، ان کے نام تجویز کیے، اپنی بے پناہ محبت سے سرشار کیا اور اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا انہیں ہم سے بھی زیادہ محبت وشفقت عطا فرمائی، اللہ ہم احفاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے علمی وراثت کو سنبھالنے کی توفیق عنایت فرمائے اور دادا رحمہ اللہ کی بشری لغزشوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کی دعوتی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ (آمین)

۞۞۞

مولانا جمیل احمد محمد شفیع مدنی
مرکزی جمعیت اہل حدیث، ہند

مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ ایک مشفق استاد

استاد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ ایک علمی، دعوتی ودینی خانوادے کے چشم وچراغ ہیں۔آپ کے والد محترم مولانا محمد زماں صاحب رحمانی نیپال کے مرکزی درس گاہ، مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور علاقہ میں تعلیم ودعوت کے مشن میں سرگرداں تھے،آپ نے اپنے اکلوتے لخت جگر کو بھی اس راہ کا راہی بنانے کی سعی مشکور کی،آپ نے ابتدا میں خود ان کو تعلیم دی، پھر دیگر اساطین علم وفضل کی خدمت میں بھیج کر علم کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

آپ نے جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس، دعوت وارشاد کا رخ کیا، چنانچہ ضلع بلرام پور کے ایک مدرسہ کوئلہ باسہ سے آپ نے تدریسی سلسلے کا آغاز فرمایا اور یہاں پر سال مکمل کرنے کے بعد مدرسہ سعیدیہ، دارانگر بنارس تشریف لے گئے، جس کی بنیاد مولانا محمد سعید محدث بنارسیؒ نے اپنے گھر میں ڈالی تھی، جن کا شمار ان اکابر علمائے اہل حدیث میں ہوتا ہے جن کے ذریعہ ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کی خوب نشر واشاعت ہوئی، مولانا مرحوم اس سلفی ادارہ میں چار سال تک پوری جدو جہد، کدو کاوش، خلوص ودل جمعی کے ساتھ فریضۂ درس انجام دیے، پھر اپنے مادر علمی مدرسہ سراج العلوم میں اپنا مسند درس بچھایا اور مسلسل گیارہ سال تک یہاں پر فریضۂ درس وتدریس انجام دیا، آپ کی علمی لیاقت وصلاحیت اور تدریسی مہارت وشہرت کا چرچا جب جامعہ سلفیہ بنارس میں ہوا تو وہاں کی انتظامیہ نے اپنے ادارہ مرکزی دارالعلوم میں ایک مدرس ومعلم کے طور پر دعوت دی، آپ نے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ۱۹۷۴ء میں مرکزی دارالعلوم بنارس کا رخ کیا، اس وقت جامعہ سلفیہ اپنے علمی ماحول اور بہترین نظم وضبط اور اچھی نمائندگی میں معروف ومشہور ہو چکا تھا، گوشہ گوشہ کے ماہر فن اساتذہ کا وہاں تجمع تھا، آپ کے استاذ محترم مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی اور دوسرے استاذ مولانا شمس الحق صاحب بہاری اس وقت جامعہ سلفیہ بنارس ہی میں فریضۂ درس وتدریس انجام دے رہے تھے، زہے نصیب کہ ناچیز کو بھی مرحوم کے ساتھ ان کے دونوں مذکور اساتذہ سے بھی کسب فیض کا موقع ملا، اس وقت عالم ثالث میں سنن ابی داؤد اور فضیلت سال اول میں تفسیر بیضاوی جیسی ادق وپیچیدہ کتاب پڑھنے کا موقع ہاتھ آیا جب کہ تفسیر بیضاوی کا حق صرف وہی مدرس ادا کر سکتا ہے جس کو علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ پر پورا

دسترس وتسلط حاصل ہوگا، آپ کے اندازِ درس اور طریقۂ تفہیم سے آپ کی تدریسی کمال ومہارت عیاں تھی، عبارت کے مقتضیات کوسہل سے سہل تر اسلوب میں پیش کرکے طلبہ کوتشفی واطمینان دلادینا آپ کا خاص وطیرہ تھا، آپ اپنے زہد وتقوی، علم وعمل، ہمدردی وبہی خواہی، سادگی وخوش خلقی کے باعث تمام اساتذہ وطلبہ وانتظامیہ کی نظر میں ایک قدآور باوقار مدرس شمار کیے جاتے تھے، ۱۹۷۷ء میں خرابی صحت اور آب وہوا کے ناموافق ہونے کے باعث پھر دوبارہ جھنڈانگر واپس آگئے اور یہاں درس وتدریس، افتاء، دعوت وارشاد میں پھر سے مصروف ہوگئے، چندسالہ جامعہ سلفیہ بنارس کی زندگی میں نہ توکسی استاذ سے کوئی تلخی ہوئی اور نہ ہی کسی طالب علم پر اظہار غیظ وغضب کرتے دیکھا گیا۔

آپ ایک طویل عرصہ سے درس وتدریس، دعوت وارشاد اور افتاء وغیرہ میں مصروف ومشغول رہے، اس عرصہ میں ہندونیپال کے مختلف اطراف واکناف سے وارد استفتاءات ومسائل کا قرآن وحدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں حل پیش کرکے عوام الناس کی دینی وملی تشنگی بجھاتے رہے، آپ کے فتاوے انتہائی منہجی، جامع مدلل ومبرہن، حشو وزوائد سے خالی ہوا کرتے تھے، زبان انتہائی سلیس اور سادہ ہوا کرتی تھی کہ معمولی پڑھا لکھا شخص بھی مسئلے کو اچھی طرح سمجھ جائے، مسائل کے بیان میں ہمیشہ دلائل کا سہارا لیتے تھے، کبھی تعصب وتنگ نظری سے کام نہیں لیتے تھے، فقہی مسائل میں زیادہ تر شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے رجحان کو ترجیح دیتے تھے۔

منہج سلف پر مشتمل متانت وسنجیدگی سے پُر اور جذباتیت اورالجھاؤ سے احتراز، انتہائی عام فہم اسلوب میں آپ کے فتاوے ہوا کرتے تھے، ورع وتقویٰ، علمی گہرائی وگیرائی آپ کے فتوی کا نمایاں جز تھا، یہی وجہ تھی کہ ایک طویل عرصہ تک آپ عوام وخواص کے مرجع رہے۔

آپ رحمہ اللہ گوناگوں صفات وکمالات اور مختلف خوبیوں کے حامل تھے، آپ کی خدمات میں گرچہ درس وتدریس کو ترجیح وتفوق حاصل ہے، جس کی قدردانی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اپنی پاکوڑ کانفرنس میں ایوارڈ دیا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دیگر میدان میں بھی آپ کی خدمات موجود ہیں، تقریبا دس برس تک مقامی جمعیت اہل حدیث بڑھنی کے امیر وصدر رہے اور بیسوں سال تک مقامی جمعیت بڑھنی کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے ممبر رہے، نیز جھنڈانگر کے مضافات میں خطبۂ جمعہ کا برابر اہتمام والتزام بھی تھا، الغرض آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک دین وملت کی خدمت میں اپنے آپ کومصروف ومشغول رکھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی بشری لغزشوں کو درگزر فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اور پس ماندگان میں فرزند ارجمند مولانا عبدالمنان سلفی وکیل الجامعہ وصاحبزادیوں اور تمام پوتے وپوتیوں، نواسے ونواسیوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞

مولانا وقار احمد
سمریاواں، سنت کبیر نگر

استاد محترم رحمہ اللہ کی یاد میں

آج پہلی بار قلم لے کر اپنے کرم فرما بھائی عبدالمنان سلفی سلمہ کے اصرار پر استاذ المکرّم حضرت مولانا عبدالحنان صاحب کی حیات مبارکہ کے کچھ واقعات اور تعلیمی دور کی خوش نما یادیں قلم بند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، استاد محترم ایک نیک دل ،صالح، متقی ، پرہیزگار اور سیدھے سادے انسان تھے، آپ میرے استاد ہی نہیں بلکہ مربی و مرشد بھی تھے، مجھے آپ سے جو عقیدت و محبت ہے اسے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں، اس سلسلہ میں ۱۹۶۷ء میں مادر علمی جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر میں چھبیسویں پارے کا درس تفسیر چل رہا تھا، عید کی چھٹی ہونے والی تھی رام کھولا یا کوئی اور گاؤں چاہپیا اسٹیشن کے اتر جانب سے ایک مولانا جن کا نام معلوم نہ تھا وہ جامعہ میں تشریف لائے اور اساتذہ کرام کی مجلس میں بیٹھ کر میرے گھر اور علاقے کے بارے میں کچھ باتیں کرنے لگے چونکہ آپ ہمارے گھر کے پچھّم ڈیڑھ کلومیٹر پر مدرسہ ہدایۃ العلوم کرہی میں جو علاقہ کا قدیم ترین ادارہ ہے، حفظ کے لئے اپنے بچے کو لے کر آئے تھے اس کے بعد سمریاواں والد محترم سے بغرض ملاقات آئے انھوں نے وہاں کے حالات کا تذکرہ بڑے اچھے انداز سے کیا، زمین داروں کے زمین دارانہ مزاج کو بھی بیان کیا اور باتوں باتوں میں وہاں آسانی سے بڑے جانور کے گوشت کی حصولیابی کا بھی تذکرہ کر دیا، انہی باتوں سے متاثر ہو کر دوسرے دن استاد محترم رحمہ اللہ نے درس کے درمیان فرمایا بڑے کا گوشت تمہارے یہاں ملتا ہے، میں نے اس کا تذکرہ والد صاحب سے کیا تو والد صاحب نے ایک متوسط بچھڑے کے موٹے حصہ کا شامی کباب کی شکل میں اور کبد وطحال کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنا کر مدرسہ پہنچا دیا، استاد محترم دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے۔

اس وقت میں پندرہ برس کا بچہ تھا، استاذ مکرم کی شفقت بے انتہا تھی، شروع درس سے آخر درس تک کچھ نہ کچھ سوال و جواب کی شکل میں روزانہ سلسلہ پیار و محبت و شفقت نے مجھے اس قدر ابھارا کہ تعلیم میں بہت کچھ حاصل کر لیا، آپ کے والد حضرت العلام مولانا محمد زماں رحمہ اللہ صاحب درس حدیث میں ایک بار کہنے لگے تلاوت نہیں کرتے ہو، میں بھونچکا رہ گیا کہ آپ کچھ غیب جانتے ہیں، کہیں والد صاحب کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا، کیونکہ بغیر تلاوت کے گھر پر ناشتہ نہیں ملتا تھا، میں نے سوال کر لیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں تلاوت نہیں کرتا، فرمایا کہ بیٹا تلاوت سے زبان صاف چلتی ہے اور تم اس میں اَٹک رہے ہو، اسی طرح استاذ محترم مولانا رحمت اللہ مرحوم بھی کافی لگن سے ہم لوگوں کو درس ادب دیتے تھے، جس سے سراج العلوم کا ماحول اب تک بھول نہیں پا رہا ہوں، ناظم جامعہ مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ صاحب بھی مجھے اپنے پاس رکھ کر خوب باتیں کرتے تھے، میرے گھر پر اپنے آنے کا ذکر اور دادا مرحوم کے واقعات بیان کرتے۔

۱۹۷۳ء کے بعد تعلیمی سلسلہ ختم ہوا، گھر پر رہ کر کھیتی سنبھالی اور فی سبیل اللہ کچھ کتابیں مدرسہ میں پڑھانے لگا اور بچوں میں انجمن کا نظام قائم کیا مگر افسوس زیادہ دن نہ چل سکا، مدرسہ گاؤں کے الیکشن کے اختلاف کا شکار ہوگیا، ۱۹۷۵ء میں گنے کی کھیتی کا سیزن تھا اور اجگرا میں ضلعی جمعیت اہل حدیث کی کانفرنس تھی اس موقع پر استاد محترم شیخ الجامعہ نے میرے نام سے خط لکھا کہ اجگرا سمریاواں سے کتنی دور ہے ممکن ہو تو ملاقات کرو، میرا ایک اہم کام کلن ڈیہہ کے تمہارے ساتھی عتیق الرحمٰن کے والد جو تحصیل میں قانون گو کے چپراسی (مردھا) ہیں نے بتایا کہ سمریاواں کے جناب قمر اعظم بابو ضلع چکبندی ادھیکاری کے اسٹینو ہیں اگر وہ چاہیں گے تو میرا کام ہو جائے گا کیونکہ میں نے چکبندی کرنے والوں کو کوئی رشوت نہیں دی جس کی وجہ سے انھوں نے میرا چک ندی اور نہر کے درمیان میں کر دیا ہے، اللہ پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا تھا، جلسے کے دوسرے دن گنا کانٹے پر تولا کر بائی سائیکل اندر اندر سمریاواں سے رودھولی ہوتے ہوتے اڈوما پہنچا ہی تھا کہ ادھر سائیکل سے جمنی کے مولانا جیش محمد صاحب آرہے تھے، بعد سلام پوچھا کہ سمریاواں سے آرہے ہیں، میں نے کہا جی ہاں انھوں نے واپس رودھولی لوٹنے کو کہا اور بتایا کہ آنے والی بس سے مولانا عبدالحنان صاحب آرہے ہیں وہ آپ سے ملنے کے لئے آرہے ہیں اور کہہ رہے تھے خط ملا ہوتا تو ضرور آتے رودھولی میں مولانا سے ملاقات ہوئی پورا واقعہ بتایا میں نے کہا کہ قمر اعظم بھائی میرے بڑے والد کے لڑکے ہیں اس بات پر آپ بہت خوش ہوئے اور کہا ان شاء اللہ میرا کام ہو جائے گا، اب ہم دونوں بستی کے لئے بذریعہ بس روانہ ہوئے قمر اعظم بھیا سے پورا واقعہ بتایا انھوں نے برجستہ کہا کہ مولانا میرے بھائی کے استاد ہیں اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ کے گھر کے پاس بغیر کٹوتی کے چک کٹوا دیتا، چک بندی ہوگئی مگر ایک خط لے جایئے عتیق الرحمٰن پیش کار کو دے دیجئے ورنہ میں بستی سے بذریعہ مقدمہ ٹھیک کرواؤں گا، خط نوگڑھ لے کر گئے پیش کار کو دیا انھوں نے پانچ منٹ غور کیا اور ان سے چھوٹے بڑے جو بھی چک بندی میں کام کرتے تھے سبھی لوگ سوچ میں پڑ گئے ہیں، سبھوں نے کہا حضرت آپ جایئے اور اس بات کا ذکر کسی سے نہ کیجیے گا اور فلاں زمین کیا آپ کو پسند ہے؟ حضرت نے ہامی بھری اور اللہ کا نام لے کر گھر چلے آئے، ضلع ادھیکاری کے آخری دستخط کے بعد وہاں کے چکبندی کا کام مکمل ہونا تھا، ضلع چکبندی ادھیکاری کے ساتھ قمر اعظم یہاں بھی تھے، پیشکار نے چپکے سے بتایا کہ مولانا کی بھی فائل اسی میں ہے ضلع چکبندی حاکم نے پوچھا یہ کون سی فائل ہے، پیشکار نے اشارہ کیا اسٹینو بابو کی ہے تب قمر اعظم بھائی نے بتایا کہ میرے بھائی کے استاد کی ہے اسے ہونا ہے یہ میرا ہی معاملہ ہے، اللہ نے اس حاکم سے یہ کام لے لیا گاؤں والوں کو بعد میں معلوم ہوا جب چکبندی کے ملازمین نے آکر مولانا سے رابطہ کیا اور کہا کہ آپ اسٹینو بابو کے بھائی کے استاد ہیں ہم لوگ آپ کا کام کر کے چلے جائیں گے اس میں صرف آپ کی دعا کی ضرورت ہے۔

ایک بار حضرت مولانا اپنے ساتھ والدہ ابو عبدالمنان کو لے کر بسلسلہ علاج میرے گھر آئے۔ بگرا میر میں مئو کے حکیم آتے تھے مگر ان کے علاج سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہونے سے دوبارہ آنا نہیں ہوا۔

ایک تیسرا واقعہ آپ حضرات کی خدمت میں رکھنا چاہتا ہوں حضرت والا نے اپنے بچے اور بچی کی شادی میں ناچیز کو بھی یاد کیا، مجھے سمریاواں سے بستی، بانسی اور شہرت گڈھ

پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی، گھر تک شہرت گڑھ سے انتری بازار پیدل کا راستہ تھا اس وقت کوئی سواری وغیرہ کا نظام نہیں ہوا کرتا تھا اس لئے اسٹیشن پرہی رات گزاری صبح ہوتے ہی انتری پہنچا، بابوعبدالمنان کی رخصتی پہلے دن ہوچکی تھی اور بچی کی شادی آج ہونے والی تھی لوگ کانپور سے آنے والے تھے، جھنڈانگر کے میرے ساتھی اسلام یا کوئی اور نام تھا ملے کچھ اور خاندانی حضرات نے دیکھا کہ حضرت کی محبت میرے لئے کافی کچھ زیادہ ہے، کہنے لگے آپ مولانا سے گزارش کرو کہ جس لڑکے سے شادی کا ارادہ ہے اس کے پاس نہ گھر ہے نہ کوئی مستقل آمدنی نہ نوکری نہ تجارت ایسے میں بچی کا کیا ہوگا، میں نے حضرت سے خیریت کے بہانے بات بات میں ذکر کردیا، حضرت مولانا کا جواب سننے سے زیادہ سمجھنے کے لائق تھا یوں تو بزرگوں کی نگاہ میں بہت سے لوگ ظاہری حالات پر بہت کچھ لکھ اور کہہ دیتے ہیں مگر اللہ والے کچھ اور ہی ہیں آپ نے فرمایا کہ مولانا وقارتم بھی پڑھے لکھے ہو میرا نظریہ ہے کہ لڑکا مسلمان نمازی دیندار ہو، اپنا اور اپنی بیوی کا پیٹ بھر سکے وہ درخت کے نیچے رہے یا اور کہیں یہ میرا کام نہیں، سارا کام اللہ کا وہ پورا کرے گا الحمدللہ لڑکے میں یہ ساری صفات موجود ہیں، بس میری بھی نگاہ کھلی کی کھلی رہ گئی، کہاں ایسے اللہ والے ملیں گے نہ ہی مثال ملے گی، ہاں خال خال!!

اور ایک مثال عہدہ کے حصول کے لئے مال ودولت عزت وجان قتل وغارت گری تک لوگ اتر آتے ہیں ،جب ضلع بستی اور سدھارتھ نگر ایک ساتھ تھے بیدولا چوراہا خیرالعلوم ڈومریا گنج میں ضلعی جمعیت اہل حدیث کی ایک اہم میٹنگ ہوئی تھی جس کے ناظم اعلیٰ حافظ عبداللہ صاحب تھے، میٹنگ میں صدر جمعیت کا انتخاب ہونا تھا صدارت کے لئے علماء کرام کی نظریں لوگوں پر گزرتی رہیں، نائبین پر بھی بات چلتی رہی لوگوں کے نام آئے مگر اتفاق نہ ہوا، استاد محترم مجلس کے کنارے اپنے انداز میں موجود تھے لوگوں نے باتفاق رائے مولانا کا نام پیش کیا، میں عینی گواہ ہوں وہاں پر موجود تھا میری بھی رائے لوگوں کی رائے کے مطابق تھی مگر حضرت والا علاوہ معذرت کے اور لوگوں سے اسے واپس لینے کو کہا، بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا، مولانا نے بہت معذرت کی، لوگوں نے حدیث پیش کردی جوعہدے کے لائق ہو اور اس سے کنارہ کشی چاہے تو اسی کو عہدہ دینا چاہئے، فوراً حضرت چپ ہوگئے لوگوں نے خاموشی کو منظوری سمجھتے ہوئے آپ کو صدر نامزد کردیا مگر آپ اندر ہی اند بہت پریشان تھے کہ جمعیت کو جس طرح چلنا اور چلانا چاہئے مجھ سے نہیں ہو پائے گا، میں اللہ کے یہاں کیا جواب دوں گا، جب کہ ایک نائب صدر تھے اس قدر خفا ہوئے کہ میٹنگ میں آنا چھوڑ دیے ادھر حضرت مولانا نے جمعیت والوں کے نام ایک خط لکھا کہ جب تک صدارت کا بوجھ مجھ سے نہیں اتاریں گے مجھے چین نہیں ملے گی اس واسطے مجھے جمعیت کا ایک ممبر ہی رہنے دیں، آج جمعتیوں کو اس سے سبق لینا چاہئے آج جمعیتیں دو سے تین ہوجائیں مگر عہدہ داران عہدہ سے سبکدوش نہیں ہونا چاہیں گے، جمعیت اہل حدیث اور دیگر مساجد ومدارس کے ذمہ داران نے بھی دین کو تماشہ بنالیا ہے، بے شمار لوگ اپنے فرائض کو انجام دینے سے قاصر ہوتے ہیں لیکن عہدوں کے حصول کے لئے پریشان ہوتے ہیں۔ إنا للہ وانا الیہ راجعون۔

٭٭٭

مولانا محمد یونس اثری

آہ! فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ

؎ رونق ہنگامۂ محفل تھی پروانے کی خاک
صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادصبا

دوسال کے عرصہ میں بہت سارے سلفی علماء کے ناقابل تحمل جدائی کے بارغم سے ابھی ملت و جماعت کے دل ودماغ ناقابل بیان صدمہ سے دوچار ہی تھے کہ اچانک مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کے سانحہ ارتحال سے سلفی اخوان پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا، صد افسوس ع

اک شمع جل رہی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آپ رحمہ اللہ علیہ پیغام الٰہی کو لبیک کہتے ہوئے اللہ ارحم الراحمین کے جوار رحمت میں جانے اور اپنے پیچھے متعلقین، لواحقین، اعزہ واقربا اور جملہ حلقہ احباب کو ہمیشہ کے لئے سوگوار چھوڑ گئے، اب ہم سبھی لوگ اور جملہ پسماندگان ہزار آرزؤں کے باوجود شیخ کو کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ ؎

اب کبھی جھنڈا نگر میں شیخ آسکتے نہیں
روئے انور اب مجنوں کو دکھا سکتے نہیں

حضرت شیخ رحمہ اللہ علم وفضل، اخلاص وتقویٰ اور کردار وعمل میں اپنی آپ مثال تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو نہایت متین، سلیم الطبع، خوش خلقی اور متحمل المزاج بنایا تھا۔

آپ کا مولد ومنشا سدھارتھ نگر ضلع میں ایک مشہور ومعروف قریہ موسوم بہ انتری بازار ہے۔

قریۂ مذکور کو جہاں یہ شرف حاصل ہے کہ وہاں بحرالعلوم جیسی علمی ودینی درس گاہ ہے جس میں ضلع کے مشہور بزرگ فاضل وادیب مولانا عبدالغفور بسکوہری جیسی شخصیت برسرآرائے درس تھی وہیں اس قریہ کے لئے یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ یہ گاؤں بہت سے صاحب علم اور صاحب فضل وکمال مشائخ کا آماجگاہ رہا ہے، مثلاً شیخ رحمہ اللہ کے والد ماجد مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ، جو نہایت مخلص ومتقی اور عالم باعمل تھی، دیگر علماء وفضلاء میں مولانا فتح محمد صاحب، مولانا عابد علی صاحب اور مولانا سمیع اللہ وغیرہم رحمہم اللہ کی شخصیات ہیں۔

آپ کی شخصیت زمانۂ طالب علمی ہی سے ممتاز اور نمایاں تھی، آپ کی ذہانت وفطانت سے آپ کے اساتذہ ورفقاء بے حد متاثر تھے، میں آپ کا معاصر تھا آپ سے مشکل عبارتوں کے حل اور بعض دوسرے مسائل پر خوب استفادہ کرتا تھا۔

آپ نے مختلف موقر مدارس وجامعات میں اپنی تدریسی زندگی کے ساٹھ سالہ دور میں جملہ علوم میں نہایت محققانہ طور پر طلبہ کو مستفیض فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ آپ کو ہم فرائض اور افتا میں یدطولیٰ حاصل تھا۔

۞۞۞

مولانا حافظ محمد الیاس سلفی
ریاض

ایک دیا اور بجھا

٦/ جمادی الأولیٰ بروز جمعہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہوا اور مشفق ومہربان، مخلص وقدردان شیخ الحدیث والتفسیر، استاد الأساتذہ، جناب مولانا عبدالحنان صاحب فیضی وفات پاگئے، علمائے اہل حدیث اوران کے فیض یافتگان، ہرخاص وعام سوگوار ہیں، انالله وانااليه راجعون۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "اللہ تعالیٰ اس علم کواس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کولوگوں سے چھین لے گا بلکہ علم کا اٹھانا علماء کا اٹھالیا جانا ہے" (متفق علیہ) اورابن عباس رضی اللہ عنہمانے کہا: جانتے ہو "ماذهاب العلم؟قالوا: لا،قال: ذهاب العلماء" (الدارمی: ۲۴۹)

مخلص علمائے دین اٹھتے چلے جارہے ہیں خلا بڑھتا ہی چلا جارہا ہے، بقول شخصے لگتا ایسا ہی ہے کہ یہ وہ دراڑ ہے جوشاید قیامت تک نہ بھر سکے،لیکن اللہ تعالیٰ علیم وقدیر ہے، امت کوبدل عطافرمائے گا،اللهم أجرنافي مصيبتنا هذه واخلف خيراً منها"۔

ملاقات ومعرفت:۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ جامعہ سلفیہ بنارس میں تعلیم کے دوران مولانا صاحب کوتدریس کے لئے بلالیا گیا،اورہم لوگوں کوآپ سے کسب فیض کا موقع اورشرف تلمذ حاصل ہوا، استاذمحترم کے علم وفضل، اخلاص واخلاق، پیارومحبت ،اپنے مشن سے لگن اورسادگی سے سبھی متاثر تھے،ناچیز بھی ان کاگرویدہ ہوااوران سے قربت ملی علم واستفادہ کاموقع حصول المأمول وغیرہ کتب کا درس دیا۔ (جعل الله ذلک فی میزان حسناته)

اوصاف وعادات:۔ تعلیم کے دوران جب ہم نے مولانا محترم کودیکھا تو آپ کی شبیہ کچھ اس طرح تھی، وجیہ وپروقار شکل وصورت، بنا تراش خراش کے لمبی گھنی ریش، سرپرلمبی باڑھ کی بنارسی ٹوپی، ڈھیلا ڈھالا صاف ستھرا لباس، گھٹنے سے کافی نیچا کرتہ، چوڑے پائنچے کا ٹخنے سے اوپر پائجامہ، چال میں وقار، چہرے پرسنجیدگی، گفتگو میں مٹھاس، علم میں گہرائی، تواضع اورانکساری، تعامل میں خلوص ومحبت اورللٰہیت، بھولا پن اورسادگی ، یہ اوصاف تھے ہمارے استاذمحترم کے جنھوں نے طلبہ اوراساتذہ وذمہ داران سب کوآپ کا گرویدہ بنالیا تھا، بات کرتے تولگتاموتی جھڑرہے ہیں، فالتوباتوں اورکاموں سے انھیں سخت پرہیزتھا،"والذين هم عن اللغو معرضون اورتركه مالايعينه "کی تابندہ تفسیر تھے۔

تعلیم وتربیت:۔ جیساکہ معلوم ومعروف ہے مولانا صاحب علمی گھرانے کےچشم وچراغ تھے، آپ کے والدمحترم جامعہ رحمانیہ دہلی کے فیض یافتہ، صاحب علم وفضل تھےاورانہوں نے اپنے لخت جگر کی تعلیم وتربیت کا آغازخود سے کی، استاذمحترم کے اساتذہ پر جب نظرڈالیں توسب ہی بڑے باکمال اورعلم وادب کی بلند پایہ شخصیات ہیں جیسے مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا مصلح الدین اعظمی، مولانا شمس الحق السّلفی، مفتی حبیب الرحمٰن مئوی، مولانا عبداللہ شائق، مولانا عظیم اللہ مئوی، وغیرہم، رحمہم اللہ، یہ سارے محدثین علماء اپنے دورکے باعظمت وباوقار شخصیات تھیں جن کے فیض یافتہ افراد بے شمار تعداد میں ہیں

اوروہ علم حدیث کی شمع کو برصغیر میں روشن کیے رہے ہیں، مولانا محترم بھی اسی سلسلۂ ذہبیہ کے فیض یافتہ تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں اپنے والد اور منشی علمدار (رحمہما اللہ) سے حاصل کی پھردارالعلوم ششہنیاں، بعدہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر اور بحرالعلوم اور اخیر میں مئو کی تاریخی عظیم درسگاہ فیض العلوم سے ۱۳۷۷ھ میں دروس نظامیہ سے فراغت حاصل کی اور اپنے نامور اساتذہ کی طرح علوم تفسیر وحدیث، فقہ واصول، قواعدوعقائد میں ماہر وباکمال بن کرفارغ ہوئے۔

عملی زندگی کا آغاز:۔ پچیس سال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسہ نیپال سے تدریس وتبلیغ کا سفر شروع کیا، جب شہرت ومقبولیت پھیلی تونیپال وہند کی عظیم درسگاہوں میں بلائے گئے، اورمدرسہ سعیدیہ دارانگر، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، جامعہ سلفیہ بنارس میں اپنے علم وادب کے جوہرلٹاتے رہے، اپنی عمرعزیز کے ۵۶ر سال بڑے عزم وحوصلے اورصبروشکر سے درس وتدریس، دعوت وتبلیغ میں گزارے اوربا ٔحسن وجہ گلستان قرآن وسنت کی آبیاری کی، ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا۔

ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء.......... ایسا لگتا ہے **من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين** کے تحت باری تعالیٰ کی آپ پر یہ خصوصی نوازش اورکرم تھا۔

طرزِتدریس:۔ استاذِمحترم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اوراٗحسن طریق سے ادا کرنے والے معزز اساتذہ میں سے ایک تھے، خودفرماتے: قوم کے نوجوانوں کی تعلیم وتربیت ہماری گردنوں پرامانت ہے، اوراس امانت کوہمیں پوری دیانت سنجیدگی اورقوت سے ادا کرنا چاہیے کیونکہ اللہ کے حضورہمیں اس ذمہ داری کا جواب دیناہے، چاہے ذمہ داران مدرسہ اسے محسوس کریں یانہ کریں، اسی احساس کے پیش نظر ہم نے دیکھا کہ وہ بڑی محنت اورعرق ریزی سے درس کی تیاری کرتے، وقت پرکلاس آتے نہ کبھی تاخیر نہ بلاعذرِشرعی غیاب، اورجب کلاس میں آجاتے توبلاتامل حمد وصلاۃ کے بعد جواسٹارٹ لیتے توروانی کے ساتھ موضوع کی وضاحت کرتے درس سے متعلق سارے اسرارورموز، مالہ وماعلیہ سارے دقائق بیان کرتے اوراس وقت تک نہیں رکتے تھے جب تک کہ اپنے قلب وجگر میں موجود سارے گوہر طلبہ پرلٹانہ دیتے، پھرسوال وجواب کا وقفہ ہوتااورموضوع سے متعلق ہرسوال کا مسکراتے ہوئے تشفی بخش جواب دیتے ،اناپ شناپ سوالوں پر بھی ہم نے کبھی انہیں ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔

ایک واقعہ:۔ جیسا کہ عرض کیا کہ ناچیز سے مولانا کو خاص قربت تھی بہت محبت وشفقت فرماتے تھے ،طبیعت ناساز ہوتی تو مجھے ساتھ لے کر ڈاکٹر کے پاس جاتے ،دوائی وغیرہ مجھ سے ہی منگواتے ،عارضۂ قلب ہوگیا تھا کچھ مغموم سے رہتے لیکن اپنے واجبات کی ادائیگی میں کبھی فرق نہ آنے دیتے، غالبًا کوئی مناسبت تھی ہم جماعت ساتھی پڑھنا نہیں چاہتے تھے جب مولانا محترم کلاس میں تشریف لائے اوراسٹارٹ لیناہی چاہتے تھے کہ ساتھیوں نے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ رک ہی نہیں رہے تھے، کسی نے اکسایا اورمیں شکاربن گیا ایک جملہ زبان سے پھسل گیا استاذمحترم دم بخودرہ گئے، کچھ کہا نہیں، نہ غصہ کیا، نہ ڈانٹا، نہ جبیں پرشکن آئی، شام ہوئی تواستاذگرامی مولانا رئیس الأحرار صاحب ندوی (رحمہ اللہ) نے بلابھیجا، استاذمحترم ان کے کمرے میں موجود تھے، میں ندامت وپشیمانی سے گڑاجارہا تھا، بہت ادب اور صدق دل سے جب معذرت طلب کی تو آب دیدہ ہوگئے اورعفوودرگذر کا مظاہرہ کیا، ہم فارغ ہوگئے مسلم یونیورسٹی سے ہوتے ہوئے جامعہ اسلامیہ اورپھرریاض آگئے لیکن رفیق محترم عبدالمنان رحفظہ اللہ کے توسط سے سلام وکلام رہا، اتنی بڑی گستاخی پربھی کبھی آپ کی شفقت ومحبت میں فرق نہ آیا جب حج کے لئے

تشریف لائے تھے اس وقت بھی آپ نے بذات خودفون کر کے خیریت دریافت کی اور بہت دعاؤں سے نوازا، اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے ان سے عفووکرم کا معاملہ کر کے جنت الفردوس میں اعلیٰ منازل عطا فرمائے۔(آمین)

یہ حادثہ گزرے عرصہ ہوگیا، لیکن ملال اب تک رہتا ہے کاش ایسا نہ ہوا ہوتا، ہم جیسے کتنے طلاب علم ،شرافت کا علم لئے ان گنت غلطیاں اور گستاخیاں کرتے ہیں لیکن اللہ کے برگزیدہ بندے اسی طرح کی یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں جو ہمارے لئے تازیانۂ عبرت ہیں۔

ایک اورواقعہ:۔ مفتی عام السعودیہ سماحۃ الشیخ ابن بازرحمہ اللہ کے پاس ایک بزرگ آئے عرض کیا میں نے عجیب وغریب خواب دیکھا ہے فرمایا:خیراً ان شاء الله کیادیکھا؟انھوں نے عرض کیا:میں نے دیکھا کہ آسمان سے ٹوٹ ٹوٹ کر ستارے گررہے ہیں-شیخ مفصل تعبیر نہیں بتاتے تھے صرف یہی کہتے تھے خیرا إن شاء الله- لیکن جب یہ خواب سنا تو فوراً کہنے لگے کہ یہ علماء کے گزرجانے کی علامت ہے،اس وقت سے ہم دیکھ رہے ہیں علمائے حق وصداقت کی وفات کا تانتا لگا ہوا ہے۔

پہلے یہاں سعودیہ میں شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الغدیان پھرخود شیخ محترم ان کے بعد شیخ صالح بن غصون ،شیخ جبرین، شیخ محمد صالح العثیمین ،شیخ عمرمحمد فلاتہ، شیخ عبدالقادرسندھی، مغرب میں دکتورتقی الدین ہلالی، نیپال میں مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری اورمولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری ہند میں ہمارے معزز اساتذہ میں سے مولانا شمس الحق السّلفی ،شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی،مولانا محمدرئیس ندوی ،مولانا عابدحسن رحمانی،مولانا آزادمحمدادریس رحمانی،مولانا عبدالمعید بنارسی ،مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، دکتور رضاء اللہ مبارکپوری وغیرہم، اور پاکستان میں مولانا حنیف ومولانا محمداسحاق بھٹی صاحب وغیرہم رحمہم اللہ جیسے جہاندیدہ علماء رخصت ہوگئے ،اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے۔تغمدهم الله بواسع رحمته.

علماء تو الحمدللہ اب بھی بہت ہیں،اور ہمیشہ رہیں گے لیکن ایسے اوصاف وخصائل کے مالک خال خال ہی ملتے ہیں، اللهم اخلف لناحينمامنهم إنک على کل شي قدير۔

تدریسی وتعلیمی خدمات:۔ مولانا محترم کی تدریسی وتعلیمی خدمات کا سلسلہ طویل مدت تک جاری رہا اس دوران آپ صدرالمدرسین ،شیخ الجامعہ،شیخ الحدیث،مفتی نیپال اور مشرف عام کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے،اور ہر ذمہ داری کو اَحسن طریق سے نبھایا۔

وفات:۔ اس طرح ۱۳۵۳ھ میں طلوع ہونے والا یہ آفتاب ۵۶؍سال ضیاپاشی کرتے ہوئے قال اللہ وقال الرسول کے نغمے سناتے ہوئے ۱۴۲۸ھ غروب ہوگیا، اللہ تعالیٰ ان کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے اور ہمیں بھی اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔آمین،۸۵؍سال کی عمر طویل اور یہ عزم وثبات محض اللہ تعالیٰ کی دین ہے،''طوبى لمن طال عمره وحسن عمله'' یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

پس ماندگان:۔ پسماندگان میں ان کے ہزاروں تلامذہ، ان کے خلف الرشید اکلوتے بیٹے ،پوتے اور ہزاروں خاص وعام ہیں جس کا اندازہ ان کی تکفین وتدفین میں شرکت کرنے والے ہزاروں شیدائیوں سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

بہت کم ایسا دیکھا ہے کہ عالم کی اولاد بھی عالم ہو، ہمارے مولانا صاحب کا یہ بھی طرۂ امتیاز کہ باپ دادا بیٹے پوتے سب ہی اس سنہری سلسلۂ تعلیم ودعوت سے جڑے ہیں ''ذرية بعضها من بعض''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا ہی عالم باعمل وباکردار بنائے، اورخاتمہ بالخیر کرے۔ ۞۞۞

مولانا عبدالحمید
تیندوا، سدھارتھ نگر

سنہری یادیں!

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

۴؍فروری ۲۰۱۷ء بروز شنبہ کی صبح مجھے استادمحترم حضرت مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی وفات پُر ملال کی المناک خبر ملی، تو میں دم بخود رہ گیا اور غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے إنا للہ وإنا إلیہ راجعون کے کلمات زبان سے جاری ہوگئے، تغمدہ اللہ برحمتہ الواسعۃ۔

استادمحترم سلفیان ہند کے بزرگ ومشاہیر علماء میں سے تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو بھرپور صلاحیت سے نوازا تھا، یقیناً استادمحترم ایک کہنہ مشق باصلاحیت اور تلامذہ پرانتہائی مشفق ومہربان استاد تھے، نحو، صرف کی ابتدائی کتابوں سے لے کر تفسیر وحدیث اور فقہ کی کتابوں کو پڑھاتے ہوئے آپ شیخ الجامعہ، شیخ الحدیث اور مفتیٔ جامعہ اور جامع مسجد کی امامت کے مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔

بلاشبہ استادمحترم ایک کامیاب مدرس، مشفق ومہربان مربی اوراعلیٰ ترین محقق تھے، آپ کے دروس وخطبات جمعہ انتہائی بصیرت افروز، چشم کشا اور قرآن وحدیث سے مزین ہوا کرتے تھے، آپ کی پوری زندگی تعلیم وتعلم، درس وتدریس، دعوت وارشاد، امامت وخطابت، افتاء وقضاء اور خدمت دین میں گزری، آپ استاذ الاساتذہ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ کے تلامذہ نہ صرف ہندونیپال بلکہ عالم اسلام کے مختلف جہات واطراف میں پھیلے ہوئے درس وتدریس، دعوت وارشاد، امامت وخطابت اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور آپ کے یہ تلامذہ یقیناً حدیث نبوی ''أو علمٌ ینتفع بہ'' کے تحت صدقۂ جاریہ ہیں۔

استادمحترم سے جماعت اولیٰ اور خامسہ میں تعلیم حاصل کرنے سے لے کر تادم زیست قربت کا شرف حاصل رہا ہے، کافی محبت سے ملاقات فرماتے، دیر تک پاس میں بٹھائے رکھتے، کبرسنی میں بھی جب آپ اپنے کمرے تک ہی تقریباً محدود ہوگئے تھے، اس وقت بھی کافی دیر تک اپنے توجیہی کلمات اور مشوروں سے نوازتے، جب بھی حاضر خدمت ہوتا چائے ناشتہ سے حکماً تواضع فرماتے۔

کبھی کبھار میرے ذہن میں کوئی مسئلہ الجھا ہوتا تو بڑی وضاحت وبصیرت کے ساتھ سمجھا دیتے، جس سے میں بالکل مطمئن ہوجاتا اور مکمل تشفی ہوجاتی، چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ایک بار سورہ ہود کی آیت ﴿إن ربي علىٰ صراط مستقيم﴾ میں میرا ذہن الجھ گیا بعض اصحاب علم سے رجوع کیا، اطمینان حاصل نہیں ہوا، اردو ترجمہ وتفاسیر دیکھی، بات سمجھ میں نہیں آئی، بڑھنی اسٹیشن پر آپ سے ملاقات ہوگئی، بعد سلام وکلام کے میں نے دریافت کیا کہ مولانا ﴿إن ربي علىٰ صراط مستقيم﴾ کا کیا مطلب ہے؟ چند جملوں میں آپ نے سمجھا دیا اور میں پوری طرح مطمئن ہوگیا۔

(۲) ایک معروف عالم دین اور خطیب کے خطبات میں سورہ سباء کی آیت ﴿فلما قضينا عليه الموت ما دلّهم على موتهِ إلا دابة الأرض﴾ کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا، اور بہت سے سوالات ذہن میں آنے لگے، میں نے خود اس خطیب اور کئی دیگر اہل علم علماء سے رجوع کیا، لیکن ذہن کی الجھن باقی رہی، تقریباً دوسال کے بعد خدمت میں حاضری ہوئی، آپ ناشتہ کررہے تھے باصرار حکماً ناشتہ میں شریک کیا، میں نے دوران ناشتہ ہی سوال کرڈالا آپ نے ناشتہ سے فارغ ہونے کا حکم فرمایا، بعد ناشتہ فرمایا قرآن کھولو اور

''ھُمْ'' کا مرجع تلاش کرو، قرآن کھول کر جب میں نے ''ھُمْ'' کا مرجع ڈھونڈھا تو معلوم ہوا کہ ''ھُمْ'' کا مرجع تو ''جن'' ہے، میرے سارے اشکالات وسوالات ختم ہو گئے اور آیت سمجھ میں آ گئی۔

(۳) ہندوستان کے ایک بڑے جامعہ کی کافی بڑی وسیع وعریض باؤنڈری میں بنین وبنات کے مختلف شعبہ جات ہیں، جامعہ کی جامع مسجد کے امام کی اقتداء میں اولاً بنات بھی صلاۃ جمعہ ادا کرتی تھیں، پھر بعد میں جامعہ مذکور کے مفتی صاحب نے منع کر دیا اور کہا کہ اتنی دوری سے اقتداء درست نہیں ہے۔

جب میں نے استادمحترم کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی باب قائم فرمایا ہے کہ اگر چہ دیوار ودریا کیوں نہ حائل ہوں، پھر بھی اقتداء جائز ودرست ہوگی اور صحیح بخاری اٹھا کر کھولا تو وہی صفحہ ہی کھلا، جس میں یہ باب ہے، بوجہ اختصار بس اتنا ہی ورنہ واقعات تو بہت ہیں۔

استادمحترم کی شفقت ومہربانی کا حال یہ تھا کہ جب میں جماعت اولیٰ میں تھا تو ایک بار سخت بخار میں مبتلا ہو گیا، آپ بے چین ہو گئے، دواعلاج کا پورا اہتمام کرتے اور بار بار وقت نکال کر خیریت معلوم کرتے رہے، حتی کہ میں صحت یاب ہو گیا، استادمحترم بڑے اعلیٰ پیمانے کے مربی تھے، جب میں جماعت خامسہ میں تھا اسی سال جامعہ کے طلبہ کے لئے جامعہ نے ''السراج'' حائطیہ نکالنے کا فیصلہ کیا، طلبہ مضامین لکھ کر لاتے اور مولانا محترم کو اصلاح کے لئے دے جاتے، مولانا محترم مجھے بلاتے اور فرماتے لے جاؤ اس کی اصلاح کر دو اور سمجھاتے کہ اس کے لکھے ہوئے کو کاٹ کر نہیں لکھنا، بلکہ تذکیر وتانیث درست کر دو اور جملوں کو مرتب کر دو۔

حاصل کلام یہ کہ استادمحترم نہ صرف ایک بڑے عالم دین، شیخ الحدیث اور افتاء کے مناصب جلیلہ پر فائز تھے بلکہ اپنے تلامذہ پر انتہائی شفیق اور مہربان استاد اور والدین کی طرح رنج وراحت کے ساتھی بھی تھے۔

مولانا محترم کو حرص وطمع چھوکر بھی نہیں گزری، تواضع وانکساری کے ساتھ مومن کی مخلصانہ زندگی بسر کی، زہد وتقویٰ، خوف وخشیت کے ساتھ زندہ رہے اور کلمۂ شہادت کا ورد کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی اور کیوں نہ ہو؟ آپ نمونۂ سلف استادمحترم علامہ محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند اور تربیت یافتہ تھے، جو اپنے دور میں بے مثال شخصیت کے مالک تھے، جس طرح استادمحترم علامہ محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ تقوی شعار، متبع سنت وپرہیزگار اور قناعت پسند تھے، اسی نہج پر اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت فرمائی، الحمدللہ مجھ ناچیز کو ہر دو شخصیات سے شرف تلمذ حاصل ہے رحمهما الله۔

استادمحترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ سے علامہ جھنڈانگری رحمہ اللہ بہت محبت فرماتے اور تعلق خاطر رکھتے تھے، اسفار سے واپسی پر کبھی کبھار کچھ تحفے بھی استادمحترم کے لئے لاتے تھے، ایک بار کسی سفر سے واپس آئے تھے میں خدمت میں حاضر تھا ایک قلم جو غالباً ''پارکر'' تھا نکال کر فرمایا جانتے ہو یہ کس کے لئے لایا ہوں؟ میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا یہ اس کے لئے لایا ہوں جو فرشتہ خصلت ہے، جانتے ہو وہ کون ہے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا یہ مولانا عبدالحنان صاحب کے لئے لایا ہوں، بات لمبی ہو گئی معذرت خواہ ہوں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصیٰ گفت موسیٰ اندر طور

اللہ رب العالمین سے دعا گو ہوں کہ آپ کے حسنات وخدمات کو قبول فرما کر اپنے مخلص وصالح بندوں میں داخل فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے خلف الرشید مولانا عبدالمنان سلفی، ان کی اولاد، اہل خانہ، اعزہ، اقرباء اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞

مولانا نیاز احمد طیب پوری
استاد جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

بیسویں صدی کے عظیم محدث

مجھے شمس المحدثین شیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ سے شرف ملاقات ہے پر شرف تلمذ نہیں، موصوف بیسویں صدی کے نصف اخیر کے عالم جلیل اور محدثِ عظیم تھے، آپ نے اکیسویں صدی کا بھی ایک عشرہ سے زیادہ زمانہ پایا ہے، آپ توفیق یافتہ عالم دین تھے، اللہ نے علم وعمل اور عمر سب سے نوازا۔

شیخ مکرم محدث بھی تھے اور فقیہ بھی، میں نے محدث کے ساتھ فقیہ اس لئے کہا ہے کہ ہر محدث فقیہ ہوتا ہے اور ہر فقیہ محدث نہیں ہوتا، جس عبقری شخصیت نے چالیس سال تک بخاری جیسی عظیم الشان کتاب پڑھائی ہو وہ کیوں کر فقیہ نہ ہوگا؟۔

آپ جہاں کامیاب معلم ومربی تھے، وہیں داعی، مفکر، مفتی اور بابصیرت خطیب بھی تھے۔ آپ نے تقریباً چھیالیس سال تک فتویٰ دیا ہے اور لوگوں کے مختلف قسم کے مسائل کو حل کیا ہے، آپ کے فتوے مختصر اور جامع ہوا کرتے تھے، اگر فتویٰ تفصیل کا متقاضی ہوتا تو تفصیل سے بھی لکھتے تھے۔ تقریباً پانچ عشرے میں آپ نے بہت بڑی تعداد میں مسائل کے حل تحریر کیے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرح آپ کے فتوے ضائع نہیں ہوئے، فتوؤں کا اندراج باضابطہ رجسٹر میں ہوتا تھا، اہل علم کے لیے یہ بات باعثِ مسرت ہوگی کہ آپ کے فتوؤں کو اکٹھا کرلیا گیا ہے، شیخ عبدالمنان سلفی جو ہمارے ممدوح گرامی مولانا عبدالحنان فیضی کے فرزند ارجمند ہیں، انھوں نے نوائے اسلام میں اپنے ایک مضمون میں اس کی صراحت کی ہے، انھوں نے بتایا کہ مولانا وصی اللہ عبدالحکیم مدنی، مولانا سعود اختر بن عبدالمنان (شیخ فیضی کے پوتے) نے اس پر کام مکمل کرلیا ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد یہ علمی سرمایہ طلبہ وعلماء کے ہاتھوں میں ہوگا۔

مولانا تدریس، تبلیغ اور قضا وافتاء کے ذریعہ ساٹھ سال تک نیپال اور ہند کو فیض پہنچایا، آپ کے طلبہ اور مستفیدین ہزاروں کی تعداد میں ہیں جو مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ یہ سب آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوں گے، سچ پوچھو تو بلبلِ نیپال آپ تھے، ہند و نیپال کے علماء آپ کو بڑے وقار اور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، آپ کی ہمہ جہت خدمات کے معترف تھے، اسی وجہ سے مختلف تعلیمی اداروں نے آپ کی تکریم بھی کی اور چھ بڑے انعامات سے آپ کو نوازا، آپ کی تواضع کا یہ حال ہے کہ ان انعامات کو لینے بھی نہیں گئے، نیابت کے طور پر آپ کے فرزند شیخ عبدالمنان سلفی نے انعام وصول کیا۔

شیخ معظم اخلاص اور تواضع کا پیکر تھے، بڑی نرمی سے بات کرتے تھے، لوگوں سے بڑی شفقت ومحبت سے پیش

آتے تھے مجھے ذاتی طور پر اس کا بارہا تجربہ ہوا ہے۔

مولانا فیضی صاحب مسند تھے، آپ کے پاس حدیث کا اجازہ تھا، آپ سے جو لوگ اجازہ طلب کرتے تھے ان سے حدیث پڑھوا کر اجازہ دیتے تھے، جب آپ کا شہرہ عرب ممالک میں بھی ہوا تو وہاں سے بھی لوگ آئے اور اجازہ لے گئے یا بعض نے زبانی یا تحریری درخواست کے ذریعہ اجازہ حاصل کیا۔

آپ نے کتابوں کی تالیف کی بجائے رجال کی تربیت کی ہے اور بڑے بڑے علماء پیدا کیے جب کہ آپ لکھنے پر بھرپور قدرت رکھتے تھے، آپ کے فتوے اس پر غماز ہیں، ان رجال کے علاوہ فتوؤں کا مجموعہ آپ کی بہت بڑی علمی یادگار ہوگی۔

الحمدللہ آپ کا گھر آباد، شاداب اور نور علی نور ہے، آپ کے والد گرامی شیخ محمد زماں رحمانی دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے فارغ التحصیل تھے، آپ کی علمی صلاحیت کے لیے رحمانی ہونا ہی کافی ہے، ایک لمبی مدت تک آپ درس وتبلیغ سے جڑے رہے۔

ساٹھ سال تک شیخ فیضی نے ہندونیپال کو فیض یاب اور شمع توحید کو فروزاں کیا، آپ کے فرزند شیخ عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ جامعہ سلفیہ کے ممتاز فارغین میں سے ہیں۔ اچھے مدرس، اچھے مؤلف، بہترین کاتب (انشاء پرداز) اور قلم کار ہیں، سابق میں ''نور توحید'' اور سردست ماہنامہ ''السراج'' کے ایڈیٹر اور جامعہ سراج العلوم کے وکیل ہیں، خطابت کی دنیا میں ان کی اچھی شناخت ہے۔ شیخ فیضی کی جو دوسری نسل ہے اس میں بھی کئی علماء ہیں، سعود اختر بن عبدالمنان نے میاں صاحب پر منعقدہ سمینار دلی میں شرکت کی تھی، میں بھی اس میں شریک تھا انھوں نے اپنا علمی مقالہ پڑھا تھا، کافی ہونہار ہیں، محنت کریں گے تو ان شاءاللہ مستقبل تابناک ہوگا، واللہ الموفق۔

اللہ سے دعاء ہے کہ شیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے، ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور اس مبارک خاندان کو شاداب اور آباد رکھے۔ (آمین)

✡✡✡

آہ! میرے روحانی والد

استاد محترم جناب مولانا عبدالحنان فیضیؒ جو اپنے تمام طلبہ پر بے انتہا شفیق ومہربان رہتے لیکن مجھ ناچیز پر ان کی شفقت بے انتہا تھی، آپ مجھے اپنا بیٹا ہی تصور کرتے اور میں بھی انھیں اپنے والد کے برابر ہی سمجھتا تھا اور پوری زندگی میں نے ان کو ابا کہہ کر ہی مخاطب کیا، اپنے گھریلو مسائل میں ان سے مشورہ کرتا، آپ نہایت ہی اخلاص کے ساتھ مجھے بہترین مشورے اور پندونصائح سے نوازتے۔

آپ جس طرح مجھے عزیز رکھتے میرے والدین اور اولاد سے بھی ایسے ہی معاملہ کرتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے رہتے، اللہ تعالیٰ آپ کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ (آمین)

مولانا تاج الدین سراجی

استاد مدرسہ ضیاء العلوم السلفیہ، چنروٹا، نیپال

☆☆☆

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی
وکیل الجامعہ، جامعہ رحمانیہ، کاندے ولی، ممبئی

اور مسند افتاء سونی ہوگئی

مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ- چند یادیں چند باتیں

تعلیمی زندگی پر ایک ہلکی سی جھلک ڈالنے پر یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت سازی اور علمی بلندی میں جہاں گونڈہ بستی کے عمائدین جماعت مولانا عبدالغفور بسکوہری، ماہر فرائض مولانا عبدالرحمٰن بجواوی، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی، خطیب الاسلام مولانا عبدالروف رحمانی، مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی جیسے اعاظم رجال کی تربیت اور تعلیم کی جلوہ نمائی ہے تو دوسری طرف جماعت کے معروف تعلیمی مرکز جامعہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن کے کہنہ مشق مدرسین ومعلمین شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ مئوی، مولانا مصلح الدین اعظمی، مفتی حبیب الرحمٰن مئوی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی مئوی اور مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا شائق مئوی، ناظم مولانا محمد احمد مئوی جیسے اساطین علم وفن کی تدریسی وتربیتی فیضان کا بھی بڑا اثر تھا اور اسی کے ساتھ فراغت کے بعد جماعت اور ملک کے نامور اساطین علم وادب سے فیض یاب ہوکر جب تعلیم ودعوت کے لئے اپنے استاد اور مربی خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جیسی شخصیت کی طویل تدریسی وتعلیمی رفاقت اختیار کی تو اپنے والد مولانا محمد زماں رحمانی کی قربانیوں اور اخلاص کے بعد جھنڈانگری کی اس رفاقت نے آپ کی شخصیت میں چار چاند لگا دئے۔

خود آپ کا گاؤں حلقے میں ایک علمی مرکز مانا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے جھنڈانگر اور سراج العلوم کو منتخب کیا اور پھر عمر عزیز کی قیمتی بہاریں اور اپنی ساری توانائیاں اس کے لئے قربان کردیں، علاقے میں پیدل چل کر، سائیکل کی سواری کر کے، بیل گاڑی اور ڈلف جیسی متعب اور سست رفتار وسائل کا استعمال کرتے ہوئے اس راہ میں پوری استقامت سے ڈٹے رہے، میرے والد محترم رحمہ اللہ سے آپ کے بڑے گھریلو مراسم تھے،ان کا بیان تھا کہ بڑھنی جھنڈانگر لوپ لائن کی ریلوے ٹریک پکڑ کر پیدل چار پانچ کلومیٹر چلتے ہوئے جھنڈانگر کے بعض اساتذہ مولانا محمد عمر سلفی، مولانا رئیس الاحرار ندوی، مولانا عبدالحنان فیضی وغیرہم ہمارے گاوں آجاتے، مجلس لگتی، چائے ناشتہ،چٹنی بھوجا کا دور چلتا اور پھر لکڑی کے تخت پر بیٹھ کر گھر کے سامنے ہی درس،تقریر اور وعظ کی محفل سج جاتی، گرمی ہوتی تو سامعین چارپائی پر یا زمین پر بچھائی گئی ترپال پر براجمان ہوجاتے اور اگر سردی ہوتی تو دھان کے پوالوں کو زمین پر پھیلا دیا جاتا اور اس طرح یہ کارواں اپنے مشن میں بلا کسی رکھ رکھاؤ اور طمطراق کے رواں دواں ہوجاتا، رات بھر مجلس چلتی، شاہنامہ اسلام او دیوان گلشن پڑھے جاتے اور علماء کے دل نشین وعظ سے لوگ نہ صرف فائدہ اٹھاتے بلکہ بہتیرے غلط کاموں سے توبہ کرکے صراط مستقیم پر

گامزن ہوجاتے، مولانا عبدالحنان صاحب فیضیؔ تو ایک دم کھری کھری سناتے اور بے دریغ ظالموں، سودخوروں، چور چنڈالوں اور کھیتی کسانی میں مگن رہنے والے چودھریوں کی بخیہ ایسے ادھیڑتے کہ ہر کوئی دوبارہ جرم اور ظلم کی ہمت نہ کرتا، صبح ہوتی لوگ فجر کی نماز پڑھتے اور پھر درس قرآن یا حدیث ہوتا اور بھرپور فیض یابی کا جذبہ، مجھے یاد ہے کہ ان بزرگوں نے ہمارے خانوادے کے کئی اہم ترین زمینداروں بشمول والد محترم سب کو ایسے جوڑ رکھا تھا کہ اگر ایک دودن کا ناغہ ہوتا اور جھنڈانگر سے لوگ نہ آتے تو یہ خود ہی محبت، احترام اور اپنائیت کے حسین جذبات لے کر سراج العلوم جھنڈانگر حاضر ہوجاتے اور اس قدر ان کے اخلاص، محنتوں اور علمی صلاحیتوں کی قدردانی کرتے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، زمین میں جب بھی کوئی فصل اگتی اور کھیت اور باغ میں پھل پھول لگتے تو ان بزرگوں کو سب سے پہلے یاد کرتے، کالانمک چاول، شہد، آم، گڑ اور دیگر فصلی پیداوار میں ان کا بھی حق سمجھتے اور پوری رازداری واپنائیت اور خلوص دل سے ان کی خدمت میں پیش کرتے کہ زہے نصیب اور یہ بزرگ بشمول مولانا عبدالحنان صاحب فیضیؔ بھی اتنے بھولے بھالے اور اللہ والے کہ کبھی ایسے احسانات کی وجہ سے مجال ہے کسی کے یہاں ہونے والے معاصی ومنکرات کو دیکھ کر خاموشی اختیار کی ہو، بلکہ جو جتنا قریب ہوتا اس پر اپنا دباؤ، اور اتنا اثر رکھتے کہ ہمیشہ پنچایتوں اور جھگڑوں میں لوگ انھیں فیصل مان لیتے اور ان کی نرم گرم باتوں پر عمل کر کے انھیں ہمیشہ اپنا رہنما اور رہبر بنائے رکھتے اور اسی میں سعادت مندی محسوس کرتے، آج تو مولویوں کا حال بھی براہے اور چودھری وزمیندار تو ان سے بھی گئے گزرے ہوچکے ہیں۔ دوردور تک محبت، اخلاص اور ہمدردی وقدردانی کا اتا پتا نہیں۔

مولانا عبدالحنان فیضی صاحب جماعت اہل حدیث ہندونیپال کے سرحدی علاقے کی قافلہ دعوت وتعلیم کے ایک بڑے شہسوار تھے اور ہمیشہ دین وایمان کی باتیں کرنا، سچی رہنمائی اور خیرخواہی ونصیحت سے لبریز مشورے دینا ان کا شیوہ تھا، اسی لیے عوام الناس پورے اعتماد کے ساتھ ان سے فتوے لینے، رہنمائی حاصل کرنے، مشورہ لینے کے لئے ہمیشہ جڑے رہتے۔ اور ان کی قدردانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔

برصغیر میں افتاء نویسی کے باب میں آپ کی علمی شہرت اور پورے خطہ سدھارتھ نگر، ترائی اور انڈونیپال کے سرحدی علاقوں میں سکونت پذیر اہل علم اور عوام وخواص کا اس بابت آپ پر استناد واعتماد یہ آپ کی شخصیت کے چار چاند لگانے کے لئے کافی ہیں۔

مولانا کے فتاوے اور استفتاء کے جوابات جھنڈانگر اور آپ کے وارثین کے پاس موجود ہیں، ہمارے استاذ گرامی شیخ عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ اسے جمع وترتیب بھی دے چکے تھے اور اس کی تخریج وتحقیق بھی شیخ وصی اللہ عبدالحکیم مدنی اور اپنے فرزند سعود اختر سلفی سے کرواچکے تھے اور اس کی طباعت کی تیاریوں میں مشغول تھے کہ وقت موعود آپہنچا اور والد کے پیچھے پیچھے راہی ملک بقا کو چل دے،،، عزیز گرامی سعود اختر سلفی سلمہ اللہ کو اللہ رب العالمین پر دادا سے لے کر دادا اور والد کی وراثتوں کو سنبھالنے کا جذبہ وحوصلہ عطا فرمائے اور انھیں مزید ہمت اور لگن

کے ساتھ بقیہ کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت عطا فرمائے۔

مجھے یوں تو آپ سے تعلیمی فائدہ اٹھانے کا کوئی بڑا موقع ہاتھ نہ آیا تاہم گاہے بگاہے جھنڈانگر آمدورفت اور پھر خود آپ رحمہ اللہ کی میرے گھر آمد، شادی بیاہ میں شرکت نے مجھے بھی آپ سے بے حد قریب کر دیا اور یوں میں اس عظیم قافلے سے خود کو جڑا ہوا محسوس کرنے لگا جس کے عمائدین میں اس وقت مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا عبدالمبین منظر اور مولانا عبدالحنان فیضی جیسے کہنہ مشق مدرسین اور دیگر اہل علم کی شمولیت تھی، مولانا نے سراج العلوم جھنڈانگر کی چہاردیواری میں درس نظامی کی اہم ترین کتابوں کی تدریس کے ساتھ برسوں درس صحیحین بھی دیا ہے جو اپنے آپ میں ایک مثال ہے اور ہزاروں تلامذہ کہ فیض یابی اور بلندی کا ذریعہ بھی، یوں تو آپ بہت زیادہ اسٹیج کے آدمی نہ تھے تاہم وعظ ونصیحت کی دل نشینی اور اثر پذیری ایسی تھی کہ جھنڈانگر کی جامع مسجد میں آپ کے خطبہ جمعہ اور درس حدیث کی مجلسوں سے فیض یاب ہونے والے عوام الناس کی ایک بڑی تعداد ہے جو آج بھی آپ کے دل نشین وعظ وتقریر کے مداح ہیں، علاقے میں جماعت کے اسٹیج سے بھی دعوتی تقریریں ہوا کرتی تھیں اور نکاح خوانی کی مجلسوں میں تو اکثر بیشتر آپ حالات ورسومات کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ ضرور نصیحت فرمانے کے لئے مجبور ہو جایا کرتے تھے اور یوں اپنے مخصوص انداز میں عوام وخواص کے دلوں میں اثر ڈال کر ان میں دینی شعور بیدار کرنے میں کامیاب رہتے۔

دعوت وتبلیغ کی محفل ہو یا اصلاح معاشرہ کا اہم ترین معاملہ، مجلس نکاح ہو یا عائلی مسائل پر مشتمل علاقائی پنچایت ہو تقریباً ہر جگہ آپ میر مجلس بن کر حاضر ہوتے، اور بڑی دردمندی ، ودوراندیشی سے کتاب وسنت کی روشنی میں بے باکی وجرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کرتے، آپ کی علمی شخصیت سے نہ صرف جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کے اساتذہ، طلباء اور وابستگان علم وفن نے بھرپور فائدہ اٹھایا بلکہ ہندونیپال کے سرحدی علاقوں پر بسنے والے ہزاروں باشندگان نے فیض یابی حاصل کی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی آپ بڑھنی بازار کی گلیوں اور جھنڈانگر کے پرہجوم شاہراہوں میں اور جامعہ کے صحن وچمن میں ایک مسکرائی ہوئی کلی کی طرح چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں، اللہ غریق رحمت فرمائے اور آپ کی علمی وراثت سے تاقیامت امت مسلمہ کو فائدہ اٹھانے کی سعادت عطا فرمائے۔ (آمین) ۞

> شیخ الحدیث مفتی محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ بے شمار اوصاف حسنہ سے متصف تھے، دوران درس وتدریس بہت زیادہ چاک وچوبند رہتے، **إنما العلم بالتعلم** کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے، بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ آپ پر محاسن اسلام کا عکس نظر آتا تھا، اللہ رب العالمین شیخ محترم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔
>
> **(مولانا احمد اللہ سلفی، سکھرام پور)**

مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی
استاد مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کرشنانگر

عالمانہ سادگی کا پیکر مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ

فروری ۱۹۴۴ء میں موضع ششہنیاں ضلع بستی (اب سدھارتھ نگر) میں عالم جلیل مولانا عبدالجلیل رحمانی۔ علیہ الرحمہ۔ نے دارالعلوم کی داغ بیل ڈالی اور جلد ہی ابتدائی عربی درجات کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ مولانا رحمانی صاحب کا ایک نمایاں کارنامہ یہ تھا کہ اس وقت کے مشہور علماء اعلام اور باکمال مدرسین کی تقرری فرمائی جس کی بدولت دارالعلوم ششہنیاں اور اس کی عمدہ تعلیم وتربیت کا شہرہ عام ہوا، مدرسہ کے دور آغاز میں مولانا عبدالرحیم صاحب رحمانی، مولانا دور صدیقی صاحب، مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی رحمہم اللہ جیسے ماہر وباکمال مدرسین نے تدریسی فرائض انجام دیا، انھیں باکمال ہستیوں اور عظیم علمی شخصیات میں ایک نمایاں نام مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ ۱۹۷۸ء کا ہے، آپ نے دارالعلوم ششہنیاں میں تین سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا اور علاقہ میں دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دی ہیں۔

ہمارے ممدوح مولانا مفتی عبدالحنان صاحب فیضی۔ رحمہ اللہ۔ انہیں مولانا محمد زماں صاحب رحمانی ۔علیہ الرحمہ۔ کے اکلوتے فرزند ہیں جن کی پیدائش مشہور علمی وادبی گاؤں انتری بازار میں ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۳ھ میں ہوئی۔

موضع ششہنیاں کے باشندہ ہونے کے ناطے اپنے آباء ودیگر لوگوں کی زبانی بچپن ہی میں مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی اور ان کے قائم کردہ دارالعلوم اور اس کے اجلاس ہائے عام کے حوالہ سے بہت سے علماء، مدرسین کرام اور خطباء عظام کے ناموں اور ان کے تذکروں سے میرے کان آشنا ہوئے ان میں مولانا محمد زماں صاحب رحمانی کا نام نامی بارہا سنا، خود میرے والد گرامی مولانا موصوف کا اور خصوصاً اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحب علیہ الرحمہ کا ذکر اکثر کیا کرتے تھے، مولانا فتح محمد صاحب مکتب کے ایک ماہر مدرس ومربی تھے اور وہ بھی انتری کے باشندہ تھے اور مولانا محمد زماں صاحب رحمانی کے سمدھی اور مولانا عبدالحنان صاحب فیضی کے سسر تھے، چونکہ مولانا عبدالحنان صاحب فیضی نے دارالعلوم ششہنیاں میں عربی کی ابتدائی تعلیم اسی زمانے میں حاصل کی جب آپ کے والد گرامی قدر مولانا محمد زماں صاحب رحمانی وہاں تدریس پر مامور تھے، اس لئے اس زمانے کے لوگ ان کا نام جانتے اور انھیں پہچانتے تھے، مولانا محمد زماں صاحب رحمانی کی علمی شخصیت تو مسلم تھی، اہل ششہنیاں اور علاقہ وجوار کے دیگر لوگ ان کا تذکرہ ان کی شرافت ونجابت اور زہد وتقوی اور صلاح وطہارت کی بنا پر کیا کرتے تھے، الولد سر ابیہ کے بمصداق ہمارے ممدوح مولانا مفتی عبدالحنان صاحب فیضی

بھی علم وفن میں ممتاز اور بے نفسی وسادگی کا پیکر اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے، درج ذیل سطور میں اسی عالمانہ سادگی کے پیکر جلیل القدر وعظیم المرتبت ہستی اوران کے بعض اوصاف وکمالات کا تذکرہ مقصود ہے:

مولانا فیضی صاحب کے جدامجد نبی اُحمد صاحب ایک نیک ومحبّ علم وعلماء وبزرگ شخص تھے، موضع انتری بازار کے ان تین آدمیوں سے جناب نبی احمد بھی ایک تھے جنھوں نے اپنے گاؤں میں علم دین کا چراغ روشن کرنے کے لئے ایک عظیم معلم ومربی اہل حدیث اوراہل حدیث گرعالم دین مولانا عابدعلی صاحب علیہ الرحمۃ کا انتخاب کیا، یہ تقدیری بات ہے کہ جناب نبی احمد صاحب کے فرزندار جمند مولانا محمد زماں صاحب رحمانی نے مولانا عابدعلی صاحب سے خوب استفادہ کیا، بہت بڑے عالم بن کرا بھرے اور مدرسہ بحرالعلوم کوخوب پروان چڑھایا۔

مولاناعبدالحنان صاحب فیضی نے ابتدائی تعلیم مدرسہ بحرالعلوم میں حاصل کی پھراپنے والدگرامی کے ہمراہ برائے حصول تعلیم مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں الیدہ پور پہنچے یہاں پرآپ نے مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی، مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی اوراپنے پدر بزرگوار مولانامحمد زماں صاحب رحمانی وغیرہ جیسے نابغۂ عصر مدرسین سے استفادہ کیا، اس کے بعدمدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تعلیم پائی اورمولانا عبدالرؤف رحمانی اورمولانا عبدالرحمٰن بجوائی وغیرہ سے کسب فیض کیا۔

پھرمشرقی یوپی کی مشہوردرس گاہ مدرسہ فیض عام مئو کارخ کیا اور وہیں سے موصوف سندفراغت سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعدآپ نے تدریس کواپنا مشغلہ بنایا، تدریسی عمل کا آغاز مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسہ سے کیا، ایک سال کے بعدمدرسہ سعیدیہ دارانگر وارانسی میں آئے، وہاں پرچارسالہ تدریسی خدمات کی انجام دہی کے بعدمدرسہ سراج العلوم میں تدریسی خدمت پر مامورہوئے، گیارہ سال کی طویل مدت تک یہاں پررہے، جامعہ سلفیہ بنارس کا قیام ہوچکا تھا، ذمہ داران مرکزی دارالعلوم بنارس کوعباقرۂ عصر اورنابغۂ دہرمدرسین کی تلاش رہتی تھی، ان کی نگاہ مولانا عبدالحنان فیضی پر پڑی اوران کووہاں سے طلب کیا گیا۔

چنانچہ ۱۹۷۴ء میں آپ جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے کچھ عرصہ بعدخرابیٔ صحت کی بناپروہاں سے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر واپس آئے اوراپنی عمر کے بالکل اواخرتک تدریس ودیگر ذمہ داریوں کوبحسن وخوبی انجام دیتے رہے ؎

گوجسم میں طاقت نہیں باتوں میں تودم ہے
رہنے دو بخاری اور مسلم میرے آگے

جامعہ سراج العلوم میں دوراول میں آپ کے ذمہ افتاء وفتوی نویسی کا کام تھا، پھردوبارہ جب بنارس سے واپس ہوئے وہ اس اہم ترین منصب پرفائز رہے، آپ کے مکتوب فتاوی کی تعدادکافی بڑی ہے جوغالبا مرتب ہورہاہے، اس کی ترتیب وتحقیق وتخریج کا کام آپ کے لائق پوتے مولانا سعوداختر سلفی بن عبدالمنان سلفی وفقہ اللہ کررہے ہیں، کاش جلدی یہ مجموعۂ فتاوی زیورطباعت سے آراستہ ہوکرمنظرعام پر

آجائے تاکہ استفادہ عام ہو، یہ بات بھی یادرہے کہ آپ زبانی بھی لوگوں کوان کے استفتاء کے جوابات دیتے رہتے تھے،ان کی تعداد کواللہ ہی جانتا ہے۔

آپ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں صدر مدرس ر شیخ الجامعہ کے اہم عہدہ پر فائز رہے۔تدریس وافتاء کے علاوہ آپ نے وعظ وارشاد کے میدان میں بھی خدمات انجام دی ہیں، علاقہ کی مساجد میں خطبات جمعہ کا اہتمام فرماتے تھے، آپ کا بیان کتاب وسنت کی روشنی میں ہوتا تھا ، بیان میں سادگی تھی،ان کا اپنا خاص اسلوب تھا آپ نے مختلف اوقات میں جماعتی کاز میں بھی حصہ لیا اور جمعیت سے تنظیمی طور پر جڑے رہےاوردعوت وتبلیغ کے ذمہ دار بھی تھے۔

مولانا موصوف علیہ الرحمہ دراصل میدان تدریس کے شہ سوار تھے، افہام وتفہیم کا ملکہ بدرجہ اتم آپ میں پایا جاتا تھا، آپ کی علمی لیاقت مسلم تھی، اورایک کامیاب مدرس وہی ہوتا ہے جس کے اندر علمی صلاحیت ہواوروہ درس کا معنی ومفہوم طلبہ کے ذہن ودماغ میں پیوست کردے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں خوب برکت عطافرمائی اورکافی طویل عرصہ تقریباً ۵۳رسال تک آپ علوم کتاب وسنت ودیگرعلوم وفنون کا درس دیتے رہے اور ہزاروں طلبہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، یہ ہزاروں طلبہ جن میں سینکڑوں بہت لائق وفائق بن کرمختلف میدانوں اورمختلف امصار واقطار میں علمی، تحقیقی، تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہ طلبہ اورطالبات (جن کوکلیہ عائشۃ الصدیقہ میں تدریس دیا ہے) صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے۔

خصائل واوصاف:

مولانا مفتی عبدالحنان صاحب فیضی اخلاق کریمانہ کے حامل انسان تھے،ایک ایسی شخصیت کے حامل جس میں نفع رسانی کا پہلوہی غالب تھا، ایک بے ضرر شخص تھے جن سے شاید ہی کسی کوشکایت ہو،ایک مرتبہ آپ کے ایک عزیز سے ملاقات ہوئی، تعارف ہوا باتوں کا سلسلہ نکلا توانھوں نے آپ کے متعلق کلمات خیر کہے کہ میرے بھیا یعنی مفتی صاحب بہت نیک اور بے ضرر انسان تھے،آپ کی ذات **خیر الناس من ینفع الناس** کی مصداق تھی۔

آپ کی طبیعت میں شرافت وبزرگی ، بڑوں کا احترام اورچھوٹوں پر شفقت کا جذبہ اورحددرجہ عالمانہ سادگی پائی جاتی تھی، شہرت ونام ونمود سے کوسوں دوراوردنیاوی چمک دمک سے کوئی واسطہ نہ تھا، تواضع وانکسار کا نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو برکتوں سے نوازا تھا، آپ سے سبھی لوگ محبت کرتے تھے، اللہ کے نزدیک محبوبیت کی ایک اہم پہچان یہ ہے کہ وہ لوگوں میں ہردلعزیز ہوجاتا ہے اورروئے زمین پراسے قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

ایک طویل عمر جوعلمی دینی اوردعوتی خدمات سے بھرپور تھی، کے بعد مورخہ ۳رفروری ۲۰۱۷ء کوآپ کی وفات ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ پررحم فرمائے، آپ کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں آپ کا ٹھکانہ بنائے۔(آمین)

۞۞۞

مولانا عبدالغنی فیضی
جامعہ فیض عام، مئو

میرے استادِ گرامی پیکرِ اخلاص تھے!

۳/ فروری ۲۰۱۷ء = ۵/ جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ کو جمعہ کا دن گزر گیا اور رات کے تقریباً گیارہ بجے میرے بزرگ استاد مولانا عبدالحنان فیضی کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ جو اگر چہ ناگہانی واقعہ نہیں تھا۔ کیوں کہ اس سے کئی دن پہلے یہ معلوم کر کے خاصا صدمہ ہوا کہ وہ اپنی شدید بیماری کے دن گزار رہے ہیں اور ان کی زندگی کے تار دھیرے دھیرے چل رہے ہیں۔ گویا حیاتِ دنیاوی کے آخری پڑاؤ پر ہیں اور وہ ہماری دعاؤں کے امیدوار ہیں لیکن ان کی وفات کی خبر دوسرے دن سنیچر کی صبح اس وقت ملی جب میں جامعہ فیض عام میں صبح کی پہلی کلاس سے فارغ ہو کر اسٹاف روم میں آیا۔ سن کر ایک چوٹ دل پر لگی فوراً انا للہ و انا للہ الیہ راجعون پڑھا۔ کچھ دیر سارا ماحول سوگوار ہو گیا۔ جامعہ میں ان کے متعدد تلامذہ نے آپس میں ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کو تسلی آمیز صبر کی تلقین کی۔ دیر تک ان کا ذکر خیر کیا جاتا رہا۔ میرا کرب اس وقت اور بڑھ گیا جب یہ معلوم ہوا کہ صبح نماز فجر کے بعد مئو سے ان کے جنازہ میں شرکت کی غرض سے کچھ لوگ گئے بھی ہیں۔ افسوس یہ ہوا کہ اگر بر وقت معلوم ہوا ہوتا تو ان جانے والوں کی معیت ہو گئی ہوتی اور آں مرحوم کے جنازہ و تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جاتی اور بیش تر غم زدہ شرکاء سے ملاقات کے ساتھ پس ماندگان سے تعزیت بھی ہو جاتی مگر ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب کثرتِ کار اور ہجوم افکار کی مزاحمت کے باوجود اپنے تحریری تاثرات کا اظہار استادِ گرامی کے تئیں کسی شاگرد کا نیاز مندانہ اظہار ہمدردی اپنے غم کو غلط کرنے کا ایک طریقہ اور ضرورت ہے کہ ؎

رمِ آہوے دل شاید
اسی گریہ سے تھم جائے

بہر حال اللہ رحم کرے مولانا عبدالحنان فیضی پر جو تراسی چوراسی سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے، میرا ان سے یک سالہ شاگردی کا مخلصانہ تعلق تھا۔ مگر ان کی تکریم و توقیر کئی سال پہلے سے میرے دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کیوں کہ مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ جامعہ سلفیہ، بنارس کے بزرگ استاد ہیں، نہایت خلیق، ہمدرد اور سادہ وضع کے آدمی ہیں۔ فیضی ہونے کے سبب جامعہ فیض عام کے اساتذہ و علماء سے بڑا جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں، میرے والد محترم مولانا عبدالرحمان نحوی کے غایت درجہ عقیدت مند ہیں، علوم عقلیہ ونقلیہ میں رسوخ رکھتے ہیں، تفسیر وحدیث، ادب واصول کی کتابیں ان سے متعلق رہتی ہیں۔ ان کا درس سادہ و دل نشیں ہوتا ہے۔ انھوں نے اس راہ میں کافی محنت و ریاضت کی ہے، ان کا تدریسی عمل جامعہ فیض عام سے فراغت کے معاً بعد یعنی شوال ۱۳۷۸ھ = ۱۹۵۸ء سے مسلسل جاری ہے۔ اس اثنا میں وہ

مبتدی ومنتہی سبھی طلبہ کے روبرو علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے ہیں۔

میں جامعہ سلفیہ کے تعلیمی سال شوال ۱۳۹۶ھ =اکتوبر ۱۹۷۶ء میں برائے حصول تعلیم ہفتہ عشرہ کی تاخیر سے پہنچا۔ جب کہ تعلیمی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ داخلہ مطلوبہ جماعت یعنی فضیلت اول میں ہوا۔ درسیات کا آغاز ہو چکا تھا۔ زیر درس کتابیں تو معروف تھیں پر ماحول نیا اور اجنبی تھا، اساتذہ کی فہرست میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی کے علاوہ اور کسی سے تعارف نہیں تھا، سب سے پہلے مولانا عبد الحنان فیضی کی درس گاہ میں حاضر ہونے کا موقع ملا، دورانِ حاضری وہ میری احوال پرسی کرنے لگے۔ اس ضمن میں استاد زادے کی حیثیت سے والدۂ محترمہ اور دیگر افرادِ خانہ سے یگانگت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''صاحب وہ میرے استاد تھے۔'' پھر برادرِ محترم مولوی محمد صالح کی مصروفیتِ کار کے بارے میں دریافت کرتے رہے، ان کی اس ذرہ نوازی سے مجھے بڑا حوصلہ ملا، اس طرح مجھے اکثر وبیش تر ان سے نیاز حاصل کرنے اور سلام کرنے کا موقع ملتا رہا، البتہ یہ رسم وراہ اوقات تعلیمی کے بعد کے تھے، کیوں کہ وہ دورانِ درس غیر متعلق باتوں سے پرہیز کیا کرتے تھے اور محتاط رہتے تھے۔ ان کی طرزِ گفتگو اور طرزِ تدریس سے حد درجہ متانت وسنجیدگی ٹپکتی تھی، ان کی وضع قطع سے اعتدال اور چال ڈھال سے انکسار کا اظہار ہوتا تھا، ان کا کرتا، پاجامہ، شروانی اور ٹوپی سادگی اور فروتنی کی علامات تھیں، ان کی قناعت پسند طبیعت صبر مسکین نہیں بلکہ ''بہارِ بے خزاں'' کا پتہ دیتی تھی۔ وہ نہایت خلیق، بے لوث استاد تھے۔ بنیادی طور پر وہ مدرس تھے۔ دوران درس ان کے چہرے سے طمانیت کا اظہار ہوتا تھا، سامنے بیٹھے ہوئے طلبہ مطمئن نظر آتے تھے، بہت سہل انداز میں ان کے دروس ہوتے تھے۔ ان کی زندگی کا بیش تر حصہ اسی دشت کی سیاحی میں گزرا ہے، ضمناً خطابت بھی کی، افتا نویسی کی خدمات بھی انجام دیں۔ یہاں تک کہ تقریظ وتاثرات بھی لکھے اور سبھی میدان عمل میں کامیاب رہے۔ جامعہ سلفیہ میں ان کی مدت کار چار سال رہی۔ جہاں تفسیر بیضاوی، سنن ابو داود، جامع ترمذی کے علاوہ ادب واصول فقہ وحدیث کی تدریس ان سے متعلق تھی، میں نے یہ محسوس کیا کہ آپ درس میں اوقات کی پابندی کو ترجیح دیتے ہیں، کتابیں زیادہ سے زیادہ ہوں، اس کا خاصا جتن کرتے ہیں، مکمل تیار ہو کر آتے ہیں، گہرا مطالعہ کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں ان کی یہ سوچ فیضی اساتذہ کی رہینِ منت ہے۔ آپ کی معلومات کا دھارا کتاب کی عبارت کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے، نہایت اعتماد کے ساتھ تفسیر بیضاوی کا سبق چل رہا ہے، اس کا حسن آغاز ہفتہ عشرہ پہلے ہو چکا ہے۔ تمہیدی دروس میں کیا کچھ تفسیری نکات بیان کیے گئے معلوم نہیں۔ مگر سورۃ الفاتحہ کے اسباق جاری ہیں، متن کتاب پر موصوف کی سیدھی نظر ہے، کبھی کبھی طلبہ پر نگاہ اٹھا کر دیکھ لیتے ہیں پھر کتاب پر نظر مرتکز کر لیتے ہیں۔ چہرے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہیں، قدرے توقف کرتے ہیں پھر آیات قرآنی کی ذیلی تفسیر پڑھتے ہیں۔ الفاظ مفردہ کی تحلیل وتشریح کرتے ہیں اور قاضی بیضاوی کے حوالے سے وارد شدہ مضمون کی وضاحت کرتے ہیں، درمیان میں ٹھہراؤ نہیں، حواشی اور بین السطور سے بے نیاز ہیں، یہ سلسلہ پوری گھنٹی روزانہ چلتا ہے۔ یہی سب کچھ سورۃ البقرہ کی تفسیر میں بھی پڑھا اور سنا گیا۔ اس معمول میں کبھی کبھی فرق بھی پڑ جاتا

تھا۔ یہ ان کے مخلصانہ جد و جہد کی دلیل ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فی زمانناکچھ لوگ تفسیر بیضاوی کے تعلق سے شاکی اور کبیدہ خاطر ہیں کہ اس کی عبارت پیچیدہ اور اَدق ہے۔مگر یہ اظہار خیال بے جا نصابی اصلاح کے موضوع پر پچاسوں سال کی ''لاحاصل'' بحث کا ''حاصل'' ہے۔ورنہ طلبۂ مدارس عربیہ بیضاوی ہی کیا بہت سی کتابوں کی تفہیم میں اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں، جب کہ ہمارے مخلص اساتذہ نے تو کبھی تفسیر بیضاوی کے بارے میں ایسی شکایت نہیں کی، انھیں میں استادمحترم مولانا فیضی مرحوم کا بھی شمار ہے، جو شرح صدر کے ساتھ کئی سالوں سے بیضاوی پڑھاتے آئے ہیں، اس تعلق سے اپنے تاثرات یوں ہیں:

میں پڑھاتا ہوں کئی سالوں سے بیضاوی شریف
اس کی توجیہات آتی ہیں میرے دل کو پسند
اس کی تعبیرات نادر، پختہ اسلوبِ بیاں
تہ میں جس کے ہیں نہاں الفاظ ومعنی چند چند

جامعہ فیض عام، مئو کے جلسۂ سالانہ منعقدہ ۱۳/ شعبان ۱۴۱۹ھ = ۳/ دسمبر ۱۹۹۸ء بہ روز جمعرات کو خطیب الاسلام مولانا عبدالروؤف جھنڈانگری کو دعوت دی گئی۔ان کے ساتھ مولانا عبدالحنان فیضیؔ بھی تشریف لائے تھے۔اس موقع پر گفتگو کے درمیان انھوں نے فرمایا:

مولوی صاحب! مجھے اس مدرسہ کے ارکان و اساتذہ کے ساتھ ساتھ اس کی خاک اور اس کے در و دیوار سے بے پایاں محبت ہے، اس کے ذرے ذرے میرے لیے سرمۂ بصیرت ہیں، کیوں کہ اس ادارے سے میرے والد محترم مولانا محمد زماں رحمانی صاحب کا اور میرا بھی والہانہ تعلق ہے۔آج یہاں پہنچ کر میں دلی سکون محسوس کرتا ہوں۔

ان کی دینی و دعوتی اور تدریسی خدمات کا دائرہ تقریباً چھ دہائیوں پر محیط ہے۔ان سے فیض یاب تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، خود ان کے صاحب زادے اور پوتے بھی علم شریعت سے بہرہ ور ہیں، جو ان کے لیے صدقۂ جاریہ اور ان کے اعمال صالحہ میں شمار کیے جائیں گے نیز اخروی کامیابی کا ذریعہ ہوں گے، ان شاء الله۔

مولانا محترم کی تجہیز و تکفین ۶/ جمادی الاولی سنیچر بعد نماز ظہر کی گئی جس میں شرکائے جنازہ کی کثرت عند الناس مقبولیت کی دلیل ہے تو عنداللہ بھی مغفور ہونے کی علامت ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن رحمانی مبارک پوری نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔جو ان کے معاصرین میں ''بقیۃ السلف'' سمجھے جاتے ہیں، اللہ تعالی ان کی اور ہم سب کی مغفرت فرمائے!۔

مولانا کی پیدائش رمضان ۱۳۵۳ھ بتائی گئی ہے۔ تاریخ اور دن مذکور نہیں۔اس لیے سال عیسوی کی مطابقت میں تذکرہ نگاروں کو دشواری ہوئی ہے۔۹/ دسمبر ۱۹۳۴ء اتوار کو یکم رمضان ۱۳۵۳ھ ہے اور ۲۳ رمضان ۱۳۵۳ھ سوموار کو ۳۱/ دسمبر ۱۹۳۴ء ہے۔اس طرح ۲۴/ رمضان ۱۳۵۳ھ کو یکم جنوری ۱۹۳۵ء منگل ہے۔

اسی طرح جامعہ فیض عام میں ان کی مدت تعلیم چھ سال متعین کی گئی ہے اور ۱۹۵۸ء میں فراغت بتائی گئی ہے۔ ان کے رفقائے درس میں مولانا مظہر احسن ازہری کا شمار کیا گیا ہے۔جن کی سال فراغت ۱۹۵۹ء ہے۔لہٰذا ان دونوں میں سے کوئی ایک بات غلط ہے۔

مولانا عبدالحنان فیضی کے اساتذۂ جامعہ فیض عام

میں مولانا اسحاق بھٹی نے یوں نام گنائے ہیں:

مولانا محمد احمد [ناظم]، مولانا عبداللہ شائقؔ، مولانا شمس الحق سلفیؔ، مولانا مصلح الدین، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالرحمان نحویؔ، مفتی حبیب الرحمٰن فیضیؔ، مولانا عظیم اللہ مئوی اور بعض دیگر اساتذہ سے اخذ فیض کیا۔

[چمنستان حدیث، ص: ۵۵۷]

دیگر معاصر تذکروں میں مولانا شائق کا نام ان کے اساتذہ کی فہرست میں مذکور نہیں ہے، یہ ابہام اس لیے ہوسکتا ہے کہ مولانا شائق مرحوم کا تعلق مدرسہ مذکور سے ۲۷/ رمضان ۱۳۷۳ھ = ۳۰/ مئی ۱۹۵۴ء سے منقطع ہوگیا تھا اور شاید اسی کی تلافی کے لیے ۱۱ شوال ۱۳۷۳ھ = ۱۳/ جون ۱۹۵۴ء کو مولانا عبدالغفور بسکوہری بحیثیت مدرس تشریف لائے تھے۔

[اشتہار بعنوان 'استعفا']

استاذِ گرامی نے اپنی لگ بھگ ساٹھ سالہ زندگی کا بھرپور علمی استعمال کیا۔ مدرسہ سعیدیہ اور جامعہ سلفیہ، بنارس کے چند سالوں کو چھوڑ کر تقریباً پینتالیس سال جامعہ سراج العلوم، جھنڈا نگر میں اپنی تمام عمر گزار دی۔ خطیب الاسلام کے معتمد بنے رہے۔ اس لیے ماہنامہ السراج کے ذمہ داروں نے ان کی حیات وخدمات کا معیاری نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے تو لائق تحسین جذبہ ہے۔ مولانا شمیم احمد ندویؔ، ناظم جامعہ سراج العلوم اس سلسلہ میں شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں اور یہ بات بھی قابل مسرت ہے کہ ان کا تحریری سرمایہ جو زیادہ تر فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ عنقریب اپنی اشاعت کا انتظار کر رہا ہے۔ جسے ان کے صاحب زادۂ گرامی مولانا عبدالمنان سلفیؔ یا ان کے پوتے مولوی سعود اختر نے مرتب کر رکھا ہے۔ امید کہ ان کے فتاویٰ کی جلدیں اہل علم کو پسند آئیں گی اور مولانا کی یاد کو باقی رکھیں گی۔ کیوں کہ: ؎

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

[سکندر علی وجد]

مولانا مرحوم شجرۂ طوبیٰ مولانا محمد زماں رحمانی [متوفی ۱۹۷۸ء] کے گل سرسبد تھے جس کی شاخ سرسبز مولانا عبدالمنان سلفی اور ان کی بار آور شاخ مولوی سعود اختر وغیرہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مذکورہ تمام پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے اور مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دے، جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

❁❁❁

نانا محترم ایک ربانی عالم تھے، آپ جس طرح گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ شفیق ومہربان ہوتے اسی طرح اپنے شاگردوں کے ساتھ بھی معاملہ کرتے، آپ میری والدہ اور ہم لوگوں کا بہت خیال رکھتے تھے، اللہ میرے نانا کی تمام خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمادے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا سیف الرحمٰن سراجیؔ
محمود واگرانٹ انتری بازار، سدھارتھ نگر

☆☆☆

مولانا سعید احمد سلفی
پونہ، ممبئی

آہ! وہ منفرد استاد محترم نہ رہے

مادر علمی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی شہرت اوراس کا علمی جاہ وجلال ابتداء ہی سے اہل علم اورطلبہ کے درمیان موضوع بحث رہاہے، اسی لئے عموماً ہراہل حدیث طالب علم کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس مرکزی ادارہ میں داخل ہوکر وہاں کے علمی ماحول میں وہ اپنی علمی تشنگی بجھائے، ۱۹۷۶ء کا سال تھا خاکسار بھی اپنی علمی تشنگی بجھانے اور جامعہ کے اساطین علم وفضل کے زیرسایہ تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا، اس وقت جامعہ میں اساتذہ کرام کی ایک ایسی جماعت تھی جن میں سے ہراستاذ اپنے آپ میں جبل العلم والادب تھا، آج ان میں سے بیشتر کواللہ نے اپنے جوار رحمت میں لے لیاہے۔

اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام کی قبروں کونور سے منور کرےاوران کےدرجات کوبلند کرے۔(آمین)

جامعہ کے اساتذۂ کرام میں مشفق ومربی استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی بھی تھے جن کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے تھا،آپ کے والدمحترم جناب مولانا محمد زماں رحمانی تھے جوایک مشہور مبلغ، داعی اورمدرس تھے۔

الحمدللہ یہ علمی خانوادہ آپ کے والد بزرگوار سے شروع ہوکرعزیزم مولوی سعود اختر سلفی بن عبدالمنان سلفی تک ایک سلسلۃ الذہب ہے جوشب وروز دینی ودعوتی اورتدریسی خدمات انجام دے رہاہے اوریہ مقام ومرتبہ معدودے چندنسلوں کوحاصل ہے کہ مسلسل چارنسلیں دینی وعلمی خدمات انجام دیں، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر کویہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ سلسلۃ الذہب اسی کے زیرسایہ اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلےکواوردرازکرے۔(آمین)

استادمحترم کے علمی مقام ومرتبہ کے تعلق سے وہی شخص خامہ فرسائی کرسکتاہے جو صاحب قلم ہواور مجھے امید ہے کہ آپ کے تلامذہ اورمستفیدین آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں کواجاگر کریں گے۔

آج پینتیس سال بعداستادمحترم کے تعلق سے کچھ لکھنے کی کوشش کررہاہوں لیکن قلم مافی الضمیر اداکرنے سے قاصرہے، پھربھی ایک ادنی طالب علم کی حیثیت سے چند سطریں سیاہ کررہاہوں۔

۱۹۷۶ء میں جامعہ سلفیہ میں عالم اول میں داخلہ ہوا، شروع میں جامعہ کے علمی جاہ وجلال کا تذکرہ سن کرمرعوب تھا لیکن اساتذۂ کرام کی شفقت اوران کے اخلاق کریمانہ سے خوف جلدہی کافورہوگیا،انھیں اساتذۂ کرام میں استادمحترم مولاناعبدالحنان فیضی بھی تھے جن کی رحم دلی ، پدرانہ شفقت واپنائیت اورلطف وکرم نے جلدہی جری بنادیااوردرس گاہ میں

بلاخوف وخطر اپنی علمی تشنگی بجھانے لگا۔

استاد محترم کا طرز تدریس:

آپ کا طریقۂ درس جداگانہ تھا، آپ اپنے آپ کو تلامذہ کے حوالے کردیتے تھے اور سبق کا کوئی گوشہ نظرانداز نہیں کرتے تھے بلکہ پورے انہماک، لگن اور جذبہ کے ساتھ اس کا حق ادا کرتے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کو پوری کتاب یاد ہے اور اس وقت تک خاموش نہیں ہوتے تھے جب تک آپ کو یہ محسوس نہ ہوتا کہ طلبہ مکمل طور پر مطمئن ہوگئے ہیں اور ہم طلبہ کا یہ حال تھا کہ درس کے بعد سبق کے بیشتر مشمولات یاد ہوجاتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ درس کے آخر میں سبق کے مختلف گوشوں سے طلبہ سے سوالات کرتے تھے اور جب جوابات اطمینان بخش ہوتے تب آپ مطمئن ہوتے۔ طلبہ کو نہ کبھی کسی غلطی پر جھڑکتے اور نہ ہی کسی کمزوری پر غصہ کرتے بلکہ ایک مشفق استاد کی حیثیت سے انتہائی شفقت ومحبت اور رحم دلی سے اس کی کمزوری وکوتاہی دور کرنے کی کوشش کرتے۔

آپ رحمہ اللہ کی تدریسی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ عبارت فہمی مقدم رکھتے تھے اور طلبہ کو نصیحت کرتے تھے کہ جب تک آپ صحیح عبارت سمجھ کر صحیح نہیں پڑھیں گے تب تک آپ عبارت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے، درس کے شروع میں اس کا ماحصل اور خلاصہ بیان کرتے تھے تاکہ سبق کی واضح تصویر ذہن نشین ہوجائے اور طلبہ بآسانی سمجھ سکیں، عبارت خوانی کے وقت اگر غلطی ہوجائے تو صرف تصحیح نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی وضاحت نحوی وصرفی قواعد کے مطابق کرتے تھے اس طرح عربی قواعد کا اعادہ ہوا کرتا تھا جو انتہائی مفید ہوتا ہے، افسوس کہ آپ کی صحت کے لیے بنارس کی فضا سازگار نہ ہوئی اور صرف ایک ہی سال آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا، میں شاکر وممنون ہوں اپنے ہم سبق ساتھی اور دوست اور استاد محترم کے سعادت مند فرزند ارجمند برادرم مولانا عبدالمنان صاحب سلفی حفظہ اللہ ایڈیٹر ماہنامہ ''السراج'' کا جن کے مسلسل رابطہ کی بنیاد پر ملاقات کے لئے جھنڈانگر جانا ہوتا تھا اور استاد محترم کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ استاد محترم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی دینی، دعوتی، علمی وتدریسی خدمات قبول فرمائے اور ان کے لئے نجات کا ذریعہ بنے، اور درجات کی بلندی کا باعث بنے۔ آمین یارب العالمین۔

۞۞۞

مفتی محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ ہمارے اوپر بہت ہی شفقت فرمایا کرتے تھے، ہمارا بہت خیال فرماتے تھے، جب بھی ملاقات ہوتی دعاؤں سے نوازتے اور ہمارے اہل خانہ کی بھی خیریت دریافت کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جامعہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

(قاری عبدالخالق عرفانی، استاد شعبۂ حفظ)

ڈاکٹر حافظ عبدالعزیز مبارکپوری رحفظہ اللہ

حضرت مولانا مفتی عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ کچھ یادیں کچھ باتیں

مکہ میں قیام کے دوران جب کہ مولانا جامعہ سلفیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے ان کے تلامذہ کی زبان سے ان کے بارے میں سنا کرتا تھا، لیکن کبھی ملاقات کا شرف نہیں حاصل ہوا، چھٹیوں میں وطن عزیز آنے کا اتفاق ہوتا، یہ چھٹیاں گھر ہی پر گزر جاتیں اور کہیں جانے کا موقع نہ ملتا، حضرت مولانا سے پہلی ملاقات جھنڈا نگر میں ہوئی اور وہیں سے ملاقات کا یہ سلسلہ دراز ہوا، جب بھی جھنڈے نگر جانے کا اتفاق ہوتا ان سے ضرور ملاقات کرتا اور دعائیں لیتا، مولانا بڑی خندہ پیشانی سے ملتے، خیر خیریت اور گھر کے لوگوں کا حال چال پوچھتے، جس میں بڑی اپنائیت ہوتی تھی، اپنے متعارفین اور ان کے شاگردوں سے مولانا کے تقویٰ، طہارت، پاکیزگی، علم وفضل، ان کے بھولے پن اور سادگی کے بارے میں سنا کرتا تھا اور دل میں ان سے ملاقات کی تمنا اور خواہش رہتی، لیکن ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ دسمبر ۱۹۸۹ء میں جب مکہ سے واپس آیا اور مستقل طور پر گھر رہنے لگا، اس وقت حضرت مولانا جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں درس وتدریس افتاء اور دعوت وتبلیغ کے منصب پر فائز تھے، جھنڈے نگر میں ان سے جب میری پہلی ملاقات ہوئی ان کی سادگی اور بے تکلفی سے بہت متاثر ہوا اور جیسے سنا کرتا تھا حقیقت میں ویسے ہی پایا، بلکہ اس سے کچھ زیادہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ، اپنے بھتیجے مولانا فضل الحق مدنی جو جامعہ میں تقریباً ۳۴ رسال سے تدریسی ودعوتی خدمت انجام دے رہے ہیں ان کی زبانی سلام ودعا کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ان سے آخری ملاقات سال گذشتہ ہوئی جب حضرت مولانا مظہر حسن صاحب ازہری ناظم جامعہ عالیہ عربیہ مئو اور مولانا عبداللطیف صاحب اثری شنکرنگری کی معیت میں شنکرنگر جانا ہوا، حضرت مولانا ازہری اور مولانا فیضی فیض عام میں ہم سبق تھے، اس لئے خاص ان سے ملاقات کے لئے جھنڈے نگر جانا ہوا، ان کے صاحب زادہ مولانا عبدالمنان صاحب سلفی نے ناشتہ وغیرہ کا مناسب انتظام کر رکھا تھا، مولانا نے بھی ناشتہ میں ہمارا ساتھ دیا، دیر تک بیٹھے رہے، باتیں ہوتی رہیں، چونکہ مولانا علیل تھے دیر تک بیٹھ نہیں سکتے تھے، پھر بھی انھوں نے وقت دیا اور بیٹھنے کے لئے مزید اصرار کرتے رہے، کیا معلوم تھا کہ ان کی اور ہماری یہ آخری ملاقات ہوگی، مولانا کا سیدھا پن اور دنیا سے بے رغبتی دیکھ کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہوجاتی، ان کی طرح بے ضرر انسان خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

کسی سے لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے، مولانا کی نماز جنازہ میں ایک بڑی مخلوق دیکھ کر عنداللہ ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوا، مولانا کی پوری زندگی درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور افتاء نویسی میں گزری، ان کے جوابات مدلل اور مستند ہوتے، مولانا کی زندگی حد درجہ سادہ تھی، البتہ پان کے بڑے شوقین تھے اور آخری عمر تک یہ شوق جاری رہا، آپ کا خاندان

علمی خاندان تھا، آپ کے والد کا شمار ملک کے بڑے عالموں میں ہوتا تھا، مولانا موصوف نیک وصالح متقی وپرہیزگار تھے انھیں نمونہ سلف بھی کہا جاتا تھا۔

الولد سرابیه کی طرح مولانا فیضی نے بھی پوری زندگی انھیں کے نقش قدم پر چل کر گزاردی اور دینی ودعوتی اور تدریسی کاموں میں مصروف رہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس دینی ،دعوتی اور تدریسی خدمات کو ان کا سرمایۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

دینی خدمات کا یہ سلسلہ ان کے خاندان میں جاری وساری ہے، ان کے صاحب زادہ مولانا عبدالمنان صاحب سلفی ایک کہنہ مشق صحافی ہیں اور مجلّہ ''السراج'' کے مدیر ہیں نیز تدریسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ جماعتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی میٹنگوں میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔

مولانا کی تدریسی ودعوتی خدمات کے پیش نظر بہت سے اداروں نے انھیں توصیفی سند اور اعزازات سے نوازا اور ان کی تکریم کی ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر اور دیگر اداروں میں تدریسی خدمات کے دوران ان کے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے، جو ان کی روحانی اولاد کی طرح ہیں اور ان کے حق میں دعائیں کرتے رہیں گے، ان شاءاللہ۔

ان کی زندگی کے بارے میں ان کے تلامذہ اور شاگردان زیادہ کچھ لکھ سکتے ہیں اور ان کی زندگی کا حقیقی عکس پیش کر سکتے ہیں۔ اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأکرم نزله ووسع مدخله وبرد مضجعه۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین آباد ✡✡✡

مشفق ماموں جان کی یاد میں

میرے ماموں جان مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ نے بچپن ہی سے میری تربیت کی اور ہر طرح کی آرام اور راحت پہنچانے کی فکر کی، اسی محبت ہی کے نتیجہ میں آپ نے مجھے اپنی بہو کی حیثیت سے منتخب کیا، میں نے آپ کو انتہائی قریب سے دیکھا ہے، آپ نہایت ہی شریف وایمان دار، صابر وشاکر اور ہر کسی کا خیال رکھنے والے تھے، گھریلو ضروریات کی چیزوں کی فراہمی کے لیے محنت کرتے، بازار کا چکر لگاتے اور بچوں کو خوش کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے ہماری بیماری یا تکلیف پر پریشان ہوتے اور اسے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور ہماری خدمت پر خوش ہوکر دعاؤں سے نوازتے، مہمانوں کی ضیافت یا رمضان المبارک یا دوسرے مواقع پر پُر تکلف پکوان پر نہایت ہی خوش ہوتے اور شکریہ ادا کرتے، میں بھی آپ سے بے انتہا محبت کرتی تھی اور ماموں وممانی کی خدمت کو اپنے لیے باعث فخر وثواب سمجھتی تھی، اللہ قبول فرمائے اور ماموں وممانی دونوں کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

(ام سعد)

✡✡✡

مولانا سعید احمد بستویؒ
سابق ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر نیپال میں ایام طالب علمی کے کئی سال گزارے، جماعت اولیٰ سے لے کر جماعت رابعہ تک مختلف اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کیا اوران کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوااوران سے خوشہ چینی کی، جامعہ میں ایک سے ایک باکمال مشائخ موجود تھے مثلاً: حضرت مولانا عبدالحنان فیضی، حضرت مولانا رحمت اللہ اثری، حضرت مولانا قطب اللہ ندوی، حضرت مولانا اقبال احمد سلفی، حضرت مولانا مختاراحمد مدنی، حضرت مولانا عبدالمجید مدنی رحمہم اللہ، حضرت مولانا عبدالرشید مدنی، حضرت مولانا محمد مستقیم سلفی اور دیگر اساتذۂ کرام حفظہم اللہ، میں قبل ازیں جامعہ اتحاد ملت میناں عیدگاہ میں زیر تعلیم تھا وہاں دوسال تعلیم حاصل کیا،اس کے بعد جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر نیپال میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہوا۔

حسن اتفاق اللہ کے حکم سے ہمارے پھو پھا محترم جناب الحاج کلن صاحب رحمہ اللہ بڑھنی سے سمرا گئے تھے (اس وقت ہم لوگ سمرا ہی میں تھے بعد میں بڑھنی آ گئے) ان سے میں نے جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر میں پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو پھو پھا محترم رحمہ اللہ نے کہا چلو میرے ساتھ میں جناب ناظم صاحب سے کہہ کرتمہارا داخلہ کرادیتا ہوں، گھر سے آنا جانا، میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی میں نے عزم مصمم کرلیا کہ اب جامعہ سراج العلوم میں داخلہ ان شاء اللہ لینا ہے، پھو پھا محترم رحمہ اللہ کے کہنے پر والدمحترم نے مجھے اجازت دے دی، میرا داخلہ ہوگیا، میں صبح ناشتہ کے بعد گھر سے کتابوں کا بستہ لے کر جامعہ پہنچ جاتا، دوپہر میں اکثر طلبہ چھٹی کے وقت چٹّی بازار میں بھونا بھُنا کر چبالیتے اور پھر صلاۃ ظہر کے بعد تعلیم شروع ہوجاتی اس زمانے میں دونوں وقت تعلیم کا نظام تھا پھر اذان عصر سے قبل چھٹی ہوجاتی، پھر میں بڑھنی گھر چلا آتا تھا، گھر آتا تو پھوپھی جان رحمہا اللہ اوڑھنی کے کونے میں کچھ نہ کچھ میرے لئے باندھ کرر کھے رہتی تھیں، میں اکثر ان کو صلاۃ عصر پڑھتا ہوا پاتا، پھر اوڑھنی کا کونہ کھول کر جوملتا تھا اسے کھالیتا، جس طرح مشفقانہ برتاؤ تھا پڑھائی میں اتنی ہی سخت گیر، اگر ناغہ کردیتا تو بہت ناراض ہوتیں اور پھو پھا جان رحمہ اللہ سے کہتیں کیوں نہیں اس کو ناظم سے کہتے ہو،اس کو ناغہ پر سزا دلواؤ اور جب غصہ بہت زیادہ ہوتیں تو کہتیں ابھی تیرے باپ کو بلاتی ہوں، میں ڈر جاتا کہ بابو آئیں گے تو بلا مارے چھوڑیں گے نہیں (ہم لوگ اپنے والد رحمہ اللہ کو بابو کہتے تھے) تھوڑی دیر بعد

جب غصہ رفع ہوجاتا تو پاس بلاتیں اور کچھ کھانے کو دیتیں اور کہتیں کتاب لے کر چھت پر جا اور پڑھ، جہاں میں سوتا تھا سرہانے ایک طاق تھا اس میں ایک دیا رکھوا دیتی تھیں اور کہتی تھیں جب تو اٹھے تو ضرور پڑھنا، یہی وجہ تھی کہ اللہ کے فضل سے میں اچھے نمبرات لاتا رہا اور سالانہ انجمن میں بھی انعام ملتا تھا، جب میں جماعت اولیٰ میں تھا تو ایک کتاب انعام میں ملی تھی اس کا نام ''شواہد الشاہد'' تھا، اللہ تعالیٰ ان دونوں شخصیتوں کو جزائے خیر دے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، جنھوں نے میری تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

میں اس وقت باکورۃ الأدب وغیرہ پڑھتا تھا جس کو فضیلۃ الشیخ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ پڑھایا کرتے تھے، جب میں جامعہ میں زیر تعلیم تھا ایک صاحب ہمارے والد محترم رحمہ اللہ کے ملنے والوں میں سے تھے انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح صغرسنی میں کر دیا اب وہ اس رشتے کو ناپسند کرتی ہے تو والد محترم رحمہ اللہ نے کہا کہ جا کر جامعہ سراج العلوم سے فتویٰ لکھا کر دیکھیے، مفتی صاحب کیا لکھتے ہیں؟ اس کے بعد فیصلہ کیجیے، تقریباً صبح دس بجے وہ صاحب جامعہ آ گئے، میں استاذ محترم رحمہ اللہ کی خدمت میں ان کو لے گیا آپ نے فرمایا کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا: یہ فتویٰ چاہتے ہیں، انھوں نے قضیہ بیان کیا کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی صغرسنی میں کر دی تھی جب کہ اب وہ اس رشتے کو ناپسند کرتی ہے میں کیا کروں؟ آپ نے اس وقت دوپہر میں فسخ نکاح کا فتوی لکھ کر دے دیا الحمدللہ، آپ فتوی پر کسی بدلہ بلکہ شکریہ سے بھی کوسوں دور رہتے تھے، اب حالات ایسے ہیں کہ فتویٰ نویسی پر اجرت لی جاتی ہے، بغیر اجرت کوئی کام نہیں ہوتا، الا ماشاء اللہ چند شخصیتیں آج بھی اس قحط الرجال اور مادہ پرستی کے دور میں موجود ہیں، جو کسی لالچ اور داد خواہی کے بغیر محض خیر خواہی کے جذبہ کے تحت فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، انھیں خوبیوں کے حامل مفتی مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ بھی تھے یقیناً استاد محترم بہت اچھے تھے اور اچھی زندگی گزار گئے اور بعد کے ادوار میں آنے والوں کے لئے ایک تابناک مستقبل چھوڑ گئے۔

موصوف اپنے طلبہ کے لئے بے حد فکرمند رہتے تھے اور اگر کسی سے کوئی غلطی ہوجاتی تو معمولی سرزنش فرماتے اور اتنا کہتے کم بخت جا یہاں سے، پھر ہلکا سا تبسم فرماتے اور معاف کر دیتے، ایک دفعہ کا واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے جب ہم سیڑھی کی بائیں جانب تیسرے نمبر کے کمرے میں رہتے تھے، ناظم صاحب کو آشوب چشم کی شکایت ہوئی، اکثر و بیشتر ناظم صاحب رحمہ اللہ کی آنکھ میں رات کو میں دوا ڈال دیتا تھا، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سردی سخت تھی تقریباً رات کے گیارہ بجے تھے استاذ محترم مولانا قطب اللہ ندوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے سہیل احمد مرحوم آ گئے اور کہنے لگے ناظم صاحب آنکھ میں دوا ڈالنے کے لئے بلا رہے ہیں، میں نے معذرت کی اور کہا جا کر ناظم صاحب سے کہہ دو کہ سو گیا ہے، بس کیا تھا انھوں نے میرا لحاف کھینچا اور میں نے اپنی طرف کھینچا اس دھینگا مشتی میں پاس بیٹھے مطالعہ میں مشغول محترم

مولانا اصغر علی اثری کا چراغ بجھ گیا، انھوں نے غصے میں اٹھ کر سہیل صاحب کو تھپڑ رسید کردیا وہ زور سے چلائے، ناظم صاحب نے سنا تو فوراً دفتر سے بید کی چھڑی لے کر نکلے اور فرمارہے تھے ''سرمنڈاتے اولے پڑے'' مولانا اصغر علی اثری صاحب نے کہا سیدھے جلدی سے بھاگ لے نہیں تو ناظم صاحب بہت ماریں گے، ہم دونوں مسجد کے ایک کونے میں جاکر چھپ گئے اور ٹیوب لائٹ کو بند کردیا، اندھیرا ہوگیا، ناظم صاحب رحمہ اللہ کہہ رہے تھے تم دونوں نکل آؤ نہیں ماروں گا، میں نے اصغر صاحب سے کہا چلو یار! تو انھوں نے کہا بغیر زدوکوب کیے ناظم صاحب چھوڑنے والے نہیں، بہرکیف! ہم لوگ جب نہیں آئے تو ناظم صاحب رحمہ اللہ نے کہا بھیکو کہاں ہو؟ ان دونوں کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ، مجبوراً ہم لوگ دفتر میں گئے، ناظم صاحب رحمہ اللہ نے خوب صلواتیں سنائیں، بانس کی چھڑی نکالی، کہا ہاتھ پھیلاؤ اتنے میں استاذ محترم مولانا قطب اللہ ندوی رحمہ اللہ آگئے اور کہا جیسے سہیل میرا بیٹا ہے ویسے یہ بھی میرے بیٹے ہیں ان کو میں نے معاف کردیا، بہرکیف ناظم صاحب رحمہ اللہ مارنے پرمصر رہے، اتنے میں مولانا اصغر علی نے کہا صبح ہم چلے جائیں گے، ناظم صاحب رحمہ اللہ نے کہا ٹھیک ہے، صبح تم دونوں چلے جانا اور جامعہ کی کتابیں مولانا عبدالحنان صاحب فیضی کے پاس جمع کردینا، صبح کتاب لے کر گئے تو استاذ محترم رحمہ اللہ نے کہا کتابیں مت جمع کرو، یہیں رکھ دو اور تم دونوں اپنا سامان لے کر ناظم صاحب کے سامنے سے جاؤ ہم دونوں نے ایسا ہی کیا۔

ناظم صاحب رحمہ اللہ دیکھتے رہے، ہم لوگ ابھی بارڈر تک پہنچے تھے کہ جناب بھیکو اللہ صاحب نے آواز دی اے طلبہ بھیا چلے آؤ ناظم صاحب بلارہے ہیں، ہم لوگ پھر حاضر ہوئے سلام کیا ناظم صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا اب کیوں سلام کرتے ہو جارہے تھے تو سلام نہیں کیا، اچھا تم دونوں ایک معافی نامہ لکھو کہ اب ایسی حرکت آئندہ نہیں ہوگی اور جاؤ کتاب لے کر کلاس میں حاضر ہوجاؤ، جب ہم لوگ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے کمرے میں پہنچے تھے آپ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی آپ نے فرمایا اسی لئے میں نے کتاب نہیں جمع کی تھی کہ تم لوگوں کو ناظم صاحب ابھی بلاکر پڑھنے کی اجازت دے دیں گے، آپ کی حکمت آمیز باتیں بڑے کام کی تھیں اور آپ طلبہ کے لئے انتہائی شفیق ومہربان تھے، جب ہم لوگ پڑھتے تھے اس وقت جامعہ میں پانچوں وقت نماز کی حاضری ہوتی تھی جو تین نمازوں میں غائب رہتا اس کا ایک وقت کا کھانا بحکم ناظم صاحب رحمہ اللہ بند کردیا جاتا تھا یا پھر اس کے عوض 6 ر چھڑی کھانی پڑتی تھی، مجھے یاد آتا ہے کہ ایک صاحب جناب بیت اللہ تھے جو ہمارے ہم کلاس تھے، انھوں نے مار کھانے کو ترجیح دی، جب حضرت استاد کے پاس آئے تو آپ نے کہا ہاتھ پھیلاؤ جب ایک چھڑی لگی تو وہ بہت زور سے ڈھونگ بناکر چلائے، استاد محترم رحمہ اللہ نے ان کو پھر معاف کردیا، اتنے مشفق استاد خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

آپ کا شمار مقبول ترین ہستیوں میں ہوتا تھا، زہد وورع آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی، آپ کی مقبولیت

کا ایک سبب حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی طلبہ سے شفقت اور آپ کا بہترین انداز تدریس تھا، آپ کا طرز تکلم، روزمرہ کی سادہ زبان اور مزاج کی سنجیدگی اور شگفتگی مل کر ایک نئے لب ولہجہ کو جنم دیتی تھی، خاموشی میں پہاڑ کا سا سکوت اور گفتگو میں دریا کی سی روانی، خوش گفتار ایسے کہ بات کرنے میں منہ سے پھول جھڑتے، سننے والے دھیان کا دامن پھیلا کر انمول پھولوں سے اپنے من کی جھولیاں بھر لیتے، تحمل وبردباری آپ کا طرۂ امتیاز تھا ایسی ہمہ جہت علمی وتحقیقی شخصیت پر کچھ لکھنا چھوٹا منھ بڑی بات ہوگی، یا یوں کہیے سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہوگا۔

آپ کی شاگردی کا شرف میرے لئے بہت کافی ہے اور اس پر بجا طور پر مجھے خوشی ہے کہ میں ایسی شخصیت کا شاگرد ہوں اور آپ کی درس گاہ میں کئی سال زانوئے تلمذ تہہ کیا، آپ کے شاگرد ہم جیسے ہزاروں سے زیادہ تعداد میں ہیں، جملہ شاگردان آپ کے لئے ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ اور آپ کے باقیات الصالحات میں سے ہیں، آپ جب تک بقید حیات رہے علم کی روشنی پھیلاتے رہے، بعدازاں بھی آپ کو یاد کیا جاتا رہے گا، ان شاء اللہ بقول شخصے ؎

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

آپ رحمہ اللہ کی زندگی سادگی سے عبارت تھی، اگر کوئی دیہاتی ملنے آتا تو آپ اس سے اسی کے لب ولہجہ میں گفتگو فرماتے، علمی تفوق وبرتری نہیں جتاتے تھے وہ بھی آپ کی باتوں کو خوب ڈھنگ سے سمجھ لیتا تھا، ایسا نہیں کہ بات اس کے سر کے اوپر سے گزر جائے یا باؤنس ہو جائے، کبھی کبھی ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ پڑھے لکھے لوگ گنوار دیہاتی سے بھی اردو میں ایسی گفتگو کرتے ہیں کہ بے چارہ سر ہلا کر رہ جاتا ہے وہ اپنی لاعلمی بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا، بقول غالب ؎

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

چونکہ ایسا کرنے میں وہ اپنی کسر شان سمجھتا ہے، اس وجہ سے ہاں، ہوں کیا اور چل دیا بایں وجوہ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت زندہ تھی اور لوگ آپ کو انتہائی محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کے قدردان بھی تھے **موت العالم موت العالم** کا منظر وسماں آپ کی وفات پر نظر آ رہا تھا، میرے صاحبزادے سلمان سعید کے موبائل پر میسیج آیا کہ مولانا عبدالحنان فیضی مفتی جامعہ کا انتقال ہو گیا، لڑکے نے کہا بابا کا انتقال ہو گیا، میں نے کہا کس کا؟ کہا جامعہ کے بابا کا میری زبان پر صرف **انا للہ وانا الیہ راجعون** کے کلمات ادا ہوئے اور حسرت و یاس کی تصویر بن گیا، مجھے آج تک افسوس ہے کہ اپنی بیماری ومجبوری کی وجہ سے آپ کے جنازہ میں شامل نہ ہو سکا، **العذر عند کرام الناس مقبول** ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اللہ آپ کی مغفرت فرمائے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین یارب العالمین اور آپ کے خلف الرشید حضرت مولانا عبدالمنان صاحب سلفی حفظہ اللہ کو آپ کا سچا جانشین بنائے۔ (آمین)

۞۞۞

مولانا سلیم ساجد مدنی
ریاض، سعودی عرب

ہائے! پھر علم وادب کا ایک ستارہ چھپ گیا

۳؍فروری ۲۰۱۷ء بروز جمعہ عالم ربانی، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر نیپال کے مفتی، شیخ الحدیث، محقق وخطیب، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی وفات پر ملال کی خبر سن کر میرے پاؤں لڑکھڑا گئے، دینی حلقوں میں زلزلہ طاری ہو گیا، حزن وملال کے بادل چھا گئے، آنکھیں اشک بار ہو گئیں، ہند کے مطلع پر طلوع ہونے والا روشن ستارہ ۸۵؍سال عالم اسلام کے افق پر چمک کر نیپال کے بادل میں اب سدا کے لیے روپوش ہو گیا، عالم اسلام کی ایک مایہ ناز اور ستودہ صفات کی حامل، ہر دل عزیز شخصیت علمی دنیا کو سوگوار چھوڑ گئی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مادر علمی جامعہ سراج العلوم السّلفیہ میں زمانۂ طالب علمی کے دوران ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک مجھے شیخ کی شاگردی کا شرف حاصل رہا، پھر ۱۹۹۷ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ سے فراغت کے بعد جب مجھے مفکر ملت استاد گرامی مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ادارت میں مرکز التوحید کے پلیٹ فارم سے شائع ہونے والا مایہ ناز مجلّہ ''نور توحید'' کا نائب ایڈیٹر اور مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کے تعلیمی امور کا نگراں مقرر کیا گیا تو دوبارہ مفتی رحمہ اللہ سے تقریباً تین سالوں تک مجھے استفادہ کا موقع ملا۔ آپ رحمہ اللہ بے حد خلیق، ملنسار، ہر دل عزیز اور باوقار عالم دین تھے، سنجیدگی، متانت، خوش کلامی، تواضع وانکساری آپ کی فطرت تھی، آپ کتاب وسنت کے پکے شیدائی اور عالم باعمل تھے، چھوٹے بڑے سب آپ کا حد درجہ احترام کرتے تھے، آپ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، بحث وتحقیق، نقد وتبصرہ اور افتاء جیسے مختلف علوم وفنون کا بحر ذخار تھے۔

علم وفن کی دنیا میں آپ کی قابل تحسین اور غیر معمولی خدمات کے پیش نظر ہند ونیپال کے کئی دینی اداروں نے آپ کو علمی اور اعزازی ایوارڈ سے نوازا، آپ کی اعلیٰ شخصیت کا اس بات سے بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''چمنستان حدیث'' میں برصغیر کے جلیل القدر علمائے اہل حدیث کی فہرست میں آپ کو خصوصی مقام بخشا ہے اور کئی صفحات میں آپ کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

ہند ونیپال میں تقریباً ساٹھ سالہ تدریسی خدمات کے دوران آپ رحمہ اللہ نے دین کے ہزاروں شہسوار تیار کیے، کتنے شاگرد علم وفن کے میدان میں ڈاکٹر بن گئے، ان کے لائق وفائق تلامذہ ملک وبیرون ملک دین کی نشر واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں اور آپ رحمہ اللہ کے فیض کو عام کر رہے ہیں۔

فیضی رحمہ اللہ کے علم وادب سے فیض یاب ہونے والوں میں خود ان کے نور نظر، لخت جگر شیخ عبدالمنان سلفی؍حفظہ اللہ ہیں، جن کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، جامعہ سراج العلوم کے ریکٹر بھی ہیں اور ماہنامہ ''السراج'' کے ایڈیٹر بھی، کامیاب مدرس بھی ہیں اور بے باک خطیب بھی، دور اندیش صحافی بھی ہیں اور دانشور ادیب بھی۔

میں عالم اسلام اور جماعت اہل حدیث کو پیش آنے والی اس مصیبت میں شریک غم ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ شیخ رحمہ اللہ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے، پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے اور جماعت اہل حدیث کو ان کا نعم البدل اور خلف الرشید عطا فرمائے۔ آمین

۞۞۞

مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی
استاد حدیث وعقیدہ، جامعہ عالیہ عربیہ، مئو

مفتی ومحدث علامہ عبدالحنان فیضی کی حیات کے تابناک نقوش

ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اس قانون فطرت کے مطابق کسی بھی نفر کو موت سے مفر نہیں ،تقریباً چھ ماہ قبل میرے مشفق استاذ شیخ الحدیث ومفتی جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نے تعلیمی ودعوتی میدانِ عمل میں پورے طور پر سرگرم رہ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، فإنا لله وإنا اليه راجعون، لله ما أعطى وله ما أخذ وكل شيئ عنده بأجل مسمى.

حضرۃ العلام جامعہ سلفیہ بنارس میں میرے استاذ رہے، جن سے کافی علمی وتربیتی استفادہ کا مجھے موقع ملا، ان کی زندگی کے چند درخشاں نقوش پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، یہ میرا فرض بھی ہے اور ان کا علمی قرض بھی۔

ریاست اتر پردیش کو برصغیر ہندوپاک کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، تقسیم ملک کے بعد بھی اس صوبہ نے اپنی اہمیت وعظمت کو برقرار رکھا، آبادی، رقبہ، تہذیبی ومذہبی مراکز، دینی مکاتب ومدارس، دارالعلوم اور یونیورسیٹیوں کے اعتبار سے اسے انفرادیت حاصل ہے، ریاست کے کچھ اضلاع مسلک اہل حدیث، عقیدۂ توحید اور اتباع کتاب وسنت کا مرکز رہے ہیں اور مسلکی حمیت وغیرت اور ایثار وقربانی میں انہیں امتیاز حاصل رہا ہے۔ مدارس ومکاتب اور افراد اہل حدیث کے اعتبار سے اضلاع بستی وگونڈہ، سدھارتھ نگر کو جو شہرت حاصل رہی ہے وہ مخفی نہیں، یہاں تحریک شہیدین کے اثرات اور اعیان علمائے اہل حدیث کے اصلاحی، تعلیمی اور تربیتی کارناموں کے روشن نقوش ہر جگہ نظر آتے ہیں، مزید برآں اس علاقہ کو ملک کے اساطین حق کی عنایات حاصل رہی ہیں، اس طرح ان اضلاع میں تحریک سلفیت کو کافی عروج حاصل ہوا یہاں تک کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا سالانہ جلسہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ نومبر ۱۹۶۱ء میں سرزمین نوگڑھ پر منعقد ہوا جس نے ملت کی تقدیر بدل دی اور تین کروڑ افرادِ اہل حدیث کو نئی زندگی اور بیداری کا پیغام ملا اور ان اضلاع میں بہت سے دینی مکاتب ومدارس قائم ہوئے جس کی نظیر کسی دوسرے صوبہ میں ملنی مشکل ہے اور سب سے بڑھ کر اس کانفرنس کے ذریعہ جماعت اہل حدیث کے ایک مرکزی دارالعلوم (جامعہ سلفیہ) کے قیام کے ذریعہ جماعت کے اسلاف کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، اسی ضلع سدھارتھ نگر کی معروف ومشہور مسلم اکثریتی بستی انتری بازار کے ایک دیندار گھرانے میں ہمارے استاذ شیخ المشائخ مولانا عبدالحنان فیضی پیدا ہوئے جو تحصیل شہرت گڑھ سے مغرب کی جانب ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور انہوں نے مختلف مدارس سے کسب فیض کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر کو اپنی دعوتی وتعلیمی جولان گاہ بنایا۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ کی چار سالہ مدتِ تدریس کے دوران مجھے بھی وہاں آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، آپ نے ہمیں جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، قطبی واصول الشاشی جیسی اہم کتب پڑھائیں، جامعہ سلفیہ بنارس میں چار سالہ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۷۸ء میں دوبارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں جب آپ کی تقرری ہوئی تو

یہاں دورۂ حدیث کا قیام عمل میں آیا اور آپ کو خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ نے شیخ الحدیث منتخب کیا، چنانچہ اس وقت سے لے کر تادم زیست ۳۸ سال آپ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ میں مسلسل صحیح بخاری کا درس دیتے رہے ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

استاذ محترم کی پوری زندگی درس وتدریس ،دعوت وتبلیغ میں گزری ہے۔آپ کی تدریسی زندگی پچاس سال سے زائد طویل مدت پر مشتمل ہے۔ اس مدت میں آپ درس نظامیہ کی متداول تقریباً تمام کتابیں پڑھا چکے ہیں تاہم خاص طور پر آپ کو علم حدیث سے زیادہ شغف رہا، چنانچہ آپ نے صحیح بخاری وصحیح مسلم کے علاوہ بلوغ المرام، مشکوٰۃ المصابیح ،سنن ترمذی، سنن ابوداؤد کے دروس دیے ہیں۔آغاز تدریس سے آپ کا یہ معمول رہا ہے کہ آپ ہر کتاب کا بھرپور مطالعہ کرکے درس دیتے تھے، بغیر مطالعہ اور تیاری کے درس دینا معیوب سمجھتے تھے حتیٰ کہ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے کے باوجود بلا مطالعہ اور تیاری کے کوئی کتاب نہیں پڑھاتے تھے جب کہ بعض کتابیں ۲۰ مرتبہ سے زائد مسلسل پڑھا چکے تھے، یہاں تک کہ اگر کبھی کسی وجہ سے مطالعہ نہ کرپاتے تو ان پر عجیب اضطرابی کیفیت طاری ہوتی، جامعہ سلفیہ بنارس میں دوران تدریس میرا مشاہدہ ہے کہ ایک دن جامعہ میں بجلی چلی گئی اور اندھیرا ہوگیا، آپ نیچے آئے اور بار بار کہتے رہے کہ بجلی نہیں ہے مطالعہ کیسے کروں گا اور کل کا درس بغیر تیاری کے کس طرح دوں گا؟ عموماً نماز مغرب سے عشاء کے وقت تک کتابوں کا مطالعہ کرنے میں گزارتے تھے، پھر پوری دل جمعی کے ساتھ آپ درس دیتے تھے، طریقۂ تدریس افہام وتفہیم سے معمور ہوتا۔ اور دوران درس اگر کوئی طالب علم اعتراض کرتا تو اس کا تسلی بخش جواب دیتے جب کہ وہیں کے بعض اساتذہ طلبہ کے اعتراض کرنے پر چیں بہ جبیں ہوتے تھے،آپ کتاب کو اس کے فن کے لحاظ سے پڑھاتے تھے اور اس طرح درس دیتے کہ طلبہ کو کتاب کے سمجھنے میں کوئی اشکال لاحق نہ ہوتا تھا، خاص طور پر کتب حدیث کی تدریس میں ترجمہ حدیث، رواۃ کی وضاحت اور فقہی مسائل پر بھرپور گفتگو کرتے اور راجح مسئلہ کو مدلل بیان کرتے تھے، اس کے علاوہ منطق اور عربی ادب کی کتابوں کی تدریس بڑے دل نشیں انداز میں انجام دیتے تھے اور مشکل سے مشکل کتاب کو سہل بنا کر طلبہ کو یاد کرادیتے تھے ،درس دیتے وقت آپ درس گاہ میں وقت کی پابندی کا بڑا لحاظ رکھتے،گھنٹی لگتے ہی درس گاہ میں تشریف لاتے اور گھنٹی کا وقت ختم ہوتے ہی درس بند کردیتے یہ آپ کا برابر معمول رہا۔

میرے علم کے مطابق آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی البتہ مقالات اور کتابوں پر تقریظات اور پیش لفظ کی صورت میں آپ کی سلیس اور دل نشیں تحریر کے نمونے موجود ہیں آپ نے اپنے استاذ محترم خطیب الاسلام کی حیات وخدمات کے موضوع پر ۱۱ صفحات پر مشتمل ایک گراں قدر مقالہ تیار کیا جو ماہنامہ سراج کے خطیب الاسلام نمبر میں شائع ہوا، اس کو دیکھ کر آپ کے زورِ قلم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور آپ کو تحریر وکتابت کی تحریک وترغیب اپنے استاذ خطیب الاسلام سے ملی جس کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ''مقام شکر'' ہے کہ موصوف (خطیب الاسلام) نے مجھ سے بھی بار بار لکھنے پڑھنے کا کام لیا یہ محض ان کی کرم فرمائی ہے کہ انہیں کی رہنمائی سے میں کچھ لکھنے کے قابل ہوا۔استاذ موصوف نے اپنی دو تصانیف پر مجھے مقدمہ لکھنے کا حکم دیا، پہلی تصنیف ایک مختصر رسالہ کی شکل میں ہے جس کا نام ''عاملین بالحدیث کا پہلا مقدس گروہ'' ہے، دوسرا مقدمہ مایۂ ناز تصنیف ''ایمان وعمل'' پر تحریر کیا۔ میں اسے اپنی انتہائی خوش قسمتی وخوش بختی تصور کرتا ہوں''۔

(مجلّہ السراج خطیب الاسلام نمبر ص ۱۹۷)

استاذ محترم نے اپنے استاذ کے حکم پر کتاب ''ایمان وعمل'' پر ۸ صفحات پر مشتمل ایک وقیع مختصر مگر جامع ومانع مدلل مقدمہ تحریر کیا ہے، آپ کی زبان صاف ستھری پیاری ہے، قلم میں سلاست وسادگی وروانی اس قدر ہے کہ تکلف وتصنع کا احساس نہیں ہوتا۔ مقدمہ کے آغاز میں آپ نے مؤلف کے جداگانہ اوصاف کا ذکر جمیل اور مختصر تعارف پیش کرنے کے بعد ان کی علمی وتحقیقی کدوکاوش کا بصد خلوص اعتراف کیا ہے اور ''ایمان وعمل'' کی نمایاں خصوصیات کی نقاب کشائی مختصر انداز میں کی ہے، شیخ الحدیث فیضی رحمہ اللہ نے حقیقی اور رسمی ایمان کے فرق کو دل نشیں انداز سے مثالوں کے ذریعہ واشگاف کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ''عقیدہ اسلام زندگی کی بنیاد ہے، بنیاد جتنی گہری اور مضبوط ہوگی اسلامی عمارت اتنی مستحکم اور ٹھوس ہوگی، جس طرح بنیاد کے بغیر کوئی عمارت قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح عقیدہ کے بغیر اسلامی زندگی کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ عقیدہ دین حنیف کی اولین اساس ہے اس کو ایمانیات میں وہی حیثیت حاصل ہے جو اعضائے انسانی میں سر کو اور درخت میں تنے کو حاصل ہے''۔ بہر حال یہ مقدمہ آپ کی شگفتہ شاہکار تحریر کا نمونہ ہے۔

استاذ محترم نہایت سادہ زندگی گزارتے تھے، فطری طور پر نہایت سادہ لوح، سیدھے سادے تھے، تصنع وتکلف سے دور تھے، ظاہری شان وشوکت اور نمائش کو کبھی اہمیت نہ دی، تواضع وفروتنی، توکل وقناعت، حسن اخلاق، حلم وبردباری، صبر ورضا، آپ کی زندگی کا وطیرہ رہا، کبھی خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہ کی، اختلاف وانتشار سے دور، اتحاد کے زبردست داعی تھے، اہل علم کی قدر کرتے تھے اور ان کے حسب مراتب ان کی تکریم کرتے تھے، کتاب وسنت پر سختی سے عمل کرتے تھے اور خلافِ شرع کسی کام کو انگیز نہیں کرتے تھے۔

ہزاروں سوگواروں نے باچشم نم نماز جنازہ پڑھی اور اس عبقری شخصیت کو سپرد خاک کیا، آپ کی وفات پر ہندونیپال کی سربرآوردہ علمی شخصیات نے اپنے قلبی تاثرات پیش کیے اور مولانا کی رحلت کو ہندونیپال کے تمام علمی حلقوں کے لیے ایک عظیم حادثۂ فاجعہ اور ناقابل تلافی نقصان سے تعبیر کیا، آپ کی وفات پر آپ کے ہم سبق جناب مولانا مظہر احسن ازہری ناظم جامعہ عالیہ عربیہ مئو نے اپنے قلبی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو شجر سایہ دار کے مانند اپنا فیض ہر خاص وعام کو پہنچاتی رہتی ہیں اور ان کی زندگی میں ان کی حیثیت سے کما حقہ آگاہی نہیں ہو پاتی مگر جب وہ اپنی حیات مستعار کے ایام مکمل کرکے آخرت کے لیے رخت سفر باندھتی ہیں تو ان کے حقیقی مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا مفتی شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی صاحب کی شخصیت بھی ان ہی میں سے ایک تھی، جنہوں نے اپنی بے پناہ ذہانت، علمی وسعت، تقویٰ وطہارت، سادگی وشرافت، خلوص وللہیت اور داعیانہ صفات کے سبب علمی دنیا میں وقار واعتبار حاصل کیا، آپ کی وفات سے ملت اسلامیہ ہندونیپال ایک عالم ربانی سے محروم ہوگئی اللہ رب العالمین آپ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور جنت الفردوس کا مستحق بنائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے''۔ (آمین)

اللہ رب العزت سے میری دعا ہے کہ استاذ محترم کی جملہ تدریسی ودعوتی وجماعتی خدمات کو قبول فرمائے ان کے صالح اعمال کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی لغزشوں کو درگزر فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ دے اللّٰھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وتعمده بواسع رحمتك وادخله فسيح جناتك واكرم نزله ووسع مدخله (آمین)

❁❁❁

مولانا احسان اللہ رحمانیؔ
استاد کلیہ عائشہ صدیقہ جھنڈانگر

گلشن ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات

غالباً 63-62ء کی بات ہے، جب ناچیز جامعہ رحمانیہ بنارس میں زیر تعلیم تھا تو ان دنوں مفتی جامعہ وشیخ الحدیث مولانا عبدالحنان صاحب فیضیؔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس میں مسند درس پر فائز تھے، چھٹی کے ایام میں بالخصوص جمعہ کے دن میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ مولانا سے ملنے جایا کرتا تھا، ہم سبھوں کی ملاقات سے مولانا بہت خوش ہوا کرتے تھے اور تعلیم کے سلسلے میں اپنے مفید مشوروں اور گراں قدر نصیحتوں سے ازراہ محبت نوازتے تھے، خوب محنت سے پڑھنے، مطالعہ کرنے، غلط صحبتوں سے دور رہنے وغیرہ کی تلقین فرماتے تھے، اسی وقت سے ہمارے تعلقات مولانا سے استوار ہوئے اور آپ کی قدر ومنزلت ہمارے دلوں میں بیٹھ گئی، ہمیشہ ادب واحترام سے ہم پیش آتے رہے۔

جامعہ سراج العلوم السّلفیہ میں خطیب الاسلام حضرت العلام مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانیؔ جھنڈانگری رحمہ اللہ کی طلب پر 1979ء میں جب کچھ تحریری وقدرے تدریسی کاموں کے لیے میری حاضری ہوئی اور تقرری کی بات آئی تو مولانا مرحوم نے میری بھرپور تائید وموافقت فرمائی، مشاہرہ جب طے ہونے لگا تو ڈھائی سو اور تین سو میں معاملہ پھنس گیا، میں 300ر پر بضد رہا، مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحنان صاحب ان کو برآمدہ میں لے جاکر سمجھائیے، میں دفتر سے باہر آیا تو مولانا نے اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ بڑے ہی شفقت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ مولانا ناظم صاحب کی بات تسلیم کرلیجیے، یہ مرکزی جگہ ہے، اچھے اچھے علماء کی صحبت میں رہیں گے، علمی ترقی کے ساتھ ساتھ ان شاء اللہ مستقبل میں مولانا کی ذات عالی سے مادی فائدہ بھی ہوگا، محنت وخلوص سے کام کریں گے تو حسب وعدہ تین سو مشاہرہ ہوجائے گا، چنانچہ میں راضی ہوگیا اور مولانا کی بات کو بسر وچشم قبول کرلیا، میری تقرری ہوگئی۔

بالآخر اللہ عزوجل نے مولانا کی دعاؤں اور ان کی مخلصانہ نصیحتوں سے اچھا مقام عطا کیا، خوب محنت سے محترم ناظم صاحب رحمہ اللہ کے پاس تحریری کام کرنے لگا میری محنت اور عمدہ کارکردگی سے خوش ہوکر کچھ ماہ بعد نہ صرف یہ کہ حسب وعدہ تنخواہ میں اضافہ فرمایا بلکہ 1982ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے میرا تعاقد بھی کرادیا، فجزاہ اللہ أحسن الجزاء وجعل الجنة مثواہ۔

تقریباً 16-15 رسالہ جامعہ میں قیام کے دوران مولانا عبدالحنان صاحب مفتی جامعہ کی علمی صحبت برابر حاصل رہی، ماشاءاللہ بڑی شفقت ومحبت اور جذبہ خیرخواہی سے پیش آتے رہے، اور دعاؤں سے نوازتے رہے، ان سے کبھی کبھار مسئلہ ومسائل میں ہم علمی استفادہ بھی کرتے رہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

جب خطیب الاسلام مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ

صاحبِ فراش ہوگئے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے بالکل ہی معذور ہوگئے تو 1994ء میں مجھے یہ کہہ کر کلیہ عائشہ صدیقہ میں منتقل کر دیا کہ وہاں ایک باصلاحیت، کہنہ مشق، معمر سنجیدہ مزاج استاد کی ضرورت ہے اب آپ وہاں چلے جایئے اور درس وتدریس کا کام کیجیے، چنانچہ میں کلیہ چلا آیا اور اب تک تدریسی امور پر مامور ہوں، صحیح بخاری، عربی ادب، فرائض ونحو وغیرہ کا خوب محنت سے درس دیتا ہوں **فالحمدلله علیٰ ذلک**۔

خوش قسمتی کی بات ہے کہ مفتی صاحب سے طالباتِ کلیہ کو بھی درس لینے اور اپنی علمی تشنگی بجھانے کا موقع ملا، انھیں صحیح بخاری وتفسیر پڑھانے کے لیے دو گھنٹیوں کا مکلّف بنا دیا گیا تھا، ان کو کلیہ کی جانب سے رکشہ سے لایا اور لے جایا جاتا تھا، اس طرح یہاں کی طالبات بھی ان کے علمی گہر سے اپنے دامنِ مراد کو پُر کرتی رہیں، برسوں آپ یہاں تعلیم دیتے رہے، لیکن جب آپ کی صحت جواب دینے لگی تو ضعف وپیرانہ سالی ودیگر عوارض کی بنا پر پڑھانے سے معذرت کر دی، اس زمانے میں بھی مولانا کی علمی صحبت ہمیں حاصل رہی اور ان سے استفادہ کا خوب موقع ملا۔

ماشاء اللہ مفتی صاحب کو اپنی عمدہ صلاحیت وقابلیت کی بنا پر جماعت کے مرکزی ادارہ ''مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس'' میں بھی ایک باوقار مدرس کی حیثیت سے پڑھانے کا شرف حاصل ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

طریقۂ تدریس:- آپ کا طریقۂ تدریس بہت عمدہ ودل پذیر ودلنشیں اور موثر ہوتا تھا، بہت گہرائی وگیرائی اور وسیع مطالعہ کے ساتھ پڑھاتے تھے، آواز بہت شریں اور لحن کے ساتھ ہوا کرتی تھی، مباحث کے تمام مالہ وماعلیہ پر بحث کرتے ہوئے مختلف فیہ مسائل کو بڑے ہی اچھے انداز میں ذکر کرتے تھے، پھر دلائل کی روشنی میں راجح اقوال کو واضح فرما دیا کرتے تھے، جو طلبہ وطالبات اور تلامذہ کے ذہن نشین ہو جاتے تھے، افہام وتفہیم کا بڑا اچھا ملکہ تھا، بلاشبہ آپ ایک کہنہ مشق مدرس اور میدان تدریس کے ماہر شہسوار تھے۔

طریقۂ افتاء:- آپ چونکہ قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھتے تھے، اس لیے آپ کے فتاوے کتاب وسنت کے دلائل وبراہین سے مزین اور مستند احادیث، صحابہ کرام کے اقوال وآثار اور عقیدۂ سلف کی روشنی میں ہوتے تھے، مستفتی کو آپ کے جامع، شافی وکافی جواب سے کلی اطمینان ہو جاتا تھا، قرب وجوار کے اکثر لوگ تحریری کے علاوہ زبانی بھی فتویٰ پوچھتے اور فائدہ اٹھاتے رہے، ضرورت ہے کہ آپ کے فتاویٰ کو یکجا کر کے افادۂ عام کے لیے کتابی شکل دے دی جائے واللہ الموفق۔

دعوتی امور سے بھی آپ کو دلچسپی تھی گاہے گاہے جمعہ کے خطیب بھی رہے اور دینی اجلاس کے صدر بھی، آپ کے خطبات وخطابات قرآن واحادیث کی روشنی میں بہت عبرت آموز ومؤثر ہوتے تھے۔

رب دو جہاں ان کے علمی ودعوتی اور تدریسی خدمات کو قبول فرما کر ان کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے اور بہتر صلہ مرحمت فرمائے۔(آمین)

اخلاق وعادات:- آپ حسن اخلاق کے پیکر، زہد وورع کے مالک تھے، لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، حرص وطمع اور تکلف وتصنع سے دور رہ کر سادگی کے ساتھ زندگی گزارتے رہے، جاہ وحشم اور شہرت

کے طالب نہ تھے، نہایت منکسر المزاج ،ملنسار، متواضع اور سیدھے سادے تھے، علمی وقار آپ کے روشن چہرہ سے ظاہر تھا جوبھی ملتا خوشی کا اظہار کرتا اور آپ کی ذاتِ پُر وقار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

بیماری کے آخری ایام میں جب آپ صاحبِ فراش ہوگئے تھے، کبھی کبھار ملنے اورعیادت کے لیے میں جب حاضرِ خدمت ہوتا تو بہت خوش ہوتے، آبدیدہ ہوکر دعاؤں کی درخواست کرتے، میں تسلی دیتا، دعائیں کرتا اور خود بھی دعاؤں کی درخواست کرتا۔

بالآخر قضاوقدر کے مطابق آپ ۳؍فروری ۲۰۱۷ء کو اللہ کے پیارے ہوگئے اور علم وعمل کا یہ درخشندہ آفتاب وماہتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا فإنا للہ وإنا الیہ راجعون، جوملت اسلامیہ اور جماعت کے لیے بہت بڑا علمی خسارہ ہے۔

دعاہے کہ اللہ سبحانہ ان کے خلف الصدق فرزند مولانا عبدالمنان صاحب سلفی ریکٹر جامعہ سراج العلوم اوران کے جملہ اہل خانہ وخاندان اوراحفاد ومتعلقین کوصبرجمیل کی توفیق عطافرمائے،ان کے بشری لغزشات کودرگذر فرما کر جنت الفردوس میں بلند درجات سے ہمکنار فرمائے اور جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا کرے اور ہرطرح سے ان پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔

ان کودے آغوش رحمت میں جگہ پروردگار
ان کی تربت پر ہو بارش رحمتوں کی بے شمار

اللھم اغفرلہ وارحمہ وصلی اللہ علی نبینامحمد وبارک وسلم.

۞۞۞

دادا جان مفتی عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ علم وعمل کے پیکر، کتاب وسنت کے داعی وعلمبردار،نمونۂ سلف بزرگ عالم دین تھے، تقوی وطہارت صدق وصفا اور خلوص وللّٰہیت سے مزین، بے ضرر، لوگوں کے لئے ناصح وخیرخواہ اورمعاملات میں بہت صاف تھے،مسکرا کر ملنا چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی توقیر آپ کا شعار تھا۔

مادہ پرستی اور خودغرضی کے اس دور میں جہاں دنیاطلبی ریاونمود، تصنع وتکبر اور بغض وحسد سے بڑے بڑے لوگ حتی کہ بہت سے اصحاب جبہ و دستار اپنے آپ کو دورنہیں رکھ پاتے ایسے میں آپ نے علم وفضل میں برتری اور ایک علمی ودینی خاندان کے چشم وچراغ ہونے کے باوجودان رذائل سے زندگی بھر اپنے دامن کو بچا کر رکھا۔تبھی تو گاوں اور قرب وجوار کے لوگ حتی کہ غیرمسلم بھی آپ کے احترام میں بچھ جاتے، آپ سے مصافحہ کو باعث شرف سمجھتے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اورآپ کے والدمحترم اورآپ کے فرزندارجمند میرے محسن اور خسرمکرم مولانا عبد المنان سلفی کی علمی ودعوتی شخصیتوں سے ہمارے گاوں انتری بازار ہی نہیں بلکہ پورے علاقے کو ایک وقار حاصل ہوا ہے اورانہیں کے علمی رعب وجلال کی وجہ سے گاوں میں موجود کچھ شریروفتنہ پرورلوگوں کوسر اٹھانے کا اب تک موقعہ نہیں ملا۔أعاذنا الله من شرورهم.

مفتی صاحب کی شخصیت کی چھاپ میرے ذہن میں ان کے علمی تبحر سے بڑھ کر ایک صاحب زہدوورع، ولی اللہ صفت بزرگ کی ہے، اللہ ان کی تمام بشری لغزشوں کو معاف فرمادے اورتمام دینی ودعوتی خدمات کوشرف قبولیت عطا فرما کر جنت الفردوس کا مکیں بنادے آمین۔

(حافظ عبدالوحید عبدالرشید سلفی، انتری بازار)

۞۞۞

مولانا شفیع اللہ عبدالحکیم مدنی
استاد جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر

آہ! میرے مشفق ومربی نہ رہے

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں لیکن علمائے ربانی کی وفات امت کے لئے کسی بڑے صدمہ سے کم نہیں، اہل علم کی موت سے ایک عالم اداس ہوتا ہے اور کسی نے کہا ہے ''موت العالِم موت العالَم۔''

علماء کی موت علوم ومعارف کی موت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''أتدرون ماذهب العلم؟قلنا لا،قال ذهاب العلماء'' جانتے ہو علم کا اٹھ جانا کیا ہے؟ شاگردوں نے کہا ہم نہیں جانتے تو فرمانے لگے علماء کی موت علم کی موت ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو حضرت ابن عباس فرمانے لگے، ''لقد زمن اليوم علم كثير'' آج علم کا ایک باب ختم ہوگیا، اسی لئے نبی پاک ﷺ کا ارشادگرامی ہے ''إن الله لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبقِ عالماً اتخذالناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغيرعلم فضلوا وأضلو''(بخاری کتاب العلم ، كيف يقبض العلم ،مسلم القدر، رفع العلم وقبضه)

اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں کے سینوں سے کھینچ لے، لیکن وہ علم کو علماء کی وفات کے ذریعہ سے اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پس ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور یوں خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

یہ مختصر سی حدیث نبوی اہل ایمان کے قلب ونظر کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے علمائے ربانیین کی وفات سے پیدا ہونے والا علمی خلا پُر ہونے کا نام نہیں لیتا بلکہ یکے بعد دیگرے سب اللہ کو پیارے ہوتے جارہے ہیں مگر ان کی جگہ لینے والا کوئی صاحب علم نظر نہیں آتا۔

اب ہمارے پاس ان کی یادیں ہیں، باتیں ہیں، تذکرے ہیں، ان کی تحریریں ہیں جن کے سہارے اپنے غموں کو اور دردوں کا درماں تلاش کرنے کی کوششیں ہیں۔

میں اپنے مشفق ومحسن مربی استادگرامی کے انتقال سے ایک روز قبل بیمار پرسی کے لئے گھر گیا مصافحہ کیا، آپ نے بڑی محبت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور حسب معمول دعا کی درخواست کی، دعا کیا اور کچھ دیر آپ کے پاس رہا، کیا خبر تھی کہ آپ سے میری ملاقات یہ آخری ہوگی، ایسا دیکھنے میں کچھ نہیں محسوس ہوا حسب معمول جمعرات کی شام گھر گیا، جمعہ

کا دن گزرارات میں تقریباً سوادس بجے جامعہ کے ذمہ داراور میرے محترم ماسٹرعبدالحسیب صاحب کا فون پہنچا، علیک سلیک کے بعد آپ نے انتقال کی خبر دی سنتے ہی دل بھر آیا، فوراً عزیزم مولانا وصی اللہ مدنی کے پاس فون کیا کہ ایسا معاملہ ہوگیا، جذبات بے قابو ہوگئے، نینداڑگئی، تقریباً ۲ رگھنٹے تک پریشان رہا اس کے بعد کب نیندآئی میں خود نہ جان سکا، اللہ اللہ کرکے صبح ہوگئی، جامعہ کی طرف روانہ ہوگئے، مجھے ذاتی طور سے آپ سے جوعقیدت،محبت اور دلی لگاؤ تھی اسے میں ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ہوں کیوں کہ مجھے جماعت ثالثہ ۱۹۷۸ء تا جماعت ثامنہ ۱۹۸۴ء آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اورآپ سے کافی استفادہ کرنے کا موقع ملا، آپ کا جب ہفتہ میں گھر آنا جانا ہوتا تھا تو اس وقت اکثر وبیشتر میں آپ کے ہمراہ ہوتا،فراغت کے بعد بھی بڑی قربت تھی۔

آپ سے بے حد متاثر تھا، آپ کا ادب واحترام میرے دل ودماغ میں رچا وبسا تھا،زمانہ طالب علمی سے تاحیات آپ بھی مجھے بڑی الفت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتے تھےاور برابر خیر خیریت معلوم کیا کرتے تھے، جب آپ معذور ہوگئے تو جامعہ کے اوپر برآمدہ میں تخت پر آکر بیٹھتے تھے، آپ سے ملاقات ہوتی تو یہی کہتے کہ بابومیرے لئے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے سکونِ قلب عطافرمائے اورارذل عمر سے بچائے اورخاتمہ اسلام پر ہو، آپ کبھی کسی قسم کی کوئی شکوہ شکایت زبان پرنہ لاتے تھے اوراپنے ملنے جلنے والے شاگردوں،عقیدت مندوں سے صرف دعا کی درخواست کرتے تھے۔

اب آپ ہمارے درمیان نہ رہے آپ کی وفات پر ہم اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں"**إن العين تدمع والقلب يحزن ولانقول إلّا مايرضى ربنا وإنا بفراقك لمحزونون**" آنکھیں اشک بار ہیں،دل غمگین ہے،ہم وہی کہتے ہیں جوہمارے رب کو پسند ہے اورہم آپ کی جدائی میں غمزدہ ہیں اورآپ کے لئے بطورتعزیت زبان رسالت مآب ﷺ سے نکلے ہوئے ان الفاظ سے زیادہ اورکیا پیش کرسکتے ہیں کہ"**إن لله ماأخذ وله مااعطى ولكل شئى اجل مسمى ولتصبر ولتحتسب**" اللہ تعالیٰ مرحوم کی لغزشیں معاف فرمائے اوران کی خدمات کوشرف قبولیت بخشے۔(آمین)

عالم اورخطیب تو بہت ہوا کرتے ہیں لیکن آپ جیسا خلیق،ملنسار، بُوئے محبت سے معطر،خلوص اوراپنائیت کا پیکر بہت کم ہوا کرتے ہیں، وہ اپنی خوش اخلاقی ،سادگی، شیریں گفتاری اورانداز دلربائی سے بہت جلد دل کی گہرائیوں میں گھر کرلیتے تھے، میں یہ چند سطور قلم بند کررہا ہوں، لگتا ایسا ہے کہ اپنی موہنی صورت اورشفقت ریز باتوں کے ساتھ میرے مشفق استاذ محترم ہمارے سامنے موجود ہیں۔

سچ یہ ہے کہ انسان کا سارا کمال اوراس کے سارے اعمال کا جمال دھرارہ جاتا ہے اگراس میں خوئے انسانیت نہ ہو،آپ خوئے انسانیت کا ایک خوش نما پیکر تھے، ایسا انسان مرنے کے بعد دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے اورتمام زبانیں اس کی ثناخوانی ودعاء میں مشغول رہتی ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ کے محبین ،معتقدین اورشاگردوں کی

ایک جم غفیر آپ کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھیں گے، کیونکہ آپ کی پوری زندگی درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، فتوی نویسی میں ہی گزری ہے، مجھے یہ کہنے اور لکھنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں کہ کتاب وسنت کا علم جو کچھ حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت اور آپ کے مخلصانہ دعاؤں کا اثر ہے جو آج میں اپنے اندر پا رہا ہوں۔

آپ بہت ہی خوبیوں اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، حلم وبردباری اور تواضع وانکساری آپ کی امتیازی صفت تھی، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی شخص آپ سے ملتا تو بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکتا تھا، آپ کی ذات بےلوث وبےضرر تھی اور ہر خاص وعام سے آپ نہایت ہی خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے خیریت معلوم کرتے۔

میرے والد محترم سے آپ کو بڑی محبت ولگاؤ تھی جب بھی ملتے والد محترم کا حال ضرور دریافت کرتے اور کہتے کہ جب گھر جائیں تو میرا اسلام عرض کریں، میرے والد محترم کی خوش نصیبی کہ دلی لگاؤ ہونے کی وجہ سے انتقال سے دو روز پہلے آ کر رات بھر رہ کر ملاقات کر کے جمعرات کے دن ساتھ میں گھر گئے اور ملنے کے بعد بڑی خوشی ومسرت کا اظہار کیا کہ ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا۔

میرے مرشد ومربی اور مشفق ومہربان استاد جلیل کی زبان بڑی صاف وستھری اور پیاری تھی آپ کی تحریر کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ قلم میں سلاست وسادگی اور روانی اس قدر کہ ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے پاک، ایسے ہی آپ بذات خود بڑے سادہ اور بہت ہی بے تکلف تھے، انداز بیاں بہت ہی سادہ تھا مگر دل نشیں اور اثر پذیر رہا کرتا تھا، وعظ ونصیحت بہت ہی پُرمغز، عالمانہ اور علمی مواد سے بھرپور ہوتی تھی، ہر بات انتہائی جرأت، بے باکی اور پورے اعتماد ووثوق کے ساتھ بیان کرتے تھے، آپ عام خطیبوں اور واعظوں کی طرح روایتی وسطحی واعظ وخطیب نہیں تھے جو عوامی مقبولیت اور سستی شہرت حاصل کرتے ہیں، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے میں ایک شاگرد کی حیثیت سے بہت ہی قریب سے واقف ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں اور میرا کہنا بجا ہوگا، ماشاءاللہ آپ اپنے فن درس وتدریس وافتاء اور میدان دعوت کے مردمجاہد تھے، جامعہ میں جب تک رہے اور صحت نے ساتھ دیا اس وقت تک جامع صحیح بخاری کا درس دیتے رہے، ہم لوگ آپ کی ہمت اور دلچسپی دیکھ کر عش عش کرتے تھے، کہ اس بیماری کی حالت میں بھی آپ ایک دن درس ناغہ نہیں کرتے ہیں، جب درس دینا شروع کرتے تو ایسا لگتا تھا کہ آپ کو کوئی بیماری نہیں، یہاں تک کہ محترم ناظم جامعہ کو پتہ چلا کہ آپ اس ضعف ونقاہت کے عالم میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں تو ازخود آپ نے پیشکش کیا کہ اب آپ آرام کریں اور آپ کو آرام کی ضرورت ہے مگر تادم حیات اپنا درس جاری رکھا جب حد درجہ معذور اور بےبس ہو گئے تب درس دینا بند کیا۔

آپ کی کتابیں اساتذہ کے مابین تقسیم ہو گئیں، آپ نے اپنی ایک کتاب تفسیر ابن کثیر (جماعت ثامنہ) میرے نام نامزد کیا اور بلا کر مجھ سے کہنے لگے کہ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب آپ پڑھائیں، میں نے شرح صدر کے ساتھ قبول کیا اور اللہ کا نام لے کر پڑھانا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیت سے نواز رکھا تھا، تفسیر، حدیث، عربی ادب، بلاغہ، فرائض کی مغلق وپیچیدہ عبارتوں کو سمجھنے حل کرنے اور فصیح ترجمہ وتفسیر پر پوری قدرت رکھتے تھے۔

آپ ۱۹۷۸ء میں دوبارہ جامعہ میں تشریف لائے اورتادم حیات جامعہ سے وابستہ رہ کرکسی نہ کسی صورت سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے، آپ پابند شریعت اور سچے متبع سنت تھے اور خلاف سنت کوئی بھی بات برداشت نہیں کرتے تھے، آپ کی تعلیم وتربیت کا انداز نرالا تھا، دوران درس خلاف شرع عمل اپنے شاگردوں میں دیکھتے بالخصوص اگرکوئی شاگرد داڑھی کاٹے ہوئے ہے یااس پراسترہ چلاہواہے توحددرجہ خفگی وناراضگی کا اظہار کرتے اور بڑے نرم لب ولہجہ میں کہتے کہ ایسا مت کرو یہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے، داڑھی رکھنا ایک مرد کی علامت ہے اور داڑھی کے فوائد پر روشنی ڈالتے، اسی طرح اگرکوئی طالب علم پائجامہ یالنگی ٹخنے سے نیچے پہنتا تو اسے بلاکرٹوکتے اور کہتے کہ یہ صحیح نہیں ہے، ٹخنے سے اوپر پہنا کرووغیرہ وغیرہ۔

آپ کی وفات سے جامعہ کا ایک اہم شعبہ دارالافتاء سونا ہوگیا، اس جگہ کوپُر کرنے کے لئے کوئی متبادل موجودنہیں، حقیقت ہے کہ ایسے علم وفضل اورزہد وورع اور سادگی وقناعت سے مزین شخص کا جدا ہوجانا پوری ملت وجماعت کے لئے ایک عظیم خسارہ ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں نظرنہیں آتی۔

میرے مشفق ومربی استاذ الاساتذہ کے اکلوتے فرزند ارجمند برادرمکرم جناب مولانا عبدالمنان صاحب سلفی رحفظہ اللہ وکیل الجامعہ، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر نیپال اورناظم جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کوبھی اللہ تعالیٰ نے بہت ہی صلاحیتوں اورخوبیوں سے نوازرکھاہے جامعہ کو اور پوری ملت اسلامیہ کوآپ کی ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں، آپ اپنے والد محترم کے جانشین اورنعم البدل ثابت ہوں گے اورآپ قوم وملت کے خسارے کی تلافی کی حتی الوسع سعی پیہم فرمائیں گے اورآپ اپنے والدمحترم کی تحریریں، اور فتاوے کوکتابی شکل میں شائع کرکے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کواجاگر کریں گے جوعلماء طلبہ، عوام وخواص سب کے لئے نفع بخش ثابت ہوگا ان شاءاللہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی قبرکواپنی بے شمار رحمتوں سے اور نورونزہت سے لبریز کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے نیز اللہ تعالیٰ ان کے اکلوتے لائق سپوت اورتمام اولادواحفاد وپسماندگان کوصبرجمیل عطافرمائے، آمین، یارب العالمین۔

اللھم أجرنا فی مصیبتنا واخلف لناخیرامنہ اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه۔

۞۞۞

مولانا عبداللطیف اثری
استاذ جامعہ عالیہ عربیہ، مئو

مفتی عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ
ایک باکمال مدرس وخوددار مربی

ضلع سدھارتھ نگر کا ایک قریہ انتری بازار اپنے علماء و صلحاء اور زہاد کی وجہ سے ہمیشہ توجہ کا مرکز رہا ہے اور ضلع بلرام پور و سدھارتھ نگر کا کوئی اہل حدیث عالم ایسا نہیں ہے، جو اس گاؤں کے نام سے ناواقف ہو، علامۂ شہیر مفتی عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد مولانا محمد زماں رحمانی دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے فیض یافتہ ایک تقوی شعار عالم دین و مربی تھے اور علاقے میں کافی مقبول و معتبر تھے۔ مولانا عبدالحنان صاحب کے صاحبزادے مولانا عبدالمنان سلفی جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر کے ایک کامیاب مدرس اور مرجع ہیں اور جامعہ کے نقیب ماہنامہ ''السراج'' کے چیف ایڈیٹر اور مشہور داعی وخطیب ہیں۔ ریڈیو نیپال اور اسلامی ٹی وی چینل دہلی سے بھی آپ کا خصوصی تعلق ہے اور ان سے آپ کے پروگرام برابر نشر ہوتے رہتے ہیں۔

مفتی عبدالحنان صاحب سے میرا کوئی خاص تعلق نہیں تھا، مجھے باقاعدہ آپ سے استفادہ کا موقع بھی نہیں ملا ہے، بس تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے چند ملاقاتیں رہی ہیں۔ لیکن اس مختصر ملاقات ہی میں مَیں نے آپ سے اچھا خاصا استفادہ کرلیا ہے اور یہ میرے لیے شرف کی بات ہے۔ ویسے مولانا کے ایک رفیق درس مولانا مظہر احسن ازہری کی زبان سے آپ کے فضائل اور علمی جلالت ومنزلت کا تذکرہ میں نے بارہا سنا ہے، مولانا مظہر احسن ازہری ہی کے ساتھ میری آخری ملاقات بھی ہوئی ہے اور تقریباً ایک گھنٹہ یہ مجلس رہی۔ اس دوران آپ سے کئی قیمتی باتیں معلوم ہوئیں، مولانا مظہر احسن ازہری صاحب نے جب میرے کچھ علمی کام کے بارے میں بتایا تو انتہائی مسرور ہوئے اور خصوصی دعاؤں سے نوازا۔

شنکر نگر کے جناب نذیر احمد صاحب نے ایک ملاقات میں جب میرے بارے میں بتایا کہ میں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری کی بے نظیر شرح مرعاۃ المفاتیح کا وہ حصہ شائع کرنے میں منہمک ہوں جو اب تک شائع نہ ہوسکی ہے تو غائبانہ طور پر خصوصی دعاؤں سے نوازا اور شائع ہوتے ہی ایک نسخہ بھیجنے کی تاکید کی۔ نذیر احمد صاحب نے جب مجھے یہ بات بتائی تو میں نے کوشش اور تیز کردی بحمداللہ یہ کتاب طبع ہوگئی اور آپ کے یہاں پہنچ گئی۔

اپنے حالیہ مئو آمد کے موقع پر جب برادر محترم مولانا عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ نے یہ اطلاع دی کہ جلد ہی ''السراج'' جھنڈانگر کا ایک خصوصی نمبر آپ کی شخصیت وعلمی خدمات پر مشتمل ہوگا اور مجھے بھی کچھ اس موضوع پر لکھنے کا حکم دیا تو میں شش وپنج میں پڑ گیا کیوں کہ مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ کے بارے میں میری معلومات صفر کے برابر ہے لیکن یہ سوچ کر کہ ہمارے گاؤں شنکر نگر کے ہمارے ایک استاذ حافظ حبیب اللہ صاحب جو کافی دنوں تک انتری بازار میں رہ چکے ہیں ان سے کچھ معلومات حاصل کرکے چند سطور لکھوں گا، لیکن افسوس کہ ابھی میں ان سے تعطیل کلاس میں

ملاقات کرنے کے لیے جانے ہی والا تھا کہ ایک دن اطلاع آئی کہ ان کا انتقال ہوگیا اور اس طرح رہی سہی امید معدوم ہوگئی۔ پھر بھی چند سطور حکم کی تعمیل میں حاضر خدمت ہیں۔

جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد آپ نے مختلف مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیا۔ پورے ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے اور طلبہ کو پوری طرح مطمئن کرتے۔ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے علاوہ مدرسہ سعیدیہ اور جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی فریضہ انجام دیا اور تفسیر، حدیث اور ادب کی بڑی کتابوں کا درس دیا۔

مولانا رحمہ اللہ کا درس بخاری مشہور ہے۔ آپ کے بخاری کے درس کو بھی محترم مولانا عبدالمنان صاحب نے جمع کردیا ہے جو طباعت کا منتظر ہے۔ مولانا کی کسی مستقل تصنیف کا پتہ نہ چل سکا لیکن تحریر میں چاشنی تھی اور انداز تحریر ادیبانہ تھا۔ قلم میں روانی تھی اور مافی الضمیر کو سلیقہ سے زیب قرطاس کرتے تھے۔ آپ کی تحریر کا ایک نمونہ ذیل میں درج ہے۔

جن دنوں میں مجلّہ ''افکار عالیہ'' مئو کا ایڈیٹر تھا اور ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نمبر کی ترتیب میں لگا ہوا تھا، اس نمبر کے لیے چند مشہور اہل علم سے پیغام بھیجنے کی گزارش کی تھی، اکثر نے میری درخواست کو نظر انداز کردیا لیکن جب میں نے مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کو پیغام کے لیے مولانا عبدالمنان سلفی کے ای میل ایڈریس پر خط لکھا تو انھوں نے از راہ ذرہ نوازی بلا تاخیر ایک پیغام بھیج دیا، یہ پیغام جہاں علماء، مدارس اور رفقاء درس کے ساتھ ان کے تعلق ومحبت کی ایک دلیل ہے، وہیں خاکسار کے ساتھ شفقت کی بھی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے اور انداز تحریر کا ایک نمونہ بھی۔ وہ پیغام یہ ہے:

''رفیق گرامی مکرمی ومحترم جناب شیخ مظہر احسن ازہری حفظہ اللہ وتولاہ

ناظم جامعہ عالیہ عربیہ مئو ناتھ بھنجن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

اللہ کرے آنجناب بخیر وعافیت ہوں، الحمد للہ میں بھی جس حال میں ہوں خیریت سے ہوں۔

عزیزم مولوی عبدالمنان سلفی سلمہ اللہ کے پاس عزیز گرامی مولانا حافظ عبداللطیف اثری صاحب، مدیر مجلّہ ''افکار عالیہ'' کے آئے فون سے یہ خوش خبری ملی کہ آپ ذمہ داران جامعہ عالیہ رفیق گرامی عالی جناب ڈاکٹر حافظ مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی حیات وخدمات پر ''افکار عالیہ'' کا خصوصی نمبر شائع کرنا چاہتے ہیں، آپ حضرات کے اس عزم وحوصلہ سے مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ لوگ محترم ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمات کو اجاگر کرنے کا ارادہ رکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

حقیقت ہے کہ محترم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ کی شخصیت بڑی پہلودار ہے، میں انھیں زمانہ طالب علمی سے بہت قریب سے جانتا ہوں، وہ مدرسہ فیض عام مئو میں میرے ہم عصر تھے، میں ان سے دو ایک سال آگے تھا، پھر جب ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۶ء تک مجھے جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی خدمت کا موقع ملا تو اس مدت میں بھی مجھے ان کی رفاقت نصیب ہوئی اور بعض مواقع پر انھوں نے میری بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی۔ فجزاه الله خيرا۔

ڈاکٹر صاحب کی جو خاص خوبی میں نے محسوس کی وہ ان کی محنت ومشقت، جد وجہد اور وقت کا انضباط واستقلال تھا، وہ کبھی بھی بیکار نہیں رہتے تھے، ہمہ وقت لکھنا پڑھنا ان کا مشغلہ ہوتا تھا، آج کے علماء وطلبہ کے لیے ان کی زندگی کے

اس پہلو میں بہت عبرت اور سبق موجود ہے۔

ضرورت ہے ڈاکٹر ازہری رحمہ اللہ کی حیات و خدمات کے گوشوں کو وسیع پیمانہ پر عام کیا جائے، اس سلسلہ میں آپ حضرات کی کاوش قابل قدر ہے، میں اس پر آپ کو اور جامعہ کے جملہ ذمہ داران اور مجلّہ کے ایڈیٹر صاحبان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ حضرات کی اس کاوش سے متاثر ہوکر مئو کے دیگر مدارس نیز جامعہ سلفیہ بنارس کے ذمہ داران کو بھی اس جانب توجہ کا موقع ملے گا۔

میری صحت دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے، پیرانہ سالی کے عوارض سے پریشان رہتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے میری صحت وعافیت کے لیے دعا فرماتے رہیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محتاج دعاء

عبدالحنان فیضی

آپ کے علمی خدمات کے اعتراف میں مختلف اداروں نے آپ کو ایوارڈ سے نوازا ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث نے آپ کی دینی وعلمی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈ سے نوازا جو ایک توصیفی سند اور دس ہزار روپیے پر مشتمل ہے۔ خود جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر نے اپنے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مؤتمر الدعوۃ والتعلیم (۲۰۱۳) میں آپ کو نشان امتیاز (ایوارڈ) سے سرفراز کیا ہے۔ یہ ایوارڈ اس مؤتمر کے اختتامی نشست کے دوران معزز مہمانان گرامی فضیلۃ الشیخ ابوسعود عبدالعزیز المفرج، فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن العیدان، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری وغیرہم کے ہاتھوں دیا گیا۔ یہ واضح رہے کہ اس نشست میں مولانا عبدالحنان مفتی وشیخ الحدیث جامعہ ہذا کے علاوہ اور دوسری شخصیتوں کو بھی ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ اسی طرح نیپال کے ۱۸ تعلیمی اداروں کو بھی توصیفی سند سے نوازا گیا تھا۔

ارباب جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کی جانب سے آپ کے لیے ایک اعزاز یہ بھی تھا کہ تدریسی ودیگر خدمات سے معذور ہوجانے کے باوجود جس فلیٹ میں مقیم تھے اسے ان سے خالی نہیں کرایا گیا اور وہ تاحیات اسی کمرہ میں مقیم رہے ورنہ مدارس کی طوطا چشمی مشہور ومعروف ہے۔

مؤتمر الدعوۃ والتعلیم میں بھی جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے، پیرانہ سالی وکمزوری کے باوجود آپ کو اسٹیج پر جگہ دی اور بطور تبرک چند منٹ خطاب کی گزارش کی، چنانچہ آپ نے پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں دعوت کی اہمیت وضرورت کے سلسلے میں قیمتی باتیں بیان کیں۔ ذمہ داران جامعہ کا انداز و سلوک آپ کے ساتھ ہمیشہ اچھا رہا ہے، ہمیشہ آپ کا احترام و اکرام کرتے رہے ہیں۔ مولانا نے بھی ہمیشہ محنت وذمہ داری کے ساتھ جامعہ کے کاز کو سرانجام دیا ہے اور اس کے مفاد کو اپنے مفاد پر مقدم رکھا ہے۔

آخری عمر میں آپ مختلف عوارض کے شکار ہوگئے تھے۔ آپ کو خودداری، استغناء وبے نیازی جو باپ کی جانب سے ورثہ میں ملی تھی اس خوبی کو آپ نے اپنے بچوں و پوتوں میں بھی پیدا کیا۔ بچوں اور گھر والوں نے کما حقہ دیکھ بھال کی، علاج کا معقول بندوبست کیا، بچے اور پوتے ہمہ وقت خدمت کے لئے مستعد رہے، یہ آپ پر اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔ آخر عمر طبعی کو پہنچ کر اس جہاں سے کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله وألحقه في زمرة الصالحين.

۞۞۞

مولانا عبدالحمید فیضی
استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو

حضرت العلام مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ
''ڈھل گیا سوئے عدم علم وعمل کا آفتاب''

موضع انتری بازار ضلع سدھارتھ نگر (قدیم ضلع بستی) کے مواضعات میں ایک مشہور اور بڑا موضع ہے جو تحصیل شہرت گڑھ سے بجانب مغرب ۵ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہ موضع مردم خیز ہونے کے ساتھ اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر شہرت و اہمیت کا حامل ہے۔ اس گاؤں کو متعدد، شعراء وادباء کے مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں کے علماء نے اپنے علم وفضل سے، شعراء نے اپنی شاعری وکلام سے اور ادباء نے اپنی کاوشوں سے اس کا نام روشن کیا ہے۔ یہاں ایک قدیم دینی ادارہ ''مدرسہ بحرالعلوم'' ہے جس سے فیض یافتگان کی ایک لمبی فہرست ہے، آج بھی تشنگان علوم دینیہ اس چشمۂ صافی سے سیراب ہورہے ہیں۔

لوگ پیاس اپنی بجھاتے ہیں چلے جاتے ہیں
اور دریا ہے کہ چپ چاپ رواں رہتا ہے

حضرت مولانا عبدالحنان فیضی صاحبؒ اسی قریۂ علم و ہنر کے ایک علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کی پیدائش دسمبر ۱۹۳۴ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مدرسہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم ششہنیاں سدھارتھ نگر کا رخ کیا، جہاں اپنے والد گرامی مولانا محمد زماں صاحب رحمانی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر تشریف لائے اور داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہاں آپ نے حضرت العلام مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری اور مولانا عبدالرحمٰن بجاوی جیسے چوٹی کے علماء سے فیض حاصل کیا، پھر جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو تشریف لائے چھ سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہیں سے ۱۹۵۹ء میں سند فراغت حاصل کیا۔ اس وقت جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں مولانا محمد احمد صاحب ناظم، مولانا شمس الحق صاحب بہاری، مولانا مصلح الدین اعظمی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن فیضی مئوی اور مولانا عظیم اللہ صاحب مئوی جیسے ماہرین علم وفن اپنا فیض عام کررہے تھے۔ مولانا مرحوم نے ان اساطین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یہ حضرات ''آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند'' کے مصداق تھے۔

فراغت کے بعد مولانا نے مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسہ بلرام پور اور مدرسہ سعیدیہ بنارس میں چند سال تدریسی

فریضہ انجام دیا، پھر ۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کے اصرار پر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر تشریف لائے اور مسلسل گیارہ سال تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اس مدت میں کئی سال آپ یہاں کے شیخ الجامعہ بھی رہے ان ساری ذمہ داریوں کو آپ نے بخوبی نبھایا۔ ۱۹۷۴ء میں آپ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس تشریف لے گئے اور منتہی طلبہ کے زیر درس کتابیں پڑھاتے رہے نیز آپ نے یہاں منطق و ادب کی بھی کتابیں پڑھائیں۔ والد گرامی حضرت مولانا محمد زماں رحمانیؔ صاحب کی بیماری کی وجہ سے جامعہ سلفیہ میں چار ہی سال رہ پائے تیمارداری کے لیے گھر آنا پڑا، اس درمیان آپ خود اختلاج اور بلڈ پریشر کے شکار ہوگئے۔ ؎

مسائل نے ہمیں بوڑھا کیا ہے وقت سے پہلے
گھریلو الجھنیں اکثر جوانی چھین لیتی ہیں

مولانا عبدالرؤف رحمانیؔ جھنڈانگری کو معلوم ہوا کہ مولانا بوجوہ گھر آ گئے ہیں اور شاید اب بنارس نہ جائیں اس لیے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کو جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں آنے کی دعوت دی اور مُصر ہوگئے کہ آپ کو یہیں رہنا ہے، آپ کی ہمیں ضرورت ہے۔ چنانچہ دوبارہ ۱۹۷۸ء میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں آپ کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جو تاحیات قائم رہا۔ یہاں آپ نے بخاری شریف اور تفسیر بیضاوی جیسی اہم کتابوں کا درس دیا نیز جامعہ سراج العلوم کے شعبۂ بنات کلیہ عائشہ صدیقہ میں بھی کئی سال تک بخاری شریف اور دوسری اہم کتابیں پڑھاتے رہے۔ اس طرح آپ کی تدریس کا سلسلہ تقریباً ۶۰ سالوں پر محیط ہے۔

مولانا مرحوم کا میلان طبع تدریس ہی کی طرف تھا، فراغت کے بعد آپ تدریس ہی سے جڑے رہے اور اس میدان میں آپ پورے طور پر کامیاب رہے۔ آپ کے اندر ایک کامیاب مدرس کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ آپ سے مستفید طلبہ بتاتے ہیں کہ مولانا کی تفہیم کا طریقہ سادہ اور عام فہم تھا، زبان مہذب اور شستہ تھی، ایک مدرس کے لیے بہت حد تک ماہر نفسیات ہونا بھی ضروری ہے بفضلہٖ تعالیٰ اس صفت سے بھی آپ متصف تھے جس کا اثر آپ کے درس میں محسوس کیا جاتا تھا۔ ؎

جو دوسروں کی پیاس بھی محسوس کر سکے
ساقی گری کا کام کرے تشنہ لب وہی

اپنے کثرتِ تلامذہ کی بدولت مولانا مرحوم صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی محتاج تعارف نہیں ہیں، جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر جیسے عالمی شہرت یافتہ اداروں میں تدریسی فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے غیر ملکوں خصوصاً عرب ممالک میں بھی آپ معروف ومشہور ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں عالم اسلام کی قدآور شخصیات بھی شامل ہیں بعض تلامذہ سے میری ملاقات سعودیہ عربیہ میں ہوئی۔ انھوں نے مولانا سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار فرمایا اور آپ کے اخلاق وعادات و طریقۂ درس پر روشنی ڈالی، جس سے میں کافی متاثر ہوا شاید اسی کی برکت ہے کہ مولانا مرحوم کے بارے میں یہ چند سطور

بطور خراج عقیدت لکھنے کی ہمت ہوئی۔ آپ کے ایک فرماں بردار شاگرد جناب حافظ محمد الیاس صاحب (امام مسجد سارہ ریاض) کے ذریعہ ہی علامہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے ان کے مہمان خانہ میں بعدِ نمازِ مغرب ملاقات کا شرف حاصل ہوا، فللہ الحمد۔

مولانا مرحوم ایک اچھے مبلغ بھی تھے، آپ کے اندر ایک واعظ ومبلغ کی خوبیاں کماحقہ موجود تھیں، آپ کے وعظ و تبلیغ کا انداز عام فہم تھا، جس سے کافی لوگ مستفید ہوئے ،آپ نے مسلسل علاقے واطراف کے مساجد میں خطبۂ جمعہ دیا۔ خطبۂ جمعہ تبلیغ کا بڑا موثر ذریعہ ہے۔ آپ کے خطبات کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل اور آسان زبان میں ہوتے تھے جس سے سامعین محظوظ ومستفید ہوتے۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سوچا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

جماعت و جمعیت سے منسلک ہوکر بھی آپ نے دعوت وتبلیغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کے والد گرامی مولانا محمد زماں صاحب رحمانی اکثر تبلیغی گھوڑے پر سوار ہوکر علاقے کو اپنی دعوت وتبلیغ سے منور فرما رہے تھے، بھلا آپ جیسا فرماں بردار بیٹا اس میدان میں پیچھے کیسے رہ سکتا تھا، چنانچہ مرحوم نے بھی دعوت وتبلیغ کا پورا پورا حق ادا کیا ،آپ کی دعوت کے نتیجہ میں ضلع سدھارتھ نگر وبستی کے ایک بڑے حلقہ میں اہل حدیثوں کی شناخت قائم ہوئی آج ضلع بستی وسدھارتھ نگر میں جہاں توحید پرستوں کا غلبہ ہے یہ آپ جیسے مخلص علماء کی دین ہے۔ سچ ہے ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

آپ کی تبلیغ سے جماعت کے لوگوں کو تو فائدہ ہوا ہی دوسرے حضرات بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

جماعت اور تنظیمِ جماعت سے آپ کا گہرا لگاؤ تھا۔ مقامی اور ضلعی پیمانے پر آپ جمعیت کے ممبر وصدر رہنے کے ساتھ تلسی پور کے صوبائی اہل حدیث کانفرنس کے انتظام و انصرام میں بھی شامل رہے باجماعت پنج وقتہ نمازوں کے اہتمام کی ذمہ داری آپ ہی کے سر تھی، جسے آپ نے اچھی طرح نبھایا۔

چند سال چھوڑ کر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تاحیات آپ تدریس سے جڑے رہے، اس پوری مدت میں آپ کے ذمے افتاء کا کام بھی تھا، آپ کے فتاویٰ کئی رجسٹر میں موجود ہیں، جسے آپ کے پوتے سعود اختر عبدالمنان سلفی نے مرتب کیا ہے، آپ کے خلف الرشید جناب مولانا عبدالمنان سلفی صاحب اس کی طباعت کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کامیاب بنائے۔ آمین۔

مولانا مرحوم کے اندر تواضع وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ گھریلو زندگی میں بھی سادگی پسند تھے اور باہر بھی۔ علماء کا روایتی لباس آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ سے جب بھی ملاقات ہوئی بڑی شفقتیں ملیں۔ مولانا مرحوم ہمیشہ اپنے چہرے پر شفقتوں کا پھول کھلائے رہتے تھے۔ آپ کے لہجے میں نرمی اور گفتگو میں اپنائیت محسوس ہوتی تھی۔ جامعہ فیض عام مئو کا حال والہانہ انداز میں دریافت فرماتے

اور اپنے استاذ مولانا حبیب الرحمٰن فیضیؔ کے حالات سے آگہی حاصل فرماتے ،مولانا حبیب الرحمٰن فیضیؔ ناظم جامعہ اسلامیہ فیض عام خاکسار کے بھی مہربان استاد تھے، میں ان کے حالات بتا کر خوشی ومسرت سے لبریز ہو جاتا ، مجھ جیسے بے بضاعت شخص سے جس پرتپاک انداز میں ملتے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔مولانا مرحوم کو زندہ دلی کے ساتھ جینے کا ہنر معلوم تھا۔ ع

یہ بڑے لوگ ہیں جینے کا ہنر جانتے ہیں

خاکسار کے مراسم تو مولانا سے زیادہ نہیں تھے، چند ملاقاتیں یادگار ہیں مگر آپ کے اکلوتے لائق وفائق فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ ریکٹر جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر و مدیر ماہنامہ ''السراج'' میرے بے تکلف دوستوں میں سرفہرست ہیں۔ آپ کے اخلاق و عادات وتحمل و برداشت سے مولانا مرحوم کے محاسن ومکارم کا پتہ چل جانا مشکل نہیں تھا۔مولانا عبدالمنان سلفی کے ساتھ کئی ماہ رہنے کا موقع ملا۔ آپ حسن اخلاق کے ساتھ پروقار شخصیت کے حامل ہیں۔ اپنے لہجے اور گفتگو سے اپنا بنالینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ۱۹۸۷ء میں آپ کے ساتھ حج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ایک ہی جگہ رہنا، کھانا پینا سب کچھ تھا اکثر سننے میں آیا ہے کہ اکٹھا رہنے والے حجاج کے درمیان تلخ کلامی کی نوبت آ جاتی ہے۔مگر ہم دونوں کی انتہائی محبت ومروت کے ساتھ اعمال حج کی تکمیل ہوئی، اس میں مولانا موصوف کا اہم رول رہا۔تقریر وتحریر دونوں میں اچھی قدرت حاصل ہے،اس کے باوجود آپ خود پسندی سے دور اور تواضع وخاکساری کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ چھوٹے بڑے سب سے یکساں طور پر ملتے ہیں۔آپ کا خاندان جیسا کہ اوپر مذکور ہے علمی خانوادہ تھا لیکن آپ نے ہمیشہ اپنے علم و ہنر پر اعتماد کیا پدرم سلطان بود کے قائل نہ ہوئے ؎

بھروسہ ہے ہمیں اپنی ہنر پر اس لیے ہم نے
ہمیشہ نام ہی لکھا نسب نامہ نہیں لکھا

مولانا عبدالمنان سلفی صاحب کے اندر یہ خوبیاں یقیناً والد محترم کی تعلیم وتربیت کی رہین منت ہیں ،موصوف کے والد محترم کی وفات کا صدمہ خاکسار کو کافی ہوا۔ رفیق محترم جناب مولانا عبدالمنان سلفی کو تسلی دیتے ہوئے میری آواز بھی رندھ گئی ؎

وقت خوش خوش کاٹنے کا مشورہ دیتے ہوئے
رو پڑا وہ خود بھی مجھ کو حوصلہ دیتے ہوئے

کی تصویر میری نگاہوں میں گھومنے لگی ۔ چند سطور لکھ کر مجھے تسلی ہورہی ہے کہ شاید یہ تحریر موصوف کے والد محترم سے تعلق کا ذریعہ بن جائے اور رفیق محترم کی تسلی کا سبب بھی ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ۔(آمین)

❁❁❁

ہوش مندو ! مَن ہَرَن قرآن کا اعلان ہے
لطف آرا بندگی اس کی ہے جو رحمان ہے
ربّ عالم سے دلائے گی جزا اعمال کی
زندگی کے ہونٹ پر جو موت کی مُسکان ہے
(حیرت بستوی رحمہ اللہ)

مولانا شریف اللہ سلفی

مکارم اخلاق کے پیکر مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ

استاذ الاساتذہ، سنت رسول ﷺ کے شیدائی، نمونۂ سلف، مولانا محمد زماں رحمہ اللہ کے حقیقی جانشین، شیخ محترم مولانا عبدالحنان فیضی المعروف بہ مفتی صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی رحلت سے جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر کی ایک سنہری کڑی ٹوٹ گئی، آپ نے اپنے مکارم اخلاق، علمی استعداد، حلم وبردباری، تواضع اور کسرنفسی سے جو ماحول تیار کیا تھا، اس کا جیتا جاگتا ثبوت آپ کے جنازہ میں لوگوں کا جم غفیر تھا، ایسے خوش نصیب بہت کم ہیں جن کے جنازہ میں اتنی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی ہو، مغفرت اور ثبات قدمی کی دعاء کی ہو، جب رسول اکرم ﷺ نے کسی جنازہ میں چالیس مومنین مخلصین کی شرکت ودعا، پر جنت کی بشارت دی ہے تو زیادہ مومنین کی دعاؤں سے آپ ضرور کامیاب ہوں گے، ان شاءاللہ، **اللھم اغفرله واسترعوراته، ووسع قبره وأدخله الجنة، واحشره بالصالين والصديقين والشهداء وحسن اولئک رفیقا۔**

آپ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر میں اپنے ابتدائی ایام میں بحیثیت مدرس اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم اعلیٰ کی استدعاء پر بنارس گئے، مگر شیخ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ نے اپنے تعلقات کی بنیاد پر آپ کو دوبارہ بلالیا اور پھر تاحیات جامعہ کے ہوکر رہ گئے۔

جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کے اس دور ثانی میں کچھ دنوں تک میں بھی آپ کے ساتھ درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہا تھا اور آپ سے یہیں میری پہلی ملاقات ہوئی اور اس ملاقات سے جو تاثر ہوا وہ یہ ہے کہ کسی فرشتہ صفت شخص سے گفتگو کر رہا ہوں اور فوراً میرے دل میں یہ حقیقت آئی کہ ''أهل الجنة بله'' اور پھر ملاقات کا سلسلہ برقرار رہا۔

آپ ایک کامیاب معلم ہی نہیں بلکہ معلم گر بھی تھے، اس وقت آپ اور شیخ رحمت اللہ اثری رحمہ اللہ رئیس المدرسین نوجوان مدرسین کے مرجع تھے، اور آپ حضرات ''الدين النصيحة'' کے تحت ہر ایک کی رہنمائی بھی کرتے رہتے تھے، اس وقت جامعہ کا تعلیمی معیار کافی بلند تھا، اساتذہ کے آپس میں اور طلبہ کے اساتذہ اور ذمہ داران کے ساتھ تعلقات بہت خوشگوار تھے، جس کا اثر تعلیم پر زبردست تھا۔

میں جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر سے اگست ۱۹۸۱ء میں جامعہ عالیہ عربیہ مئو گیا، مئو آتے جاتے جب بھی موقع ملتا آپ سے اور شیخ عبدالوہاب ریاضی رحمہما اللہ سے دعائیں لینے ضرور حاضر ہوتا۔

ماہنامہ ''السراج'' میں میرا جب بھی کوئی مقالہ شائع ہوتا اور اس کے بعد جب ملاقات ہوتی تو فرماتے: ''میں آپ کا مقالہ ضرور پڑھتا ہوں، الحمدللہ مدلل اور معلوماتی ہوتا ہے، لکھتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے قلم میں مزید روانی پیدا کرے''

وغیرہ (میں سمجھتا ہوں اس طرح کے جملے آپ خوش کرنے کے لئے کہا کرتے تھے)

میں مولانا رحمہ اللہ سے دعائیں لینے کے لئے ایک شاگرد کی حیثیت سے حاضر ہوتا، مگر آپ اخلاق کے اتنے اونچے مقام پر تھے کہ مجھ سے کہا کرتے: ''آپ کی آمد کا انتظار رہتا ہے، ملاقات ہونے پر خوشی ہوتی ہے، اس لئے ادھر سے جب بھی گزر ہو تو ملاقات کرلیا کریں'' آپ کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوتا اور اگر کبھی وقت کی قلت مانع ہوتی تو افسوس ہوتا مگر ایسا بہت کم ہوتا۔

آپ اپنی سادگی، علمی صلاحیت اور اخلاص فی العمل میں ضرب المثل تھے، فن حدیث میں آپ کو کمال تھا اور تاحیات شیخ الحدیث کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے، مگر کہیں سے بھی عہدہ کا کوئی رنگ نہیں دکھائی پڑتا، اسی طرح آپ اس علاقہ میں مفتی اعظم کی حیثیت رکھتے تھے، اور اخیر عمر تک جب تک اعضاء سلامت رہے، ہر چھوٹے بڑے استفتاء کا مدلل قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیتے رہے، آپ کے جواب پر لوگوں کو مکمل اطمینان ہو جاتا۔

عملی زندگی کے ابتدائی کچھ ایام میں آپ خطبۂ جمعہ کے ذریعہ لوگوں کو استفادہ سے دور کر رکھا تھا، لیکن جب خطبۂ جمعہ دینے لگے تو آپ کا ہر خطبہ حالات حاضرہ کے مطابق اور مدلل ہوتا، اور دور دراز سے لوگ آپ کا خطبہ سننے کے لئے آیا کرتے اور استفادہ کرتے، آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ بعد نماز جمعہ مسجد میں بیٹھ جاتے، الا ماشاء اللہ۔ اور لوگ اپنے خانگی مسائل ومشکلات تک آپ کے سامنے رکھتے آپ ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق جواب دیتے، مشورہ دیتے، اور مسائل حل کرنے کی ترکیب بتاتے اور بالخصوص نزاعی مسائل میں آپ جو فیصلہ کر دیتے عموماً لوگ اسے تسلیم کر لیتے تھے، کیوں کہ آپ ہر شخص کی نگاہ میں محبوب تھے اور ہر کوئی اللہ واسطے آپ سے محبت کرتا تھا، یہ اللہ کے محبوب بندے کی خاص پہچان ہے کہ روئے زمین پر اللہ کے بندے اس سے محبت کرتے ہیں، یہ صفت ہر ایک کے نصیب میں نہیں، کتنے اجڑتے گھروں کو آپ نے آباد کیا، کتنوں کے مسائل حل کر کے مقدمات سے بچایا، کتنوں کو آپسی اختلافات سے نجات دلا کر صبر وسکون پہنچایا، یہ اور اس طرح کے بہت سے فیصلے آپ نے اللہ کی تائید ونصرت سے کیا اور اپنا دینی فریضہ بھی ادا کیا، سچ ہے۔ ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مجھے اللہ کی ذات سے کامل امید ہے کہ انھیں اعمال حسنہ کی وجہ سے آپ کو جنت کا مستحق قرار دے گا، **وماذلک علی اللہ العزیز۔**

جھنڈا نگر میں میرے ایک محسن محترم مولانا عبدالوہاب ریاضی رحمہ اللہ تھے، آپ دونوں حضرات سے ملنے پر روحانی سکون پیدا ہوتا تھا، مولانا ریاضی رحمہ اللہ بہت سادہ مزاج، صاف گو، عامل بالکتاب والسنۃ تھے، عادات قبیحہ اور منکرات سے دور تھے، شکوہ شکایت اور بغض وحسد سے نفرت تھا، **هذا ماأحسبه والله حسيبه ولاأزكي على الله احدا**، کلیہ خدیجۃ الکبری کے قیام واستحکام بخشنے میں آپ کا کردار نمایاں رہا ہے، آپ کی زندگی میں کچھ ایسے مواقع بھی آئے، جب آپ کی ذات کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا، مگر صبر وشکر کا دامن کبھی نہیں چھوڑا، بلکہ سارا معاملہ اللہ کے حوالہ

کر دیا اور خاموش ہو گئے کسی سے کوئی شکوہ وشکایت نہیں کیا، اللہ رحم کرے ان عظیم شخصیات پر جنھوں نے ہر حال اور ہمہ وقت دین اسلام کو حرز جان بنایا اور مشکل سے مشکل وقت میں بھی پایہ ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شیخ فیضی رحمہ اللہ کے یار غار محترم مولانا مظہر احسن ازہری رحفظہ اللہ ناظم جامعہ عالیہ عربیہ، مئو آپ کو کثرت سے یاد کرتے رہتے، چونکہ آپ دونوں طالب علمی ہی کے دور سے قریب تھے اور یہ قربت تاحیات باقی رہی اور جب بھی موقع ملتا مئو سے بغرض ملاقات حاضر ہو جایا کرتے، مولانا ازہری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے، گالی گلوچ، جھگڑا لڑائی، غیبت، چغلی اور کینہ وحسد سے دور رہتے، تعلیم سے گہری دلچسپی تھی اور اچھے اخلاق کے مالک تھے، اس وجہ سے ہم دونوں میں قربت تھی جواب تک باقی ہے، آپ دونوں حضرات جب یکجا ہوتے تو وہی پرانی باتیں، پرانے احباب اور پرانی محفلیں موضوع بحث رہتیں، چونکہ میں مولانا ازہری رحفظہ اللہ کے ہمراہ رہتا، اس لئے سب کچھ سنتا اور دیکھتا رہتا، مولانا ازہری حفظہ اللہ مجھ سے برابر مولانا مرحوم، مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا عبدالوہاب رحمہم اللہ کے تعلق سے پوچھتے رہتے اور طالب علمی کے زمانہ کی باتیں بتلاتے بھی رہتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کے انتقال پر جب تدفین کے بعد مولانا گھر آئے اس وقت مولانا عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ کی موجودگی میں جہاں اپنے رنج وغم کا کھل کر اظہار کیا، مرحوم کی بخشش اور مغفرت کی دعا کی جملہ پسماندگان کے لئے صبر وسکون کی تلقین کی وہیں یہ بھی کہا کہ میں اس گھر کا ایک فرد ہوں میں نے اپنے گھر کے ایک فرد کو غائب کیا ہے، میں اپنا رنج وغم کس سے بیان کروں اور دل کا زخم کس کو دکھاؤں، مجھے آپ جب بھی یاد کریں گے، اپنے درمیان پائیں گے وغیرہ اس دن کی تعزیتی نصیحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ مولانا رحمہ اللہ کے گھر کے ایک فرد کی حیثیت رکھتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ حقوق العباد کے تئیں بہت حساس تھے شاید کسی کا کوئی حق چھوٹا یا بڑا آپ کے ذمہ ہو، ہر ایک کے حق کی ادائیگی اپنی بساط کے مطابق کرتے رہتے تھے، جس میں عام طور سے لوگ سستی برتتے ہیں۔

میں نے آپ سے اور مولانا عبدالوہاب صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ سے جب بھی کوئی مشورہ لیا ہے تو آپ حضرات نے المستشار مؤتمن کی روشنی میں ہمیشہ صحیح مشورہ دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں ایسا ہی برتاؤ ہر ایک کے ساتھ تھا۔

بیماری کی حالت میں جب بھی کوئی ملنے جاتا تو اس سے یہ ضرور کہتے کہ ''میرے لئے صحت وایمان، خاتمہ بالخیر اور نکمی عمر سے بچنے کی دعا ضرور کرتے رہیے، اور واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نکمی عمر سے بچالیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے، اپنی جوار رحمت میں جگہ دے، جنت الفردوس آپ کا ماویٰ ومسکن بنائے، اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین)

۞۞۞

مولانا عبدالحفیظ ندوی
استاد جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم ومدیر مجلّہ ''الفرقان'' ڈومریاگنج

مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ کی یاد میں
۱۹۳۳ء--۲۰۱۷ء

اسلامی تاریخ میں ایسی بہت سی شخصیتیں گزری ہیں جنھوں نے علمی ،فکری ،دعوتی ،رفاہی ،صحافتی ،سیاسی اور سماجی حیثیت سے امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

گراں قدر شخصیات کی عظمت وخدمت کا اعتراف کرنا ایک منصفانہ جذبے کا اظہار ہوتا ہے سماج اور قوم کی اکثریت کی خواہش بھی ہوتی ہے کہ قابل ذکر شخصیات کے علمی وعملی ورثہ کوسامنے لانا چاہیے یہ جہاں ایک مستحسن قدم ہوگا وہیں موجودہ پیڑھی اورنئی نسل کے لئے نشان راہ کا کام دے گا۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی شیخ الحدیث ومفتی مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ ہیں اس جیسی ہمہ جہت شخصیت کو یاد کرنا اوران کی خدمات سے دوسروں کو روشناس کرنا یہ ہماری ملی ذمہ داری ہے۔

موصوف کی وفات کی خبر جیسے مجھے ملی میں سکتہ میں آگیا اوراس کا سخت صدمہ اپنے دل میں محسوس کیا اور ہر اہل علم وفکر کو لگا کہ جیسے زمین ہل گئی اورایک گھنا سایہ دارشجر گرگیا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا سے جب بھی کوئی بڑی شخصیت اورعلم وادب کا غیرمعمولی تاجدار رخصت ہوتا ہے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

۱۹۷۹ء میں جب میری تقرری جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں عمل میں آئی تو جو رہائشی کمرہ مجھے ملا وہ مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کے بغل میں تھا، درسی وغیر درسی کتابوں میں جب بھی مجھے کوئی اشکال ہوتا تو بلا جھجھک موصوف سے مراجعہ کرتا آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ رکھا، کبھی بھی مجھ سے ناراض نہ ہوتے شفقت، کرم فرمائی اوراپنائیت کا مظاہرہ کرکے دل جیت لیا۔

ایک سرپرست کی حیثیت سے جومیری رہنمائی کی اور ہمت افزائی فرمائی اس کوآج تک بھول نہ سکا، رہ رہ کر آپ کی یاد ستاتی رہتی ہے، ان کی شخصیت سادگی، فروتنی، تواضع، ادائے فرض سے عبارت تھی، آپ کی زندگی ہمیشہ رواں دواں رہی، آپ کی حیات کا ہر پہلو اورزندگی کا ہر نقش بڑا دل کش ودل آویز رہا، آپ کو تدریس میں بڑا تجربہ اور مہارت حاصل تھی۔

یکم فروری ۱۹۸۰ء کومیرے گھر میرے پہلے فرزند اشفاق احمد کی ولادت ہوئی تو دوسرے دن میرے گاؤں کے ایک کرم علی صاحب اس کی اطلاع دینے آئے، شاید ان کی لڑکی جھنڈانگر بیاہی تھی، وہ اطلاع دے کر چلے گئے، مولانا عبدالحنان صاحب اورمولانا خورشید احمد سلفی آفس کے باہر تشریف فرما تھے، میں اس وقت کسی کلاس میں درس دے رہا تھا، مولانا موصوف نے اس کی خبر ناظم صاحب کودے دی،

میں جب کلاس سے آفس آیا تو مبارکباد دینے والوں کا تانتا بندھ گیا، مولانا موصوف نے مجھے حکم دیا کہ اساتذۂ کرام کو پارٹی دی جائے، بہرحال پُرتکلف ناشتہ کا انتظام ہوا، ناظم صاحب اساتذۂ کرام نے فرزند کے حق میں دعائیں کیں، مولانا عبدالحنان صاحب نے دعا کی درخواست کی۔

افہام وتفہیم اور مشکل عبارتوں کی تحلیل وتجزیہ، نحو، صرف، تفسیر وفقہ، بلاغت ومعانی، زبان وادب اور عقائد کے باب میں مکمل درک حاصل تھا، یہ فضل الٰہی اور امتیازی خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ودیعت فرمایا تھا ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی، متن حدیث، سند حدیث، اور حدیث کے مقتضیات و مطالبات اور اس کے معانی ومفاہیم پر نہ یہ کہ آپ کو گرفت تھی بلکہ اس میدان کے سالار تھے، آپ کے طرز تدریس سے طلبہ کو بڑا فائدہ ہوا کہ ان کے اندر تحقیق ودراسہ کا ذوق پیدا ہوا، دراصل دیگر علوم وفنون کے مقابلے میں حدیث کا علم غیر معمولی ہوتا ہے، اس میں ان تمام رواۃ کے مقیم وتدریس انجام دینے کا سلیقہ ملا، احوال سے باخبر ہونا ضروری ہے، جن کے ذریعہ یہ علم پہنچا ہے، پھر ان لاکھوں افراد کی زندگی کی تفصیلات، ان کا مزاج ومذاق ان کی سیرت وکردار، معاصرین کا ان کے متعلق خیال وہ ثقہ یا کامل الضبط ہیں یا نہیں؟ یہ خود ایک مستقل فن ہے، اس فن پر جگر کاوی اور پیہم جدوجہد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے صیانت حدیث کا اس طرح خصوصی انتظام فرمایا، دراصل یہ حفاظت حدیث تاریخ انسانی کا عظیم الشان کارنامہ ہے، کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ کائنات ارضی پر کوئی موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج تقریبا پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

جامعہ سلفیہ میں آپ کے بعض تلامذہ کے بیان کے مطابق جب آپ تفسیر بیضاوی کا درس دیتے، تو لغوی اور اصطلاحی معانی بتلاتے ہوئے قواعد بھی مشق کراتے اور بہترین انداز میں طلبہ کو سمجھاتے ہوئے مسئلہ اعتزال اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق مشکل عبارت کا حل اس طرح پیش کردیتے کہ کوئی اشکال باقی نہ رہ جاتے۔

مسئلہ اعتزال کے ساتھ ساتھ فرق ضالۃ اور صاحب کتاب کے موقف ومسلک کو اس طرح واضح کردیتے کہ ہر طالب علم بآسانی سمجھ جاتا اور فرق ضالہ کے نقطہ نظر کی بھرپور تردید فرماتے ہوئے راجح مسلک اور منہج سلف کی حقانیت واضح فرمادیتے، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر میں صحیح بخاری کا آخری عمر تک درس دیتے رہے، محدثین، متکلمین، مفسرین، شراح کرام اور ائمہ جرح وتعدیل کے ناموں کی ایک فہرست ذہن میں نقش ہوجاتی تھی، رواۃ پر سیر حاصل کلام اور کوئی قول بغیر حوالے کے نہیں ہوتا۔

مولانا ابوالعاص وحیدی رحفظہ اللہ ایک کامیاب مدرس اور بہترین قلم کار ہیں، ان کی خدمات تدریسی، دعوتی، اور صحافتی میدان میں قابل قدر ہیں، جن دنوں میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں استاد تھا، انھیں ایام میں وحیدی صاحب بھی جامعہ سراج العلوم کنڈوَ بونڈیہار میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے حسن اتفاق میں " البلاغة الواضحة" کا درس دے رہا تھا، مولانا ابوالعاص وحیدی ایک مرتبہ جھنڈانگر تشریف لائے اور مجھ سے ایک عبارت کی تشریح چاہی میں نے اس عبارت کو کئی بار پڑھا اور مزید تشفی کے لئے مولانا عبدالحنان صاحب فیضی

سے رجوع کیا، استعارہ کی بحث میں وہ عبارت یوں ہے۔

لایعتبر الترشیح أوالتجرید الاّ بعدأن تتم الإستعارة باستیفاء ھا قرینتھا لفظیة أوحالیة ولھذا لاتسمی قرینة التصریحة تجریداً ولاقرینه المکنیة ترشیحا. (البلاغة الواضحة ص:۸۷، علی الجازم ومصطفی آمین)

مولانا موصوف نے اس عبارت کی اس طرح اچھے انداز میں تشریح فرمائی کہ پھر کوئی اشکال باقی نہ رہا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے موصوف کو مشکل عبارتوں کا تحلیل وتجزیہ اورافہام وتفہیم کا بہتر ملکہ حاصل تھا، اس لئے اساتذۂ کرام بھی آپ سے علمی نکات پرتبادلہ خیالات کیا کرتے تھے اورآپ اس کو برانہیں کہتے تھے، بلکہ آپ کوخوشی ومسرت حاصل ہوتی تھی، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے علم میں اضافہ ہوتاہے اور غلط فہمیاں دورہوجاتی ہیں۔

مولانا موصوف طلبہ کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، ان کومحنت کرنے کا شوق دلاتے اور گہرائی وگیرائی کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ہدایت کرتے سرسری اور کام چلاؤ مطالعہ کے مزاج سے دور رہنے کاحکم دیتے ورنہ سہل پسندی کے عادی بن جاؤگے، اس طرح سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طلبہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا جوفارغ التحصیل ہوکرملک وبیرون ملک میں دین قیم کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا موصوف اپنی تمام ترصلاحیتوں، لیاقتوں اور عظمتوں کے باوجود نہایت منسکرالمزاج تھے، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ کی تحریرمیں بڑی سلاست اورپختگی تھی کسی موضوع پرقلم اٹھاتے تواس کاحق ادا کردیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے استادمحترم علامہ عبدالروف رحمانی، جھنڈانگری رحمہ اللہ اپنی تصنیفات مقالات ومضامین پرنظرثانی کاحکم دیتے آپ کی شاہکارتصنیف ''ایمان وعمل'' پرمولانا فیضی صاحب نے ایک وقیع اورمعلوماتی آٹھ صفحات پرمشتمل ایک مقدمہ تحریرفرمایا، افتاء نویسی کے میدان میں بھی آپ کی خدمات گراں قدر ہیں، مسلم معاشرہ میں فتوی نویسی کی بڑی اہمیت حاصل رہی چونکہ ایک مومن آدمی کودینی ودنیاوی معاملات میں جدید مسائل کا سامنا کرناپڑتاہے، اس لئے مسلم معاشرہ میں مفتیان عظام کاوجود بے حدضروری ہے۔

عہدنبوی سے لےکراب تک علمائے کرام نے اس ذمہ داری کوبخوبی نبھایاہے فتاویٰ دراصل مسلم سوسائٹی کے اقتصادی، معاشی، سیاسی اورسماجی مسائل کے آئینہ دارہوتے ہیں، ان سے پتہ چلتاہے کہ ایک مخصوص سماج کےلوگ ایک مخصوص وقت اورحالات میں کن مسائل سے دوچار تھے۔

معاشرتی تغیرات اورعلمی وفکری اختلافات کی نوعیت کیاتھی؟ ان کےحل کے لئے مفتیان عظام نے کس منہج پر، کن اصولوں کوپیش نظر رکھا؟ نیزان فتاوں نے مسلم معاشرہ پرکتنے گہرے اثرات مرتب کئے۔

مولانا موصوف کایہ معمول تھا کہ اس سلسلہ میں کمال احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے کتاب وسنت اور اجماع کی روشنی میں فتاویٰ صادرفرماتے تھے، موصوف کے فتاویٰ کومحفوظ کردینا بہت بڑاکام ہوگا اوریہ امت کے حق میں مفیدبھی ہوگا، امید ہے کہ آپ کے لائق فرزند مولانا عبدالمنان سلفی صاحب فتاوی کومرتب کرکے کتابی شکل میں شائع کریں گے۔

مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ ہمارے کرم

فرماتے، وہ ایک مربی کی حیثیت سے ہر موڑ پر میری رہنمائی کرتے تھے۔

اس کو مطلوب کبھی گرمی بازار نہ تھی
اس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

نومبر ۱۹۸۱ء میں جب میرے والد محترم کی وفات ہوئی تو مجھے اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع دینے میرا ایک غیر مسلم پڑوسی ''گوبردھن سونی'' جامعہ پہنچا، اس وقت موبائل اور کوئی ذریعۂ رابطہ نہیں تھا، میں اس وقت کسی کلاس میں درس دے رہا تھا، علامہ جھنڈانگری، مولانا موصوف اور دیگر اساتذہ کو اس کی خبر ہو چکی تھی، مصلحتاً اس کی اطلاع مجھے نہیں دی گئی، میں جب کلاس سے باہر نکلا تو مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ باہر کھڑے تھے مجھے علیحدہ بلایا اور فرمایا کہ ''آپ کے گاؤں سے ایک آدمی ابھی ابھی آیا تھا اور اس نے کہا ہے کہ آپ گھر ضرور چلے جائیں کوئی اہم کام ہے۔''

مولانا موصوف نے میرے جیب میں کچھ رقم ڈال دی میں نے جب انکار کیا تو کہا کہ گھر جانے پر پتہ نہیں کیا کام پڑ جائے، عصر کے بعد جب میں گاؤں میں داخل ہوا تو مجھے والد محترم کی رحلت کی خبر مل گئی، میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور گھر پہنچ کر والد محترم کا دیدار کیا، آنکھیں نم ہو گئیں، اللہ رب العالمین کے قضا و قدر پر میں نے مکمل اعتماد کیا۔

مغرب کی نماز کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ میرے کرم فرما حضرت مولانا عبدالحنان صاحب فیضی، مولانا احسان اللہ رحمانی، مولانا خورشید احمد سلفی، ماسٹر محمد شفیع اور دیگر احباب کرام تشریف لا چکے ہیں۔

نماز جنازہ مولانا عبدالصبور صاحب رحمانی رحمہ اللہ نے پڑھائی، تجہیز وتکفین کے بعد سارے احباب و متعلقین صبر کی تلقین کرتے رہے، رات میں ان لوگوں نے ہمارے یہاں قیام فرمایا، دیر رات تک تسلی کے کلمات سے نوازتے رہے۔

آپ شروع ہی سے بڑے انسان تھے اور زندگی بھر بڑے بنے رہے، آپ نے اپنے قد کو بڑھانے اور اونچا کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، شہرت ونا موری سے دور رہ کر لوگوں کے دلوں میں اپنا ایک الگ مقام بنا لیا تھا۔

آپ طلبہ سے کام لینے کے عادی نہ تھے، ہاں مجھے اب تک یاد ہے کہ جماعت رابعہ کا ایک طالب علم صحت مند، توانا گورا چٹا اکبر علی، موضع پھریندی اٹوا، سدھارتھ نگر مولانا موصوف کی نگرانی میں رہ کر زیور تعلیم وتربیت سے آراستہ ہو رہا ہے میں نے مولانا موصوف کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا کہ اس طالب علم میں اخلاص تھا، اگرچہ ذہانت وفطانت اس کے اندر کم تھی، لیکن مولانا موصوف کا مطیع وفرماں بردار تھا، وہ آپ کی خدمت کرتا رہتا تھا اور آپ اس کو خارجی اوقات میں نحو وصرف پڑھایا کرتے تھے، یہ حقیقت ہے کہ جن شاگردوں نے اپنے اساتذۂ کرام کی عزت وتوقیر کی اور خدمت کر کے ان کو خوش رکھا وہ دنیا میں کامیاب وسرخرو ہوئے اور اللہ آخرت میں اس کا اجر ان شاء اللہ ضرور دے گا۔

جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ مولانا موصوف کی عنایات اور آپ کی تعلیم وتربیت کے اثر سے ایک کامیاب معلم اور اچھا داعی بن کر ملک کے کسی صوبہ میں دعوت وتعلیم کا فریضہ انجام دے رہا ہے تو بڑی خوشی ہوئی۔

مولانا موصوف طلبہ کے تعلق سے بہت رحم دل، عفو،

اور درگذر کا معاملہ رکھتے تھے، ان کے احساسات وجذبات کا خیال رکھتے تھے۔

جماعت سادسہ کا ایک طالب علم عظیم اللہ نے میرے پاس ایک درخواست برائے رخصت پیش کیا میں نے کہا کہ ۵/روز بعد عیدالاضحیٰ کی تعطیل ہونے والی ہے، اتنے دنوں قبل چھٹی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ میں شادی شدہ ہوں میرے دو یا تین بچے ہیں، ان کے لئے نئے کپڑے تیار کرانے ہیں، ورنہ یہ عید کی خوشیوں سے محروم رہ جائیں گے، میں چونکہ جمعیۃ الاصلاح کا مربی تھا، رخصت دینے کی ذمہ داری میری تھی، اس سلسلہ میں مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ سے مشورہ کیا آپ نے اس طالب علم کو بلایا اور پوری صورت حال سے باخبر ہونے کے بعد فرمایا کہ آپ کو رخصت دی جاتی ہے اور اس کی ہمت افزائی فرماتے ہوئے کہا کہ میں سب سے پہلے تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ شادی ہوجانے اور کئی بچوں کی پیدائش کے بعد دینی تعلیم کے حصول کی خاطر تمہارے شوق ورغبت اور دلچسپی دیکھتے ہوئے رشک آتا ہے، اللہ تعالیٰ تم کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے اور ایک بہترین باعمل عالم بنائے، ایک مرتبہ اس طالب علم سے ممبئی میں ساکی ناکہ خیرانی روڈ، کی اہل حدیث جامع مسجد میں ملاقات ہوگئی تو انھوں نے بتلایا کہ میں مدرسہ ابن قیم، کولھوئی بازار، مہراج گنج میں تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔

مولانا موصوف کی فکر ونظر میں گیرائی وگہرائی تھی، وہ جوڑ توڑ کے آدمی نہ تھے، لیکن کیا کیا جائے دینی مدارس میں کچھ ایسے مزاج کے لوگ ہوتے ہیں جو اکھاڑ پچھاڑ کی سیاست میں دلچسپی اور یقین رکھتے ہیں۔

تعلیمی سال کے اختتام کے بعد جب نیا سیشن شروع ہوا تو مولانا رحمت اللہ اثری صاحب رحمہ اللہ کچھ مجبوریوں کی بنا پر مستعفی ہوگئے، تو ناظم جامعہ مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ کو اس کا دکھ اور ملال ہوا، مجھ کو اور مولانا خورشید احمد سلفی کو بلا کر دکھ بھرے لہجے میں فرمایا کہ اب مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ سے کہہ دیجیے کہ حکومت برخاست ہوگئی ہے، اب اپنی سربراہی میں کابینہ کی تشکیل کریں، اصل میں ناظم صاحب کے ذہن میں کسی نے یہ بات ڈال دی تھی کہ مولانا موصوف صدارت کے خواہش مند ہیں، جب کہ مولانا اس سے کوسوں دور رہتے تھے، یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہر ادارہ میں ایسے قماش کے لوگ پائے جاتے ہیں جو صرف اپنا قد اونچا کرنے کے لئے ایسی اوچھی حرکتیں کرتے ہیں اور نظماء مدارس وذمہ دران سے بے جا شکوہ وشکایت کرتے رہتے ہیں ایسے لوگ ذلیل ورسوا ہوجاتے ہیں اوران کا قد گھٹ جاتا ہے۔

غیروں کو کیا پڑی ہے کہ رسوا کریں مجھے
ان سازشوں میں ہاتھ کسی آشنا کا ہے

بعد میں ناظم صاحب کو پوری حقیقت کی جانکاری ہوئی آپ نے افسوس کا اظہار فرمایا اور مولانا موصوف سے معذرت کا اظہار کیا، یہ علامہ جھنڈانگری کی بہت بڑی خوبی تھی کہ وہ اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے تھے ایسے لوگ اب کہاں ہیں جن کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی ہیں۔ ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

مولانا عبدالحنان فیضی کی شخصیت ایک علم دوست شخصیت تھی، وہ اکابرین کی اور خوردوں کی بڑی قدر کرتے تھے

اوران کی آمد پر اپنی پلکیں بچھا دیا کرتے تھے گو کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے لیکن ان کی یادیں رہ رہ کر ستایا کرتی ہیں ؎

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والے کی یاد آتی ہے

غالبًا مارچ یا اپریل کی بات ہے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد مولانا موصوف میرے کمرہ میں تشریف لائے وہ بے حد خوش نظر آرہے تھے فرمایا کہ علمی دنیا کی ایک معروف شخصیت جامعہ میں وارد ہوئی ہے جس کا نام ڈاکٹر عبدالرحمٰن لیثی ہے جو سدھارتھ نگر کے ایک گاؤں پیپر گڈی، ڈومریا گنج کے رہنے والے ہیں، وہ بعد نماز عشاء مسجد میں آکر نماز ادا کر کے چٹائی پر سو گئے، رات گزار دی ہے، میں نے کئی اہل علم دوستوں سے لیثی صاحب کے بارے میں سن رکھا تھا کہ آج کے دور میں ایسے علماء نہیں ملتے، جو اردو، عربی، ہندی اور انگریزی چاروں زبانوں پر عبور رکھتے ہوں، لیکن موصوف کو ان پر بھرپور قدرت حاصل ہے، اس کے باوجود سادگی، تواضع اور حسن اخلاق کے پیکر ہیں۔

آپ کے اعزاز میں ظہرانہ دیا گیا اور بعد نماز ظہر جامعہ کی جامع مسجد میں آپ کے خطاب کا پروگرام منعقد کیا گیا، جس میں آپ نے پرمغز عربی زبان میں خطاب عام فرمایا، طلبہ کو اور اساتذہ کو عربی زبان میں مشق ومزاولت کی تاکید فرمائی اور دینی تعلیم کی طرف رغبت دلا کر ان کے شوق کو فراواں کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

آپ کے خطاب کی ترجمانی فاضل دوست مولانا شریف اللہ سلفی نے کی، آپ نے مجھ سے دوران گفتگو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران جو تجربہ ہوا، اس کو موثر انداز میں بیان فرمایا، اس سلسلہ میں لیثی صاحب نے اپنے اکابرین خصوصاً اپنے دادا الحاج لیث محمد صاحب کا تذکرہ بڑے جذباتی اور والہانہ انداز میں کیا اور کہا کہ پوتے کے تعلق سے دادا کے دل میں جو محبت، لگاؤ اور بے پایاں عنایت ہوتی ہے اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

میری تعلیم وتربیت میں میرے دادا کا بہت بڑا عمل دخل ہے، جب ہمارے علاقہ میں کوئی دینی اجلاس ہوتا جس میں مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ، سید اقبال حسین رحمہ اللہ اور مولانا عبدالحنان صاحب کے والد محترم مولانا محمد زماں رحمانی اور کسمہی کے مولانا سلامت اللہ رحمہ اللہ اپنے خطابات سے عوام الناس کو مستفید کرتے تو دادا اپنے ساتھ مجھے بھی لے جاتے اور مولانا حضرات سے کہتے کہ میرے اس پوتے کے لئے دعا کر دیجیے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ایک بہترین اور صالح عالم دین بنادے۔

یقیناً مفتی محترم کی وفات سے ہندونیپال میں علمی، تدریسی تربیتی اور دعوتی روایات کے ایک زریں عہد اور روشن باب کا خاتمہ ہو گیا، اب آپ کی کمی اہل علم وفکر کی مجلسوں میں ضرور محسوس کی جائے گی اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی لغزشوں کو درگذر فرمائے ان کی خدمات وحسنات کو قبول کر کے انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے، نیز جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے تاکہ علم وآگہی کا یہ مبارک سفر جاری وساری رہے۔ ؎

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله وأدخله الجنة الفردوس

۞۞۞

مولانا جمشید عالم عبدالسلام سلفی
انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر

یادوں کے جھروکوں سے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيدالأنبياء والمرسلين، نبينامحمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين وبعد!

یہ دنیا فانی ہے اور یہاں کی ہر چیز کو فنا ہے۔ ایک دن ہر کسی کو موت کا مزہ چکھنا ہے، مگر کچھ افراد اور شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وفات سے خود اس کے اہل خانہ اور اعزہ واقارب ہی نہیں بلکہ ایک خلقِ کثیر متاثر اور سوگوار ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ہمارا قریبی ہی موت سے ہمکنار ہوا ہے اور ہمیں داغِ مفارقت دے گیا ہے۔ ولی صفت، معروف ومشہور بزرگ عالم دین شیخ الحدیث علامہ مفتی عبدالحنان محمد زماں فیضی رحمہ اللہ بھی انھیں عظیم شخصیات میں سے تھے، جنھوں نے علم وعمل کی دنیا میں اپنی ممتاز سیرت وکردار، عمدہ اخلاق واوصاف، اعلیٰ تعلیم وتربیت، متانت وسنجیدگی اور قابلِ نمونہ زہد وتقویٰ کا گہرا چھاپ چھوڑا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء کی ٹیم تیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کی خبر لوگوں پر بجلی بن کر گری اور بہتیرے لوگ شدید غم وتکلیف میں مبتلا ہوگئے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

مفتی صاحب رحمہ اللہ کی پوری زندگی تعلیم وتعلم، تربیت وتزکیہ، درس وتدریس، وعظ وارشاد اور دعوت وتبلیغ میں گزری اور آپ نے اپنے پیچھے ایک لمبا خانوادہ متعدد پوتے پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں کے سوا ہزاروں شاگردوں اور عقیدت مندوں کو چھوڑا جو یقیناً آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ آپ رحمہ اللہ علمی دنیا میں جہاں ایک اعلیٰ وممتاز مقام وحیثیت رکھتے تھے وہیں ایک مخلص داعی ومربی بھی تھے۔ عمل وکردار کے اعتبار سے بھی بلند مقام پر فائز تھے نیز عبادت گزاری، متانت وسنجیدگی اور زہد وورع میں بھی کافی بڑھے ہوئے تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی نہایت سنجیدگی وسادگی، علمی وقار اور عالمانہ بود وباش کے ساتھ بسر کی نیز حرص وطمع، کبر وغرور، غیبت وچغل خوری، جوڑ توڑ اور بغض وعداوت جیسے مذموم اوصاف سے اپنے دامن کو بچائے رکھا اور تکلف وتصنع، جاہ وحشمت، بے جا دھونس ودھانس اور انانیت وخود پسندی سے اپنے آپ کو دور رکھا نیز عہدہ طلبی اور مادیت پرستی کے پیچھے نہیں لگے۔ فتنوں اور مادیت پرستی کے اس دور میں جب کہ ہر شخص نفسا نفسی کے عالم میں ہے، مادیت اور حبِ دنیا اکثر لوگوں کے اندر سرایت کر گئی ہے، شہرت وناموری کا ہر شخص طالب ہے،

حسب ونسب پر فخر کرنے کا چلن عام ہے۔ چناں چہ ایسے نازک ترین دور میں جو شخص اپنے آپ کو ہر طرح کی آلائشوں، دنیاوی جھمیلوں اور دنیا طلبی سے بچا کر کتاب و سنت کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگی گزار لے سمجھ لیں کہ وہ بہت کامیاب شخص ہے۔ مفتی صاحب کے اندر یہ خوبی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، دنیا کی بھیڑ میں رہتے ہوئے دنیاوی زندگی کو کبھی کوئی وقعت نہ دی، کبھی آپ کو عالمانہ وقار کے خلاف رخ اپناتے ہوئے اور اپنی شخصیت وخودداری کا سودا کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا ورنہ یہاں تو بڑے بڑے جبہ و دستار والے دوکوڑیوں میں بک جاتے ہیں۔

مفتی صاحب کی زندگی صبر وشکر، عبادت وریاضت اور زہد وورع سے لبریز تھی۔ میں نے آپ کو ہمیشہ ہر حالت میں خوش وخرم اور ہنستا مسکراتا ہوا پایا، کبھی ناشکری کے کلمات نہیں سنے بلکہ ہمیشہ شکر گزاری کرتے ہوئے پایا اور اپنے ملنے جلنے والوں کو بھی ہمیشہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ آخری ایام میں جب کہ آپ بیمار چل رہے تھے اور کئی طرح کی دوائیں اور مختلف غذاؤں سے پرہیز چل رہا تھا پھر بھی چہرے پر وہی نورانیت و بشاشیت برقرار تھی نیز مہمانوں، ملاقاتیوں اور تعزیت کرنے والوں سے بڑی خندہ پیشانی اور خوشی ومسرت سے ملتے تھے، دعائیں دیتے اور خود اپنے لیے بھی دعا کی درخواست کرتے تھے بالخصوص نکمی عمر سے پناہ مانگتے اور عرض گزار ہوتے کہ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ ارذل عمر سے بچائے اور ایمان واسلام پر خاتمہ فرمائے۔

آپ رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن و حدیث کی تعلیم وتعلم میں صرف کیا، تقریباً نصف صدی پر محیط زندگی کو تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری اور دیگر فنون کی درس و تدریس میں پوری لگن وتندہی کے ساتھ گزارا اور سرد وگرم حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے مستقل طور پر اس متبرک پیشے سے منسلک رہے، علاوہ ازیں عام حالات اور معمول کی زندگی میں بھی آپ نے اپنے پند ونصائح اور وعظ وخطاب وغیرہ میں کتاب و سنت کا درس دیا، نبوی تعلیمات و احادیث کو قولی اور عملی دونوں طرح سے لوگوں تک پہنچانے کی سعی پیہم کی۔ یہاں مجھے وہ نبوی دعا یاد آرہی ہے، جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے پڑھنے پڑھانے، اس کی حفاظت کرنے اور دوسروں تک اسے پہنچانے والوں کے لیے کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نَضَّرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ'' ''اللہ اس بندے کے چہرے کو تر وتازہ رکھے جس نے میری بات (حدیث) کو سنا، اسے یاد کیا، اس کی حفاظت کی اور پھر اسے ادا کر دیا (یعنی اسے یاد کر کے دوسروں تک پہنچا دیا)، بعض حاملِ فقہ فقیہ نہیں ہوتے اور بعض فقیہ اپنے سے زیادہ فقیہ تک بات پہنچا دیتے ہیں''۔ (رواه الشافعي والبيهقي فى المدخل ورواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي، كما فى المشكوٰة و صححه الألباني)

مذکورہ بالا فرمان نبوی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے

کہ جو کوئی بھی شخص حدیث کو پڑھے پڑھائے گا، اسے یاد کرے گا اور دوسروں تک پہنچائے گا تو نبوی دعا کے بموجب اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو سرسبزی وشادابی اور تر وتازگی عطا فرمائے گا، اس کی قدر ومنزلت میں اضافہ فرمائے گا اور اسے دنیا وآخرت کی مسرت وشادمانی سے نوازے گا۔

درحقیقت مفتی صاحب کی روشن وشفاف زندگی اور حدیث نبوی کی تعلیم وتعلم کے عمل و وظیفے کو دیکھنے اور پرکھنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی فرحت وتازگی اور ہشاشت وبشاشت کی وجہ شاید یہی رہی ہو کہ پوری زندگی انھوں نے حدیث کی تعلیم دی، خود بھی احادیث کو پڑھا، یاد کیا اور عملی اعتبار سے انھیں اپنی زندگی میں داخل کیا، طالبانِ علومِ کتاب وسنت تک انھیں پہنچایا اور دیگر لوگوں کو بھی اس کی جانب راغب کیا نیز احادیث کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ساتھ خود بھی احادیث کی تشریح ووضاحت کی اور مختلف جہات سے ان سے مسائل کا استنباط واستخراج کیا اور پھر اپنے طلبہ وطالبات اور دیگر لوگوں کو بھی فہمِ صحابہ کے مطابق احادیث سے مسائل کا استنباط واستخراج مسائل اور اجتہادی کارنامہ انجام دینے کا ہنر وسلیقہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی عزت وتکریم سے بھی نوازا تھا، چناں چہ عوام الناس اور علمائے کرام کی معتد بہ جماعت آپ کو بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور لوگ آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ میں نے خود جب سے ہوش سنبھالا آپ کو علم وعمل کا مرقع پایا اور عزت وتوقیر کی بلندی پر دیکھا، میرے اپنے گاؤں انتری بازار میں جتنی عزت وتکریم آپ کی کی جاتی تھی کسی اور کو قدر ومنزلت کے اس مقام پر میں نے نہیں پایا۔ جب بھی گاؤں میں آتے لوگ آپ سے ملاقات کے خواہاں رہتے اور اپنے مسائل کو آپ کے سامنے رکھ کر کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا حل چاہتے اور آپ پر بڑا اعتماد وبھروسہ کرتے تھے، کبھی میں نے کسی کو آپ کی غیبت وبرائی کرتے ہوئے نہیں پایا بلکہ سبھی لوگ بڑے احترام سے آپ کو مفتی صاحب یا شیخ الحدیث کے لقب سے ملقب کرتے تھے یعنی کہ عند الناس آپ بہت مقبول تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے جنازہ میں جہاں آپ کے شاگردوں اور دیگر محبین وعقیدت مندوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہیں ہمارے گاؤں کے بیشتر افراد نے حتٰی کہ چلنے پھرنے میں تکلیف محسوس کرنے والے بڑے بوڑھوں نے لمبی مسافت طے کر کے جھنڈا نگر کے اندر آپ کے جنازہ میں شرکت کی اور آپ کی مغفرت کے لیے دعائیں کیں۔ یہ عند الناس آپ کی مقبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے جب کہ آپ کے جنازے میں شرکت سے لوگوں کا کوئی مفاد بھی وابستہ نہیں تھا اور نہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو مشروعاتی فنڈ زکی تقسیم کرتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ علی الاطلاق مسلمانوں کے بڑے ہی خیر خواہ تھے، ان کے لیے نصیحت وخیر خواہی کا پہلو رکھتے تھے، میری جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی ہمیشہ آپ کو مسلمانوں کے تئیں فکر مند پایا اور اگر کسی مسلمان کی کامیابی کی کوئی خبر سنتے تو بڑے خوش ہوتے، میرے گاؤں کے بیشتر افراد سے متعلق نام بہ نام ان کے

احوال دریافت فرماتے، انھیں دعائیں دیتے، کسی کے متعلق کوئی ناگفتہ بہ بات سنتے تو بہت افسوس کرتے اور اس کے لیے اصلاح وتوفیق کی دعا کرتے۔

آپ رحمہ اللہ ہمارے یہاں کے منبر ومحراب کے رونق تھے۔عیدین کے امام وخطیب آپ ہی ہوا کرتے تھے اور مدرسہ کی چھٹی کے ایام میں آپ ہی خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق میں نے آپ ہی کا خطبہ سب سے زیادہ سنا ہے۔ہوش سنبھالتے ہی آپ کو گاؤں کی جامع مسجد میں اکثر وبیشتر جمعہ کا امام وخطیب پایا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو افہام وتفہیم کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا، بڑی حسن وخوب صورتی کے ساتھ کتاب وسنت کی باتیں رکھتے تھے کہ جس سے ہر کوئی متاثر ہوتا تھا اور کم پڑھے لکھے افراد بھی آپ کی باتوں کو سمجھ جاتے تھے،آپ کے خطاب کا ایک خاص لَے اور انداز تھا جو مجھے اور گاؤں کے تقریباً سبھی افراد کو بہت پسند تھا بالخصوص بیچ بیچ میں عام بول چال کے دیہاتی کلمات وجملوں کے ذریعہ نہایت سلیقہ اور ہنرمندی کے ساتھ مسائل کو سمجھانا بہت مؤثر ہوتا تھا۔آپ خوب تیاری کے ساتھ خطبہ دیتے تھے،لیکن سادگی کا پہلو ہمیشہ غالب رہتا تھا کسی بھی زاویے سے تصنع وتکلف کا اظہار نہیں ہوتا تھا، کوئی بھی بات بلا دلیل نہیں کہتے تھے، مسائل و فضائل کو بڑی تفصیل سے بیان کرتے تھے،قرآنی آیات اور متنِ احادیث کو جب پڑھتے تھے تو اکثر اس کا ایک خاص انداز ہوا کرتا تھا جو کافی زوداثر ہوتا تھا، دورانِ خطبہ کسی کسی بات پر ہنستے بھی تھے،لوگوں کے استفسارات کی روشنی میں ان کے دینی حالات سے متعلق گفتگو فرماتے اور کبھی کبھی دورانِ خطبہ مسلمانوں کی بدعملی اور گناہوں پر ان کی دیدہ دلیری سے بہت غصہ بھی ہوا کرتے تھے اور اپنی ناراضی کا اظہار کتاب وسنت کی روشنی میں کیا کرتے تھے کہ ایسے لوگوں سے متعلق ایسی ایسی وعیدیں آئی ہوئی ہیں۔ جب کبھی معاشرے میں پھیلی کسی بدعملی کا تذکرہ کرتے اور اس سے متعلق لوگوں کی سستی وکاہلی کو بیان کرتے تو بڑی خفگی کا اظہار فرماتے بلکہ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ برائی کا رسیا شخص اگر آپ کے سامنے آجائے تو اسے مار بیٹھیں گے۔اور بسا اوقات بڑی عاجزی وانکساری سے لوگوں کو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کے دعوت دیتے،کسی خاص مسئلے پر عمل کرنے کے لیے بڑے والہانہ انداز میں فضائل وغیرہ کو بیان کرکے انتہائی قربت ونزدیکی اور خیر خواہانہ انداز میں اس پر عمل کی طرف بلاتے، بہرحال آپ کا خطاب انتہائی پراثر اور نہایت سادہ ہوا کرتا تھا۔ وعظ و خطابت کے علاوہ عملی میدان میں بھی آپ تقویٰ وطہارت، زہد وورع اور سادگی وپرہیزگاری کا حسین پیکر تھے۔اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ رب العزت شیخ محترم کی مغفرت فرمائے، ان کے جملہ حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو درگزر فرما کر انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔آمین **تقبل یا رب العالمین!**

۞۞۞

مولانا عبدالشکور مدنی
استاد جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر، نیپال

بار بار یاد آنے والا غم

استادگرامی شیخ عبدالحنان فیضی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گوناں گوں اوصاف وکمالات کی جامع تھی، جمعیت اور جماعت کے نایاب گوہر تھے مستند عالم دین درس وتدریس کے کہنہ مشق استاد تھے، پیچیدہ سے پیچیدہ عبارت کو بہت ہی آسان اوراچھے اسلوب میں حل کردیتے تھے، ناچیز نے چار سال تک شیخ رحمہ اللہ سے درس لیا اور تربیت حاصل کی، صحیح بخاری شریف جلداول اورصحیح مسلم شریف جلد دوم، تفسیر بیضاوی اور حجۃ اللہ البالغہ کے درس کا شرف حاصل کیا۔

جب جامعہ سراج العلوم میں ناظم جامعہ فضیلۃ الشیخ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ نے دورہ حدیث کے قیام کا ارادہ کیا توناچیز کے گھر سید عبدالقدیر بھائی کے والد محترم حافظ نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ کو اوائل شوال میں جمعہ کے دن بھیجا، محترم نے جمعہ کا خطبہ ونماز سے فارغ ہوکر ناچیز کے گھر ماحضر تناول فرمایا، اور والد الحاج عیداللہ رحمہ اللہ اورچھوٹے ابا محمد رئیس صاحب کو جامعہ سراج العلوم میں ناچیز کے دور حدیث کی تعلیم کے لئے راضی کرالیا، سنیچر کی صبح ہوتے ہی ابا نے کہا کہ جھنڈے نگری صاحب اور شیخ عبدالحنان صاحب سے جاؤ ملاقات کرکے آؤ، غرض یہ کہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں حاضر ہوا، ناظم اعلی سے ملاقات کیا تو ناظم اعلی صاحب نے کہا اپنے استاد شیخ عبدالحنان فیضی سے مل کر آؤ، شیخ محترم رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، شیخ رحمہ اللہ نے جس انداز سے نصیحت فرمایا، علم کی فضیلت اوراستاذ کی اطاعت و والدین کی فرمانبرداری کے باب میں بیان فرمایا کہ ناچیز کا باہر جانے کا ارادہ بدل گیا، شیخ رحمہ اللہ سے اقرار کیا کہ جامعہ سراج العلوم سے فراغت کی تعلیم حاصل کروں گا، وہاں سے اٹھ کر ناظم اعلی صاحب کے پاس آیا تو پوچھا کہ مولانا صاحب سے کیا بات ہوئی پوری بات بتایا شیخ سے وعدہ کرچکا تھا وہ بھی بتایا تو ناظم اعلی صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ تمہارے جتنے ساتھی تھے سب تمہاری تحریر مانگ رہے ہیں، اس لئے آپ لکھ کر دیجئے کہ میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر ہی میں فراغت کی تعلیم حاصل کروں گا۔

بہر حال لکھ کر دیا ناظم اعلی صاحب رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے شیخ عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کو بلایا اور ناچیز کی تحریر دکھلائی، سب کو مٹھائیاں کھلائیں، غرض یہ کہ ناچیز کے ساتھی مولانا کمال الدین صاحب دودھونیاں، مولانا عبدالصمد گورکھپوری، مولانا عین الحق نیپالی، حافظ امتیاز الحق چمپارنی وغیرہ بھی ۱۵؍شوال المکرّم تک جامعہ سراج العلوم تشریف لے آئے، جامعہ میں فراغت کی تعلیم شروع ہوگئی شیخ محترم کا بہت

ہی اہم رول فراغت کا کورس قائم کرانے میں رہا۔

استادگرامی شیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ تعالیٰ حسن اخلاق اورتواضع کے پیکر تھے آپ سادگی پسند تھے۔ظہورو نمائش سے بہت دور تھےاورہم لوگ اس قدر بےتکلف اورنڈر ہوچکے تھے کہ ہمارے اقران وزملاء جوفراغت کے سال میرے ساتھ تھے،جامعہ کی جامع مسجد میں شام کوتکرارومذاکرات کے دوران ذراسااشکال پیدا ہوتا دوڑ کرشیخ محترم رحمہ اللہ کے کمرہ میں پہنچ جاتے چندمنٹوں میں شیخ رحمہ اللہ اشکال دور کردیتے اورعبارت کے معانی اورمفہوم کوسمجھادیتے کہ ہم طلبہ بالکل مطمئن ہوجاتے۔

شیخ محترم رحمہ اللہ سے والہانہ لگاؤ اورمحبت اس قدرتھی کہ ناچیز کی دلی خواہش رہتی تھی کہ کچھ فرمائش کریں اورخدمت کا شرف حاصل ہولیکن جلدی کوئی فرمائش نہیں کرتے تھے،ناچیز نے شیخ کے اندر ہمیشہ سادگی تواضع اوربے نیازی ہی پائی ،میری جب فراغت ہوئی توشیخ رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے پگڑی باندھی اورمصافحہ کرکے مستقبل میں کامیابی کی دعائیں دیں جس کااثراوردعاؤں کی برکت ہی کے نتیجہ میں ناچیزکومملکت سعودیہ کے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے کسب فیض کا موقع ملااورآج تک حتی المقدور دین کی خدمت میں لگاہے چارحج اورحرمین شریفین کی بےشمارزیارت اورعمرہ کاشرف حاصل کیا **اللھم تقبل منا**۔

شیخ محترم رحمہ اللہ پیرانہ سالی وکمزوری اور بیماری کے دنوں میں بھی فتاویٰ اوردعوت وتبلیغ کے کام کوکماحقہ انجام دیتے رہے،شیخ محترم سےاستادوشاگردکااٹوٹ رشتہ آخرتک باقی رہا،آپ کے تلامذہ کی تعدادملک وبیرون ملک ہزاروں کی تعدادمیں دعوت وتبلیغ کا کام انجام دے رہے ہیں، جوشیخ محترم رحمہ اللہ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، ناچیز کے دوبیٹے محمدسراجی اورمحمودسراجی اورتین بھائی مولانامقیم الدین مدنی ، حافظ عبدالصبورسلفی اورثناءاللہ کوبھی شیخ محترم کاشاگردہونے کا شرف حاصل ہے۔

شیخ محترم رحمہ اللہ کی شخصیت عوام الناس اوراہل علم کے درمیان کتنی اہم تھی لوگوں کواس وقت معلوم ہوا جب شیخ محترم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی اورلوگوں تک خبرپہنچی توجمعیت وجماعت اوردعوتی وعلمی حلقے میں بہت ہی دکھ وافسوس کےساتھ سنی گئی ،جنازہ میں عوام الناس علماءطلباءمتعلقین ومتعارفین کی کثرت اوربہت بڑی بھیڑنےنم آنکھوں سےخراج عقیدت پیش کی اورہرکسی سے یہ کہتے سناگیاکہ جمعیت وجماعت اور خاص کرجامعہ سراج العلوم السّلفیہ کابہت بڑاخسارہ ہواہے اورروشن چراغ بجھ گیا۔

اللہ تعالیٰ استادمحترم رحمہ اللہ کی بشری لغزشوں کو اپنے رحمت خاص سے معاف فرمائے اوربال بال مغفرت فرمائے دینی خدمات اورچھوٹی بڑی سبھی نیکیوں کوقبول فرمائے اورجنت الفردوس نصیب فرمائے، جملہ پسماندگان کوخصوصاً اولادواحفادکوصبرجمیل کی توفیق بخشے۔(آمین)

۞۞۞

عجب تھی سادگی، بےنفس ایک گونہ تھے
وہ بودوباش میں اسلاف کا نمونہ تھے
(مصلح نوشہروی)

مولانا انیس الرحمان مدنی
استاد جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر

ایسے مقبول زمانے میں کہاں ہوتے ہیں

استاد گرامی مفتئ جامعہ مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کا اسم گرامی ان علماء اجلہ کے زمرہ میں سرفہرست نظر آئے گا، جنھوں نے دولت وثروت اور جاہ ومنصب کو درجۂ ثانوی دے کر درس وتدریس، علم دین کی نشرواشاعت اور دعوت وتبلیغ کو فرض اولین سمجھا اور اپنی پوری زندگی اسی میں صرف کردی۔

آپ کی علم دوستی اور جذبۂ دین ودعوت نے ہی حیاتِ کاملہ کو راہِ دین میں صرف کرنے کا عزم وحوصلہ بخشا اور یہ رتبۂ بلند صرف آپ ہی کو نہیں بلکہ آپ کے والدگرامی مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ، آپ کے اکلوتے فرزند مولانا عبدالمنان سلفی رحفظہ اللہ اور آپ کے ہونہار پوتے عزیزم مولانا سعود اختر سلفی سلمہ اللہ کو بھی اللہ رب العزت نے راہِ دین کا راہی اور اللہ کا سپاہی ہونے کا شرف بخشا ۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

استادگرامی رحمہ اللہ سے ناچیز کو بھی صحیح بخاری کا درس لینے کا شرف حاصل ہوا، آپ درس دیتے وقت ایک حدیث کی توضیح وتشریح میں کئی کئی حدیثوں کا حوالہ دے کر ہرطرح کے اختلاف وتعارض کا خاتمہ کر کے شریکِ درس طلبہ کو مطمئن کردیتے اورامام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر محدثین وائمہ کے اقوال بھی ذکرفرماتے حتی المقدور آپ کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑتے۔

فن بلاغت کی مشہور کتاب ''البلاغۃ الواضحۃ'' کے درس دینے کا لب ولہجہ اوراسلوب انوکھا تھا،عربی اشعار کی وضاحت کرتے وقت جب آپ مشبہ ومشبہ بہ،حرف تشبیہ ووجہ شبہ کی تعیین فرماتے تو گاہے بگاہے فارسی اشعار بھی پڑھتے اور خاص وعام میں رائج مثالیں بھی پیش کرتے،جن سے ہمارے ہم سبق ساتھی جو اکثر وبیشتر صف اول میں رہتے تھے جیسے: مولانا محمد نسیم مدنی،مولانا محفوظ الرحمٰن مدنی، مولانا محمد جابر مدنی،اورخاکسار سمیت دیگر رفقاء درس خوب خوب محظوظ ہوتے ، بایں طور ہم سب کی علمی تشنگی مکمل طور پر بجھ جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ سارے مضامین کی تدریس کا حق آپ ادا کردیتے تھے اوراپنے تمام تلامذہ کی علمی تشنگی بجھا کرانھیں شادکام کیا کرتے تھے،ساتھ ہی ساتھ آپ کے اندرتواضع وخاکساری وانکساری کوٹ کوٹ کربھری تھی،

شہرت طلبی، ریاونمود اور خودنمائی سے آپ کو حد درجہ نفرت تھی، بہرصورت ''من تواضع لله رفعه الله'' کے آپ بھرپور مصداق تھے۔

میرے محسن ومشفق استاد کا مجھ ناچیز پر یقین و اعتبار کا یہ عالم تھا کہ تقریباً دس سالوں تک صحیح بخاری ودیگر کتب جو آپ کے زیر درس تھیں، ان کے سوالات (ششماہی وسالانہ) کی ترتیب وتبییض آپ نے میرے ذمہ لگا رکھی تھی، جب کہ میری تحریر قابل تعریف کیا قابل دید بھی نہیں ہے، میری تحریر کا تو یہ عالم ہے کہ جب میں مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا تو میرے ایک باصلاحیت وباقار استاد (**ڈاکٹر احمد شعلان المصری،استاد بکلیة الدعوة واصول الدین ،جامعه اسلامیه مدینه طیبه**) امتحانات کے موقع پر امتحانی کاپیاں چیک کرنے کے بعد کہا کرتے تھے ''**یاشیخ أنیس انت تکتب کالنملة والله فکرة جیدة ولکن کتابة تعبان**'' یعنی معلوماتی اعتبار سے کاپیوں کے جوابات بہتر ہیں مگر تحریر پریشان کن ہے۔

ان ساری خرابیوں کے باوجود میرے مشفق استاد مولانا فیضی رحمہ اللہ کا مجھ پر یقین واعتبار بایں اعتبار تھا کہ ہر سال سوالات کی ترتیب وتبییض کا کام یہ کہہ کر میرے ہی ذمہ لگاتے کہ آپ بڑے بڑے حرفوں میں لکھتے ہیں تحریر واضح ہوتی ہے، امتحان ہال میں طلبہ بآسانی حل کرلیا کرتے ہیں، کبھی کبھی تو بذریعہ رکشہ آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے، بڑے اصرار پر پانی وچائے نوش کرتے پھر راز دارانہ طور پر امتحانی سوالات کے ورقے مجھے سونپ دیتے، نماز کا وقت ہوتا تو چوراہے کی مسجد میں نماز ادا کرتے، ورنہ پھر بذریعہ رکشہ ایک گھنٹے کے اندر واپس ہوجاتے، میں ایک دودن بعد ترتیب وتبییض کے ساتھ امتحانی پرچۂ سوالات آپ کو واپس کردیتا، پرچہ حاصل کرتے وقت آپ کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا، جب تک میں آپ سے جدا نہ ہوتا کلمۂ خیر کے ساتھ آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے رہتے اور دعاؤں سے نوازتے رہتے۔

بہرحال آپ کے اس حکم کی تعمیل میں بہ طیب خاطر کرتا رہا اور آپ سے دعاؤں کی سوغات لیتا رہا۔

اللہ رب العالمین شیخ موصوف کی جملہ خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور لغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کی علمی اور دعوتی زندگی کو ہمارے لئے نمونہ بنادے اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔(آمین)

٭٭٭

وہ سادگی وہ تدیّن وہ زہد کیا کہنے
پھر اُس پہ خلق ومروّت کا ایک ہالہ ہے
بھلا سا لگتا ہے یاد آتے خطیب الہند
کہ ایسے خیمے پہ کیا سایۂ ہمالہ ہے

(عتیق اثر ندوی)

مولانا محمد بشیر سلفی
استاد کلیہ عائشہ صدیقہ، جھنڈانگر

آہ! میرے مربی و مشفق استاذ شیخ الحدیث مفتی مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ

استاذ الاساتذہ نمونۂ سلف حامل کتاب وسنت، زہدورع کے پیکر، باکمال وصف سے متصف لائق وفائق استاذ حضرت العلام مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنتے ہی میرے اوپر بجلی گر پڑی اور میں سکتہ کے عالم میں ہوگیا، آنکھیں اشکبار ہوگئیں، لیکن فیصلہ الٰہی پر صبر وتسلیم اور قضا وقدر پر راضی برضا ہونا ہی شان ایمان ہے کیونکہ "للہ ما اعطی وله ماأخذ وكل شئی عنده إلى أجل مسمى"

آپ ضلع سدھارتھ نگر کے مشہور اور مردم خیز گاؤں انتری بازار سے تعلق رکھتے تھے، جہاں بڑے بڑے علماء اہل علم اور دانش ور پیدا ہوئے، انھیں ہستیوں میں آپ کے والد گرامی عالم ربانی حضرت مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ گزرے ہیں، جن کے آپ اکلوتے اور لائق فرزند تھے۔

استاد محترم بہت ہی متواضع، منکسر المزاج اور سیدھے سادے انسان تھے، کرّ وفرٹھاٹ باٹ اور ریاونمود سے ہمیشہ دور رہے، سادگی اور قناعت پسندی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

آپ کی شخصیت اس قابل ہے کہ آپ کے زریں خدمات پر علماء ودعاۃ، مدرسین اوران کے تلامذہ خراج تحسین پیش کریں، میں اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے باوجود آپ کی شخصیت کے چند گوشوں کا خاکہ نذر قرطاس کرنے کی سعی کررہا ہوں تاکہ ناچیز بھی آپ کے عقیدت مندوں کی فہرست میں آجائے۔

أحب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقني صلاحا

مفتی جامعہ رحمہ اللہ علیہ سے میرے دیرینہ تعلقات تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کے والد محترم مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ اور آپ کے خسر مولانا فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کا میرے گاؤں ''گنجہڑا'' میں دعوت وتبلیغ، جمعہ وجماعت کے لئے آنے جانے کا سلسلہ برابر رہا۔

گاؤں کی معزز ہستیوں کے علاوہ میرے دادا محترم میاں حکمدار رحمہ اللہ علیہ سے اچھے تعلقات تھے کیونکہ دادا محترم رحمہ اللہ بڑے علم دوست اور علماء نواز تھے، میں اپنے بزرگوں سے سنتا رہا کہ مولانا رحمہ اللہ جھنڈانگر پڑھاتے ہیں، لیکن آپ سے قربت اس وقت ہوئی جب میں نے اپنے یہاں سے مکتب کی تعلیم مکمل کرکے غالباً ۷۲-۱۹۷۱ء میں ایک بے نوا اور بے مایہ طالب علم کی حیثیت سے جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر میں داخلہ لیا تو مجھے استاذ الاساتذہ مفتی جامعہ رحمہ اللہ جیسے مہربان استاد کی شفقتوں کا سہارا ملا اور صرف یہی نہیں بلکہ ۱۹۷۶ء میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں داخلہ لیا اور حسن اتفاق آپ وہاں مدرس تھے تو وہاں بھی آپ میرے ساتھ نہایت ہمدردی وشفقت سے پیش آتے رہے اور برابر مطالعہ کتب ومحنت کرنے کی تلقین کرتے رہتے، میری خوش نصیبی کہ آپ جیسے مشفق استاد کی خدمت میں حاضری اور آپ سے مستفید ہونے کا بھرپور موقع ملا اور آپ کی بے پایاں شفقت

ورہنمائی اوردعاؤں کی بدولت اس لائق ہوا اورمیدان درس وتدریس اوردعوت وتبلیغ دین میں مصروف ومشغول ہوں فللہ الحمد علی ذلک۔

آپ کے امتیازی اوصاف میں جوسب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ہے زبردست تدریسی لیاقت وصلاحیت۔جس نے آپ کو وہ مقام عطا کیا کہ جملہ علوم وفنون بالخصوص تفسیر، حدیث وغیرہ پڑھانے میں بھرپور قادر رہے اوراستاذ الاساتذہ کے درجے پرفائز ہوگئے۔

آپ کوعلم وفضل میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جوبلند مقام حاصل ہوا اس میں آپ کی محنت وجاں فشانی کے ساتھ آپ کے والدگرامی مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ علیہ کی تربیت کا خاص دخل رہا، آپ کی اعلیٰ صلاحیت ہی تھی کہ علامہ خطیب الاسلام جھنڈانگری رحمہ اللہ جیسا جوہر شناس نے اپنے ادارہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ میں بحیثیت مدرس واستاد منتخب فرمایا، جوان کی قابلیت کی پختہ دلیل ہے اس کے علاوہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس جیسے مرکزی ادارہ کے لئے ناظم جامعہ مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ کی نظرانتخاب پڑی تھی جوآپ کی اعلی صلاحیت ومہارت کی دلیل ہے۔

استادمحترم اپنی متعلقہ کتابوں کوبڑی دیدہ وری اورعرق ریزی سے مطالعہ فرماتے اورایسے ڈھنگ سے درس دیتے کہ موضوع اوردرس کاحق اداہوجاتا، افہام وتفہیم کامادہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجودتھا۔

مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کرشنانگر کے زیراہتمام اپریل ۱۹۹۶ء میں شیخ عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ کی سرپرستی میں دوہفتے کاایک پہلا دورۂ تدریبیہ ریفریشر کورس منعقد ہوا جس میں ناچیز بھی مدرسہ اصلاح المسلمین السّلفیہ، مہراج گنج نیپال کی جانب سے نمائندگی کرتے ہوئے اس دورہ میں بحیثیت طالب علم شریک ہوا، اس دورہ کے لئے مولانا مدنی نے جہاں ہرفن اورمضمون کے لئے اچھے باصلاحیت اوراپنے فن کے متخصص علماء اورمدرسین کرام کاانتخاب کیاتھا تفسیر جیسے اہم مضمون کا درس دینے کے لئے استاذ گرامی رحمہ اللہ کومنتخب کیاتھا جوآپ کی درسی مہارت وقابلیت کی روشن دلیل ہے۔

غرض کہ آپ نے تفسیر بیضاوی کاایسا جامع اوردل نشیں انداز میں درس فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کما حقہ ہم تمام مستفیدین کی سمجھ میں آپ کے جامع درس سے حاصل ہوا۔

جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، میں باکورۃ الأدب اورجامعہ سلفیہ بنارس میں آپ سے جامع ترمذی، پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، چونکہ بنارس میں آپ کی صحت برابرخراب رہتی تھی، اس لئے دوبارہ جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر چلے آئے اورآپ سے مزید درسی کتابیں پڑھنے کا موقع نہ مل سکا۔

استادمحترم رحمۃ اللہ علیہ میرے بڑے مشفق ومہربان استاد تھے، یادش بخیر! جس وقت میں جامعہ سراج العلوم السّلفیہ سے عالم اول (جماعت خامسہ) پڑھ کر جامعہ سلفیہ بنارس گیا تو آپ کی شفقت برابر میرے ساتھ رہی۔چونکہ جامعہ سلفیہ کابڑا شہرہ تھا اورمجھے وہاں تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا، جس کے لئے ۱۹۷۶ء میں وہاں جانے کے لئے تیارہوگیا، جب مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ کو پتہ چلا کہ میں بنارس جارہاہوں تومیرے نام ایک مفصل خط لکھ کرمیرے استادمولانا رحمت اللہ صاحب اثری رحمہ اللہ کے ذریعہ بھیج کر مجھے اپنے جامعہ میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کہا، چونکہ میں نے پہلے ہی سے بنارس جانے کاپختہ ارادہ کرلیاتھا، اس لئے جھنڈانگر واپس جانے سے انکارکردیا، جس کامولانا رحمانی رحمہ اللہ کوکافی ملال ہوا، اس زمانہ میں مولانارحمانی رحمہ اللہ کاسفر بنارس برابرہوا کرتا تھا، میرے وہاں جانے کے بعد جب آپ جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے تومجھے طلب کیا آپ کے رعب اورڈانٹ ڈپٹ کے ڈرسے آپ کی خدمت میں جانے سے شرمارہاتھا جس کی شکایت آپ نے استادمحترم رحمہ اللہ سے کی پھر

آپ نے مجھے بلوایا اور نہایت نرمی وشفقت سے سمجھایا کہ مولانا بڑے بزرگ عالم اور محسن ہیں جا کر ملاقات کرلو، میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے جامعہ کے دارالضیافہ میں گیا تو موصوف نے نہایت پیار اور شفقت سے فرمایا کہ بیٹا! میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم جامعہ میں داخلہ لے کر اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کرو بلکہ میں یہ چاہتا تھا کہ تم جیسے شریف، سنجیدہ طالب علم ہمارے جامعہ میں تعلیم حاصل کریں اس کے علاوہ بہت سی قیمتی نصیحتیں فرمائیں، اس کے بعد ہی سے تو مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ میرے برابر ہمدرد و محسن رہے، اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اس واقعہ کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ استادگرامی رحمہ اللہ خود بھی بڑے بزرگ عالموں کی قدر وعزت کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کی بھی اس کی تلقین فرماتے۔

اس طرح ۱۹۹۹ء کے شروع میں مدرسہ اصلاح المسلمین السّلفیہ، مہراج گنج سے جب مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ نے وہاں کے تین اساتذہ مولانا شفیع اللہ مدنی، مولانا شرافت حسین سلفی اور مجھ ناچیز کو اپنے یہاں طلب فرمایا تو مجھے حکم دیا کہ بیٹے! کلیہ عائشہ صدیقہ میں استاد کی ضرورت ہے تم وہاں چلے جاؤ تو مجھے کچھ تردد ہوا کہ نسواں مدرسہ میں کیسے پڑھاؤں؟ تو مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا سوچتے کیا ہو، جاؤ مجھے تم پر اطمینان ہے، تم سنجیدہ شریف اور ہمارے جامعہ کے طالب علم رہ چکے ہو، میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں، اس پر استادگرامی مفتی جامعہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہم دردانہ ومشفقانہ انداز میں فرمایا کہ تیار ہو جاؤ میں بھی وہاں کچھ کتابیں پڑھا رہا ہوں اور عزیزم عبدالمنان سلفی بھی پڑھا رہے ہیں، چنانچہ مجھے آپ کی شفقت اور محبت سے بڑا حوصلہ ملا، میں نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر آپ سے استفادہ کرنے اور آپ سے سیکھنے سمجھنے کا اچھا موقع اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس طرح سے آپ کے ساتھ رہ کر کلیہ عائشہ صدیقہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کا شرف بھی حاصل ہوا، اور گاہے بگاہے آپ سے سیکھنے، سمجھنے اور استفادہ حاصل کرنے کا زریں موقع ملا، چنانچہ اگر کوئی عبارت یا مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو آپ سے سمجھنے اور پوچھنے میں کوئی تأمل اور عار نہ محسوس کرتا اسی طرح آپ بھی نہایت خندہ پیشانی سے سمجھا دیتے۔

جس طرح آپ رحمہ اللہ علیہ کا طریقِ تدریس نرالا، افہام وتفہیم میں دل نشیں انداز اور معلومات سے مزین ہوتا اسی طرح عام گفتگو کے دوران بھی آپ کا انداز ناصحانہ اور مشفقانہ رہتا غرض کہ آپ بہت سی خوبیوں اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، حلم وبردباری اور عجز وانکساری آپ کی امتیازی شان تھی آپ کے شاگردان رشیدان آج علم وفضل کے آفتاب بن کر نہ صرف اپنے علاقہ وجوار بلکہ ہندونیپال میں علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

اسی طرح آپ کے ہزاروں شاگرد ملک وحجاز کی یونیورسٹیوں، کالجوں، جامعات، مدارس ومعاہد میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف ترجمہ وتحقیق اور دعوت وتبلیغ جیسی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں، جو آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہوں گے ان شاء اللہ۔

الغرض آپ کی پوری زندگی درس وتدریس علمی ودعوتی پروگراموں میں شرکت، امامت وخطابت اور افتاء جیسے عظیم منصب پر گزری ہے، اور یہ مقدس فریضہ پورے تسلسل کے ساتھ نصف صدی سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔

آپ کی وفات حسرت آیات بلاشبہ ملت وجماعت اور بالخصوص جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی لغزشوں وخطاؤں سے درگزر فرماتے ہوئے سلف صالحین شہداء وصدیقین کے زمرہ میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین) ✡✡✡

مولانا صلاح الدین سراجی
حال مقیم دوحہ قطر

دادا رحمہ اللہ کی کچھ یادیں

۳ فروری ۲۰۱۷ء رات کے تقریباً ۱۰ ربجے جماعت اہل حدیث کے لئے یہ خبر بجلی بن کر گری کہ مفتیٔ جامعہ دادا جان جناب مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون تغمده الله برحمته رحمة واسعة۔

آپ مفتیٔ جامعہ وشیخ الحدیث اور جامع الجامعہ کے امام وخطیب کے منصب پر فائز تھے، لیکن جہاں آج کے دور میں لوگ معمولی معمولی منصب کو حاصل کرنے کے بعد کافی اکڑ دکھاتے وہیں آپ ان چیزوں سے بہت دور تھے، آپ کے اندر رحم دلی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، آپ اکثر بعد نماز عصر ناظم جامعہ حفظہ اللہ کے دفتر کے سامنے لگی کرسی پر بیٹھتے اور ہر آنے جانے والے سے سلام کا تبادلہ کرتے اور حال واحوال دریافت کرتے، ہر کسی کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آتے، طلبہ جب جامعہ سے باہر نکلتے وقت سلام ومصافحہ کرتے تو آپ بہت خوش ہوتے، آپ تمام طلبہ سے بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ ملتے اور انہیں بلاکر اچھی اچھی نصیحتیں کرتے، آپ شوگر وبلڈ پریشر کے مریض تھے، دوائیں برابر چلتی تھیں اور ۲۰۰۰ء سے میں اکثر آپ کی دواؤں کو لاتا تھا، کیونکہ کچھ دوائیں ایسی تھیں جو بڑھنی میں نہیں ملتی تھیں لہذا جب میں آپ رحمہ اللہ کی دوائیں لانے لگا تو کچھ دوکان والوں سے بات کر کے ان دواؤں کو منگانے کی درخواست کی اور الحمدللہ وہ لوگ راضی ہوگئے، لہذا میرے بیچ میں آنے کی وجہ سے جو دوائیں گورکھپور یا لکھنؤ سے منگانی پڑتی تھیں وہ اب بڑھنی ہی میں دستیاب ہونے لگیں اور جب میں نے آپ رحمہ اللہ سے یہ بات بتائی اور دوائیں فراہم کیں تو بہت خوش ہوئے اور کافی دعاؤں سے نوازا اور کہا کہ بیٹا آج سے ہماری دوائیں آپ برابر لادیا کرو جسے میں نے فوراً قبول کرلیا اور جب تک جامعہ میں رہا برابر یہ کام نبھاتا رہا حتی کہ جب گھر جاتا یا چھٹی ہوتی تو آپ کے لئے دوائیں لاکر ہی جاسکتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ مجھ سے کچھ زیادہ ہی شفقت ومحبت کرتے برابر سمجھاتے اچھی اچھی نصیحتیں کرتے اور دعاؤں سے نوازتے، کہتے کہ بیٹا پڑھنے والے طلبہ کے لئے پڑھائی ہر جگہ ہے جو محنت کرے گا وہ ان شاء اللہ ہر جگہ کامیاب ہوگا لہذا خوب محنت کرو، مجھے یاد آتا ہے کہ جب میں جماعت سابعہ کی تعلیم مکمل کر کے امتحان بعد گھر آنے لگا تو آپ سے ملنے کے لئے گیا اور بعد سلام وکلام واپس آنے لگا تو آپ رحمہ اللہ میرے پیچھے ہی اپنے کمرے سے باہر نکلے، میں جارہا تھا مجھے معلوم نہیں ہوا کہ آپ میرے پیچھے آرہے ہیں، جیسے ہی دارالافتاء کے پاس پہنچا تو آپ نے آواز دی میں نے فورا مڑ کر دیکھا تو آپ میرے پیچھے ہی آرہے ہیں میں رک گیا آپ میرے ایک دم قریب آئے اور ہاتھ کو پکڑ کر کہنے لگے کہ بیٹا اب آپ کی تعلیم یہاں ایک سال اور باقی ہے، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے میں نے

کہا کہ دادا میں سمجھا نہیں کہنے لگے کہ اگلے سال کی تعلیم کہاں مکمل کرنی ہے؟ تو میں نے فوراً کہا کہ دادا میں یہیں آؤں گا اتنے دنوں سے یہاں ہوں تو اب ایک سال کے لئے ادھر ادھر دوڑنے سے فائدہ نہیں ہے، میرا جواب سن کر بہت خوش ہوئے، ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ بیٹا اگلے سال یہیں آنا تا کہ میں بھی آپ کی کچھ خدمت کرسکوں میں نے کہا دادا یہ کیا بات ہے؟ کہنے لگے بیٹا آپ اتنے سالوں سے میری اتنی خدمت کررہے ہو، جن دواؤں کی فراہمی کے لئے میں کافی پریشان رہتا تھا ختم ہونے کے ہفتہ عشرہ پہلے ہی گورکھپور لکھنؤ سے منگانے کے لئے پریشان رہتا وہ آپ نے اتنا آسان کردیا اور ابھی تو میں بھول بھی چکا ہوں کہ کون سی دوائیں یہاں نہیں ملتی ہیں، آپ نے میری اتنی خدمت کی ہے تو بیٹا میری دلی خواہش ہے کہ میں بھی آپ کی کچھ خدمت کرلوں، میں چاہتا ہوں کہ ایک سال اور آپ کو پڑھالوں، (اور جامعہ میں ایک الوداعی پروگرام منعقد ہوتا ہے جس میں آخری سال کے طلبہ کے سروں پر عمامہ باندھا جاتا ہے) میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سر پر عمامہ میں ہی باندھوں، میں نے فوراً وعدہ کیا کہ دادا ان شاء اللہ یہ نیک کام آپ ہی کریں گے، لہذا مجھے یاد ہے جب پروگرام شروع ہوا اور طلبہ کے سروں پر عمامہ باندھنے کا دور شروع ہوا تو آپ مجھے برابر دیکھ رہے تھے چونکہ میں تیار ہوکر آپ کے نزدیک ہی بیٹھا تھا اور آپ کے حرکات کو دیکھ رہا تھا، جب میری باری آئی تو میں آپ کے پاس گیا، آپ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، کہنے لگے بیٹا صلاح الدین! میں فوراً جی میں جواب دیا اور بیٹھ گیا کیونکہ آپ رحمہ اللہ کا قد چھوٹا تھا اور میں لمبا اس لئے آپ میرے سر تک پہنچ نہیں سکتے تھے تو میں بیٹھ گیا آپ نے فوراً میرے کندھے کو پکڑ کر اٹھنے کو کہا میں نے کہا کہ دادا آپ کو پریشانی ہوگی کہنے لگے تو تم کھڑے ہوجاؤ میں نے کہا آپ کو پریشانی ہوگی، کہنے لگے کہ اٹھو پھر پاس ہی میں موجود استاذ مکرم فضیلۃ الشیخ مختار احمد مدنی رحمہ اللہ نے کہا مفتی صاحب آپ مکمل کھڑے ہوجائیں اور صلاح الدین نصف تبھی یہ عمل آسانی سے انجام پاسکے گا، لہذا آپ ان کی بات کو مان گئے اور آپ دونوں مشائخ رحمہما اللہ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، **الحمدللہ علی ذلک.**

پھر بعد میں جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے کافی دعاؤں سے نوازا اور کہنے لگے کہ بیٹا! آپ نے ماشاءاللہ وعدہ پورا کیا اور مجھے ایک بار پھر اپنی خدمت کا موقع دیا۔

اسی طرح آپ رحمہ اللہ کا ایک واقعہ جو کہ دوران درس ہوا جب میں جماعت سابعہ یعنی کہ فضیلت اول کا طالب تھا اور سال ختم ہونے والا تھا اکثر اساتذہ اپنا اپنا کورس مکمل کر چکے تھے ہم طلبہ تقریبا امتحانات کی تیاریوں میں مشغول تھے جبکہ گھنٹیاں لگ رہی تھیں اور اساتذہ اپنی اپنی گھنٹیوں میں حاضر ہوتے اور جن کا کورس مکمل ہوا وہ آموختہ کراتے اور مشکل سوالات کو حل کراتے اور جن کا کورس نامکمل تھا وہ اپنی کتابوں کو مکمل کرنے میں لگے ہوئے تھے، آپ رحمہ اللہ ہم طلبہ کو صحیح البخاری جلد اول پڑھاتے تھے اب اس کا مکمل ہونا اتنا آسان تھا نہیں کہ وقت سے پہلے ہوجائے لہذا آپ بھی برابر محنت کر کے دو دو گھنٹیاں پڑھاتے کیونکہ ان سے پہلے والی گھنٹی استاذ مکرم شیخ مختار احمد مدنی کی تھی، وہ تفسیر پڑھاتے تھے اور اپنا کورس مکمل کر چکے تھے لہذا ان کی گھنٹی دادا رحمہ اللہ پڑھاتے تھے ایک دن ایسا ہوا کہ آپ نے دو گھنٹیاں مکمل پڑھائیں اور تیسری گھنٹی جو کہ اس دن خالی تھی اسے بھی پڑھایا اور چوتھی بھی پڑھانے لگے جو کہ استاذ مکرم شیخ سلیم الدین مدنی رحمہ اللہ کی گھنٹی تھی، آپ گھنٹی کے بہت ہی پابند تھے

ہمیشہ وقت پر درس گاہ میں حاضر ہوجاتے، آپ باہر تشریف لا چکے تھے میں دروازہ کے نزدیک ہی بیٹھا تھا اس لئے آپ کو دیکھ لیا آپ نے دروازہ کو ہلکا سا کھٹکھٹایا بھی میں نے عبارت پڑھنے والے ساتھی کو اشارہ کیا تو اس نے عبارت پڑھنا بند کردیا دادا رحمہ اللہ نے کہا کہ پڑھو، وہ ساتھی پڑھنے لگا پھر دوبارہ شیخ نے اشارہ کیا لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ کہے اور عبارت پڑھنے لگے، دادا رحمہ اللہ مسائل سمجھاتے رہے میں نے اسی درمیان عبارت پڑھنے والے ساتھی کو تھوڑا سختی سے کہا تو وہ رک گیا، دادا نے پوچھا کیا ہوا؟، اب جب تک کہ میں جواب دیتا اس ساتھی نے کہا کہ صلاح الدین نے روک دیا، اس بات کو سن کر آپ کا بلڈ پریشر بڑھ گیا کافی غصہ ہوئے مجھے بہت ڈانٹا، میں چپ چاپ سنتا رہا آپ نے پھر آگے پڑھانا شروع کردیا آخر کار شیخ رحمہ اللہ درس گاہ میں داخل ہوئے تب تک آپ کی گھنٹی آدھا جا چکی تھی دادا مجھ سے ناراض ہوکر غیر حاضر بنا کر چلے گئے اب دوسرے دن سے جب درس میں آتے دو تین گھنٹیاں پڑھا کر جاتے کوئی کچھ نہ کہتا چاہے کوئی استاذ آئیں یا جائیں ایسا ہی چلتا رہا نہ میں کچھ بولتا نہ آپ ہی، اب حالت یہ ہوگئی کہ آپ اپنے حسب معمول روزانہ دفتر نظامت کے سامنے عصر کی نماز کے بعد بینچ پر بیٹھتے آنے جانے والے طلبہ آپ سے سلام کلام کرتے جبکہ میں آپ کو دیکھ کر پیچھے کے راستے سے نکل جاتا ایسا ہی ایک ہفتہ چلتا رہا، ایک ہفتہ کے بعد ایک دن شام ہی کے وقت میں نکل رہا تھا کہ آپ نے مجھے دیکھ لیا اور بلایا میں آپ کے پاس گیا، سلام دعاء کے بعد پوچھنے لگے کہ کیا ہوا بیٹا! آپ شاید اس دن کے معاملہ سے مجھ سے ناراض ہیں میں نے کہا کہ نہیں دادا ایسی بات نہیں ہے کہنے لگے کہ نہیں جھوٹ مت بولو معاملہ ایسا ہی ہے میں چپ ہوگیا، آپ نے کہا کہ اچھا بتاؤ معاملہ کیا ہوا تھا پڑھنے سے کیوں روک دیا تھا آپ نے؟ میں نے بتایا کہ آپ نے تین گھنٹیاں مکمل پڑھالی تھیں اور چوتھی بھی پڑھا رہے تھے جو کہ شیخ سلیم الدین مدنی رحمہ اللہ کی تھی اور وہ باہر وقت سے پہلے ہی آ چکے تھے اور اشارہ کررہے تھے لیکن آپ نے شاید دیکھا ہی نہیں تو میں نے پڑھنے والے طالب علم کو اشارہ کیا جب وہ نہیں رکا اور ادھر شیخ دو تین بار اشارہ کر چکے تھے پھر اس سے کہا اور اسی پر وہ رک گیا اور آپ ناراض ہوگئے، جب آپ کو پورا معاملہ بتایا تو آپ نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے کہ بیٹا جانتے ہی ہو کہ میں بلڈ پریشر کا مریض ہوں میں معاملہ سمجھ نہ سکا، مجھے لگا کہ شاید تم لوگ پڑھنا نہیں چاہتے ہو اسی لئے کہہ رہے ہو، اچھا بیٹا مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کردو اور اب آئندہ کبھی بھی ایسا کچھ رہے تو ساتھیوں کو اشارہ کرنے یا کہنے کے بجائے مجھے مخاطب کرکے بتادیا کرو، بیٹا مجھے معاف کردو میں نے آپ کو اس دن کافی ڈانٹ بھی دیا اور غیر حاضر بھی بنا دیا، اور ہاں یاد رکھنا اگر میں بھول گیا تو کل اپنی حاضری بنوالینا، لہذا کل جب آپ آئے تو درس کے بعد آپ نے میری حاضری خود بنائی اور تمام طلبہ سے کہا کہ دیکھو اس دن صلاح الدین کی غلطی نہیں تھی بلکہ میں ہی غلطی پر تھا، شیخ سلیم الدین صاحب باہر آ چکے تھے میں نے دیکھا نہیں اور اس نے جب اشارہ کیا تو میں نے دھیان نہیں دیا اس وجہ سے اس کو میں نے غیر حاضر کردیا تھا کہ اس نے غلطی کی ہے اب آج حاضر بنا دیا ہوں کیونکہ اس کی غلطی نہیں تھی، یہ تھا آپ کا سلیقہ طلبہ سے محبت کرنے کا کہ جب معاملہ معلوم ہوا تو خود تسلیم کرلئے کہ مجھ سے چوک ہوئی، یقیناً آپ دل کے بہت ہی نرم تھے۔

اللہ ہم سب کو اپنے سابقین کے چلے ہوئے راستے پہ چلنے کی توفیق دے اور دادا رحمہ اللہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام لوگوں کو ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

✿✿✿

عتیق الرحمان سراجی
جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، نیپال

جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں!

استادمحترم مربی ومرشدی فضیلۃ الشیخ شیخ الحدیث و مفتیٔ جامعہ مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی وفات کی خبرسن کردل کانپ اٹھا، آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ مجھ سمیت جامعہ کے اساتذۂ کرام اورطلبہ آب دیدہ ہوگئے۔ استادمحترم کواللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے بہت ساری خوبیوں اورکمالات سے نوازا تھا، آپ بڑے ہی ملنساراورخوش اخلاق، علماء نواز، دین پسند، سنجیدہ مزاج، متقی وپرہیزگاراورشب زندہ دار تھے، آپ اچھی اشیاء اورموسمی پھل کھانے کے بڑے شوقین اوردل دادہ تھے۔

آپ کی طبیعت میں نرمی اورسہولت تھی، ہرحالت میں اپنی ذات سے دوسروں کوفائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، بالخصوص ہم طلبہ کا بڑا خیال رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی اوردل جوئی کرتے تھے اورہرطرح سے انھیں علمی فائدہ پہنچانے کے خواہش مندرہتے تھے۔ کبھی کسی کواپنی ذات سے تکلیف نہیں پہنچایا، طلبہ پر بے جاسختی نہیں کرتے اورنہ حد سے زیادہ انھیں ڈانٹتے تھے، اسی لیے تمامی طلبہ آپ کے گرویدہ تھے اورہرکوئی آپ کی خدمت کا خواہاں ہوتا تھا، طلبہ کے تئیں تربیت کا پہلو ہمیشہ غالب رہتا تھا، ان سے کبھی کوئی چوک ہوتی توفوراً سرزنش کرتے اورنہایت نرمی سے سمجھاتے اورنبوی اسوہ کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کرتے تھے۔

آپ کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے تھا جونہایت ہی دین پسند اورمتبع سنت تھا، آپ بلاکے ذہین تھے، قرآنی آیات اوراحادیث نبویہ آپ کے نوک زبان تھیں، آپ اپنے فتوؤں کوقرآنی آیات اوراحادیث نبویہ سے مسئلہ کا استنباط کرتے تھے۔ استادمحترم جب کسی سے بات چیت کرتے توسامنے والا آپ کے اخلاق وکردار سے متاثر ہوجاتا تھا، آخری عمر میں بھی الحمدللہ آپ کی یادداشت بہت اچھی تھی، وہ ہرایک کوپہچانتے تھے اوردسیوں سال پرانی باتیں آپ کویاد ہوتی تھیں۔

استادمحترم مجھ ناچیز سے بڑی انسیت ومحبت کرتے تھے، ہرخوشی وغمی میں مجھے یادکرتے تھے اوربارہا ایسا ہوا کہ جب مَیں ملاقات کرنے میں ایک دوروز تاخیر کردیتا توخود ہی بلوا بیٹھتے اورحال واحوال دریافت فرماتے۔ مجھ سے انسیت ومحبت کی یہ حالت تھی کہ بسااوقات اپنے گھریلو معاملات سے متعلق بھی گفتگوکرتے اوراس تعلق سے بہتیری رازونیاز کی باتیں کیا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات گفتگوکرنے کے لیے اپنے پاس بٹھالیتے تھے، یہ آپ رحمہ اللہ کی خوردنوازی تھی کہ مجھ ناچیز پراس قدراعتماد وبھروسہ کرتے تھے اورالحمدللہ میں نے بھی کبھی آپ

کے اعتماد و بھروسہ کو ٹھیس نہیں پہنچایا۔ ایک زمانے میں مربی محترم کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا یا کسی سامان کی ضرورت درپیش ہوتی تو مجھے یاد فرماتے اور پھر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد ڈھیر ساری دعائیں دیتے کہ دل شادکام ہوجاتا اور پھر کارآمد ناصحانہ و مربیانہ کلمات سے نوازتے۔ آہ! آج ہم اپنے مربی و محسن کی دعاؤں کو پانے اور ناصحانہ کلمات کو سننے سے محروم ہوگئے۔

ناچیز کو بہت قریب سے استاد محترم کو دیکھنے اور ان کی خدمت کرنے کا موقع ملا، آپ جب بہت کمزور ہوگئے اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تو نماز اپنے بستر ہی پر ادا کرتے تھے، مگر اس سے غفلت ولاپروائی نہیں برتتے تھے۔ ہمیشہ اپنے بچوں، پوتوں اور شاگردوں کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے تھے اور کہتے تھے کہ بابو! میرے لئے دعا کیا کرو کہ اللہ مجھے سکون قلب عطا فرمائے اور جب میرا خاتمہ ہو تو ایمان پر ہو، آپ ہمیشہ ارذل عمر سے پناہ مانگتے تھے، اور ہر ایک سے دعا کی درخواست کرتے تھے، بات کرنے کا سلیقہ اور سمجھانے کا انوکھا اور نرالا انداز تھا، استاد محترم کی پوری زندگی دین متین کی خدمت، تعلیم و تدریس اور احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت میں گزری، شرک و بدعات اور مروجہ رسوم و رواج کی بیخ کنی اور معاشرہ کی اصلاح میں ان کا گراں قدر کردار رہا ہے۔

ایک بار مولانا خلیل الرحمٰن ندوی، گنجہڑی جو مدرسہ اکرہرا میں ہمارے ساتھ پڑھاتے تھے، بڑے ہی ذی علم اور اردو ادب کے ماہر تھے، میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ عتیق بابو! مفتی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں ایک مسئلہ درپیش ہے، سوچا کہ آپ سے مشورہ کرلوں کیا اس بیماری اور کمزوری میں مناسب رہے گا یا نہیں؟ میں نے کہا کہ شیخ کوئی بات نہیں ہے میں اجازت لے کر آتا ہوں۔ میں آپ کے گھر گیا اور تفصیل بتلایا، آپ نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہے آپ لے کر آئیں مولانا خلیل الرحمٰن ندوی صاحب کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے اپنے درپیش مسائل کو آپ کے سامنے بیان کیا آپ نے انھیں نہایت تسلی و تشفی بخش جواب دیا جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بابو! اب میرے ذہن میں جو بات کھٹک رہی تھی وہ دور ہوگئی اور مفتی صاحب کے جواب سے میں بہت مطمئن ہوں اور تعجب سے کہنے لگے کہ ابھی بھی آپ کو آیات قرآنی اور احادیث رسول یاد ہیں اور ادھر ادھر بھٹکتے نہیں ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ لوگوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ہمہ وقت حاضر رہتے تھے، حتی کہ بیماری کے ایام میں اگر کوئی شخص مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آتا تھا تو اسے بھی خالی ہاتھ اور تشنہ لب واپس نہیں کرتے تھے، بلکہ حتی المقدور اسے شادکام فرماتے اور اس کی علمی پیاس بجھانے کی کوشش کرتے تھے، آپ کے یہاں کسی طرح کی رعونت اور علمی رعب و دبدبہ نہیں پایا جاتا تھا کہ سامنے والے کو بولنے کی اجازت ہی نہ دیں۔

استاد محترم رحمہ اللہ بڑے ہی سیدھے سادے اور سادہ مزاج تھے، شاگردوں کے تئیں آپ کا دل نہایت ہی صاف شفاف تھا، وہ اپنے شاگردوں کو دیکھ کر اور مل کر بہت خوش ہوتے تھے اور انھیں برابر دعاؤں سے نوازتے تھے،

جب میری شادی ہوئی اورآپ کو پتہ چلا کہ مولانا جمیل احمد مدنی رحفظہ اللہ کی بچی کے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے،تو بہت خوش ہوئے اورگھر پر بلایا اور کہا کہ بیٹا! تمہارے خسر بھی میرے شاگرد ہیں اورتم بھی میرے شاگرد ہو،اچھا ہوا کہ دونوں شاگردوں کے درمیان رشتہ ہوگیااور بہت ساری دعائیں دیں اورسلام ودعا کا تبادلہ آخری عمر تک جاری رہا، جب بھی آپ سے ملنے جاتا توبرابرخسرمحترم کے احوال دریافت کرتے ،اللہ تعالیٰ آپ کواس کا اجرعظیم عطافرمائے اورآپ کو جنت الفردوس میں جگہ بخشے۔(آمین)

استادمحترم نے کم وبیش 60/سالوں تک مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، جب کہ زندگی کا بیشترحصہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ،جھنڈانگر میں گزارااور امہات الکتب کا درس دیا۔چالیس سال تک جامعہ سراج العلوم السّلفیہ،جھنڈانگر میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی انجام دیتے رہےاورجامعہ کی جامع مسجد میں 20/ سال تک امامت اورگاہے بگاہے خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ،اس طویل مدت میں قرب وجوار کے مسلمانوں کے خانگی معاملات کوبھی بحسن وخوبی سلجھایا اور بہتوں کے گھروں کوٹوٹنے سے بچایا۔اکثر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ نکاح وطلاق سے متعلق آپ کے پاس مسئلہ لے کرآتے اورآپ جہاں کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے مسائل کوحل کرتے وہیں ان کے آپسی جھگڑوں کوبھی سلجھانے کی کوشش فرماتے تاکہ میاں بیوی کے درمیان الفت ومحبت بنی رہے اورطلاق کی نوبت نہ آئے۔لوگوں کے مسائل کوسلجھانے والا وہ شجرسایہ دار بالآخر اللہ کے حکم ومشیئت سے زندگی کی 85/ بہاریں دیکھ کر مختصر علالت کے بعدہم جیسے ہزاروں شاگردوں اورسینکڑوں عقیدت مندوں کوسوگوارکرکے اس دارفانی سے رخصت ہوگیا اورہم ہمیشہ کے لئے اس کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ **فإنااللہ وانـاالیہ راجعون،اللھم اغفرلہ وأرحمہ وعافہ وعافہ عنہ وأکرم نزلہ ووسع مدخلہ وأغسلہ بالماء والثلج والبردوأدخلہ الجنۃ۔**

آج جامعہ کی درودیوار اورمنبرومحراب سونی ہوگئی، استادمحترم کی حیثیت جامعہ میں اس شجرسایہ دارکی مانندتھی،جس کے سایہ میں ہرایک کوعافیت وسکون ملتاتھا،آج جامعہ اپنے ایک مخلص داعی ومربی اورمفتی کوہمیشہ ہمیش کے لئے کھودیا،جن کی یادیں ہمیں رہ رہ کر برسوں تڑپاتی رہیں گی، اللہ تعالی جامعہ کواس کانعم البدل عطافرمائے۔اورہمیں ان کی تربیت کے مطابق کتاب وسنت کی تعلیمات پرعمل پیراہونے کی توفیق دے۔(آمین)

الحمدللہ آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہےاوروہ سب ملک اور بیرون ملک مختلف میدانوں میں اپنی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں،اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ سب استادمحترم کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے،اللہ تعالیٰ استادمحترم کی جملہ خدمات وحسنات کوقبول فرمائے،آپ کی بال بال مغفرت فرمائے اورآپ کی بشری لغزشوں سے درگذرکرتے ہوئے اعلیٰ علیین میں جگہ عطافرمائے نیز پسماندگان کوصبرجمیل کی توفیق دے۔(آمین)

۞۞۞

مولانا محمد اسلم مبارک پوری
استاد جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

حضرت مولانا مفتی عبدالحنان صاحب اور علمائے مبارک پور

مولانا مفتی عبدالحنان صاحب فیضی (دسمبر ۱۹۳۴-فروری ۲۰۱۷ء) کا شمار ہندوستان کے ممتاز اور شہرۂ آفاق علماء میں ہوتا ہے۔انہوں نے تقریباً نصف صدی تک تعلیم وتدریس اور فقہ وفتاوی کی وادی کو اپنے افکار ونظریات کی تابانی سے منور کیا۔ان کی علمی اور تدریسی خدمات کے تنوع کو دیکھتے ہوئے اگر انہیں 'ہمہ جہت شخصیت' یا 'جلوۂ صدرنگ شخصیت' کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔وہ اپنی ذات میں ایک غیور عالم تھے۔ان کے درخشاں علمی فتاوے، فقہی ژرف نگاہی ،وعظ وتربیت فہم و فراست اور بصیرت کے اعتراف کا دائرہ مسلکی اور ملکی حدود کی بندشوں سے مبرا ہے۔

فقیہ عصر حضرت العلام شیخ الحدیث ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارک پوری کی ہر دل عزیز شخصیت سے کون متعارف نہیں ۔آپ جماعت اہل حدیث کی آبرو اور جماعت کے بے لوث خادم تھے۔نہایت متقی، پرہیزگار، پیکر اخلاق، خصال حمیدہ اور شمائل عدیدہ کے مالک تھے ۔ مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ (دہلی) سے فراغت کے بعد ۱۳۴۵ھ میں شیخ عطاء الرحمٰن صاحب کی ایماء پر مسند تدریس کو زینت بخشی ۔ دارالحدیث رحمانیہ کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اس درس گاہ کی شہرت میں چار چاند لگ گیا۔آپ نے محنت ولگن سے فریضۂ تدریس کو احسن طریقے سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔حدیث کی فقہ وشرح میں باکمال وبے نظیر اور فتوی نویسی میں مرجع خلائق اور ید طولی رکھتے تھے۔تفقہ فی الحدیث کا یہ عالم تھا کہ جب درس حدیث پر بیٹھتے تو سند ومتن دونوں کے عقدے کھول کر رکھ دیتے اور فقاہتِ حدیث کے رازہائے سربستہ آشکارا کرتے جاتے۔

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک عظیم یونیورسٹی تھی' جہاں بیرون ملک اور ملک کے اطراف واکناف سے طلبہ کشاں کشاں چلے آتے تھے۔یہ وہ عظیم دانش گاہ اور درس گاہ تھی جہاں ایک ذرہ نیر تاباں بن جاتا تھا۔اسی درس گاہ کے ایک فاضل حضرت مولانا محمد زماں صاحب رحمانی (۱۹۰۲-۱۹۷۸ء) تھے جو اپنے علاقے کی قدآور شخصیت اور مشہور ومعروف عالم دین تھے۔شیخ الحدیث مبارک پوری رحمہ اللہ کے اخص تلامذۃ میں سے تھے۔دارالحدیث رحمانیہ سے فراغت کے بعد درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کو اپنا مشن بنایا اور توحید کا پرچم بلند کیا۔علاقہ میں پائی جانے والی بدعات وخرافات کو دور کیا،موصوف نیک ، صالح اور پرہیزگار عالم تھے۔آپ کے والد محترم نبی احمد صاحب کی ذات گرامی بھی نہایت سرکردہ اور معروف شخصیت تھی ۔اس علاقہ میں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انتری بازار اور اکناف واطراف میں پھیلے ہوئے شرک وبدعات،خرافات کا خاتمہ آپ اور علامہ عابد علی رحمہما اللہ کی کاوشوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے۔سرخیل جماعت ،مفتی ملت حضرت مولانا عبدالحنان صاحب فیضی آں محترم مولانا محمد زماں صاحب رحمانی کے لائق وفائق فرزند ہیں

،جو علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کارگاہ عمل میں قدم رکھا۔ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کو اپنے روزمرہ کے معمولات میں شامل کیا۔مختلف جامعات اور مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی ۔متعدد کانفرنسوں کو اپنے کلمات وخطبات سے رونق بخشی ۔ مطالعہ کافی وسیع اور تقابلی تھا۔آپ کی تدریس کا انداز نہایت دل نشین تھا۔جن مسائل کو بیان کرتے دلائل وبراہین سے مزین کرکے اس کا حق ادا کر دیتے، اور اس خوش اسلوبی سے بیان کرتے کہ طلبہ کے قلوب واذہان میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہتا۔

راقم الحروف جب مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارک پور میں درجۂ عالمیت میں زیر تعلیم تھا اس وقت جن مدنی اساتذہ کی تقرری ہوئی ان میں محترم مولانا عزیزالرحمٰن صاحب سلفی مدنی حسین آبادی (برادر خورد مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ) تھے۔

جن کو احادیث کا ایک معتد بہ حصہ زبانی یاد تھا۔گاہے گاہے دورانِ درس اپنے اساتذہ کا ذکر خیر کرتے اور ایسے دل چسپ واقعات ہم طلبہ کی گوش گزار کرتے جو محنت ولگن اور دل جمعی کے ساتھ تعلیم کی رغبت دلاتے اور علم کے حصول پر ابھارتے ۔انہی واقعات میں مولانا ومفتی عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کی طرز تدریس کا واقعہ بھی بڑے دل چسپ انداز میں بیان کیا۔آپ فرماتے: کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں احادیث کے ماہر اساتذہ میں استاد محترم مولانا عبدالحنان صاحب حفظہ اللہ بھی ہیں ۔آپ کی تدریس کا انداز نہایت نرالا اور دل نشین تھا۔حدیث کی شرح میں سب سے پہلے کتاب کی عبارت خوانی ہوتی۔پھر اس کا ترجمہ کرتے ۔مشکل الفاظ کے معانی اور مطالب بیان کرتے ۔بعدہ حدیث کی تشریح وتوضیح فرماتے ۔اس کے گوشوں کو یکے بعد دیگرے منظم اور مرتب انداز میں بیان کرتے ۔ جب تک حدیث کی پوری شرح مکمل نہ فرمالیتے کسی کو سوال کرنے کی اجازت نہ تھی ۔ایک مرتبہ کسی حدیث کا درس چل رہا تھا کہ درمیانِ درس ایک طالب علم نے سوال کیا تو یہ ڈر ہوا کہ مولانا اسے ضرور ڈانٹیں گے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔اس طالب علم کا سوال سننے کے بعد شفقت بھرے انداز میں مولانا نے فرمایا کہ ''میں اب آگے یہی بیان کرنے والا تھا کہ اسی درمیان تم نے سوال کر دیا''۔استاد محترم مبارک پوری کہتے ہیں کہ:مولانا نے یہ یوں ہی نہیں بیان فرمایا' بلکہ حقیقت ہے کہ آپ کا درس اس طرح منظم ہوتا تھا کہ حدیث کی تمام جزئیات پر محیط رہتا۔پورا سننے کے بعد دل نشین ہو جاتا اور کسی سوال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی تھی۔

مولانا عبدالحنان صاحب کی تبحر علمی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی حضرت مولانا عبدالوحید صاحب-رحمہ اللہ- جو غیر معمولی فہم وفراست کے مالک اور مردم شناس تھے' جب کسی لائق وفائق استاد کے بارے میں جانتے اور سنتے تو ضرور لانے کی کوشش کرتے تاکہ مرکزی دارالعلوم کے معیار کو مزید بلند کیا جا سکے۔ معیار کی اسی بلندی کے پیش نظر بعض مدارس کے اساتذہ کو تدریس کی دعوت دی گئی ۔اس سلسلہ میں اراکین جامعات ومدارس نے تعاون بھی دیا ۔ چونکہ جامعہ سلفیہ جماعت اہل حدیث کا مرکزی اور منظور نظر ادارہ تھا' اور ہر کوئی اس کی ترقی اور علوشان کا خواب سجا رکھا تھا اس لیے ہمہ وقت قربانی کے لیے تیار رہتا تھا۔حضرت مولانا عبدالحنان صاحب فیضی کی آمد اسی ارتقائی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور جامعہ کی متعدد سرگرمیوں میں شریک وسہیم رہے۔چار سال تک

اپنے علم وذوق سے اس علمی چمن اور یہاں کے طیور خوش نوا کی آبیاری کرتے رہے اور تدریس کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے کہ اسی اثناء میں والد محترم مولانا محمد زماں صاحب رحمانی کی شدید علالت کی اطلاع پا کر گھر کے لیے عازم سفر ہوئے ۔ والد محترم کی تیمارداری نے مولانا کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔

اپریل ۱۹۷۸ء میں والد محترم کی وفات کے بعد دوبارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر تشریف لے گئے ۔ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے ساتھ فتوی نویسی کی خدمات بھی انجام دینے لگے ۔آپ نے باقاعدہ طور پر ۱۹۶۴ء میں شعبۂ افتاء کی ذمہ داری سنبھالی اور اخیر عمر تک اس عظیم الشان خدمات کی انجام دہی میں مصروف عمل رہے ۔علوم شریعت کے اصول وفروع پر دسترس اور کمال حاصل تھا'اور برمحل معلومات کے استعمال اور استحضار پر متمکن تھے'اس لیے بڑا اچا تلا اور مدلل اور مبرہن جواب دیتے تھے۔

بعض مسائل میں شیخ الحدیث مبارک پوری رحمہ اللہ کی طرف مراجعت کرتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے ۔آپ کے فتاوی کئی رجسٹروں پر مشتمل ہیں جسے آپ کے اکلوتے فرزند مولانا عبدالمنان صاحب سلفی حفظہ اللہ نے فقہی ترتیب پر مرتب کیا ہے ۔امید ہے کہ تحقیق وتہذیب کے بعد بہت جلد ہی طباعت سے آراستہ ہو کر قابل اعتماد علمی مرجع کی شکل میں شائقین علم کے ہاتھوں میں نظر آئے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا ایک منجھے ہوئے اور کامیاب مدرس تھے ۔درس وتدریس کی طرح تحریروں میں بھی پختگی پائی جاتی ہے اور موضوع پر سیر حاصل بحث بھی ۔طلبہ سے حد درجہ محبت کرتے اور ان کی اصلاح وتربیت کرتے ۔علم کی جستجو اور اخلاق حسنہ پر ابھارتے ۔اہل علم کی قدر اور ان کے حسب مراتب ان کی تکریم کرتے ۔آپ سیاسی آدمی بالکل نہ تھے ۔ متواضع شخصیت کے مالک تھے ۔حسن اخلاق اور عمدہ کردار کا اعلی نمونہ تھے ۔خلیق اور ملنسار تھے ۔سادہ دل اور خاکساری کے پیکر تھے ۔کم گو اور کم سخن تھے ۔تصنع ،نمود اور ناموری سے دور رہتے تھے ۔مولانا محمد یونس صاحب مدنی (شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس) کا بیان ہے کہ مولانا صاحب ! واقعی اللہ والے اور نہایت سادہ انسان تھے ۔ٹیپ ٹاپ اور تصنع سے دور رہتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو علمائے مبارک پور سے بڑی والہانہ عقیدت تھی ۔بڑے احترام سے ان کا نام لیتے تھے ۔راقم الحروف جب ۹-۲۰۰۸ء میں مشہور سلفی درس گاہ جامعہ اسلامیہ دریاباد (دودھارا، سنت کبیر نگر) میں مدرسی کے فرائض انجام دے رہا تھا تو حضرت مفتی صاحب سے نیاز حاصل کرنے کے لیے مولانا ابوسعدان عبدالوحید سلفی صاحب (جو اس وقت دریاباد میں مدرس تھے) کی معیت میں رخت سفر باندھا ۔ چونکہ میری آمد کا مقصد کچھ اور نہیں'صرف آپ سے شرف لقاء تھا۔اجازت طلبی کے بعد اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔حضرت مفتی صاحب ایک تخت پر آرام فرما تھے ۔'علیک سلیک' اور احوال پرسی کے بعد معلوم ہوا کہ طبیعت قدرے علیل ہے ۔مختصر سا تعارف ہوا ۔کچھ دیر تک علمائے مبارک پور کے احوال، خدمات اور کارناموں پر گفتگو ہوتی رہی ۔اثنائے گفتگو شیخ الحدیث رحمہ اللہ اور دیگر علمائے مبارک پور (مثلا محدث عصر مولانا محمد عبدالرحمن مبارک پوری ،صاحب تحفۃ الاحوذی، حضرت العلام مولانا عبدالسلام مبارک پوری ،صاحب سیرت البخاری، علامہ مولانا عبدالصمد حسین آبادی مبارک پوری) سے اپنی عقیدت اور وابستگی کا ذکر کیا ۔یہ ملاقات اگر چہ مختصر تھی لیکن اپنے دامن

میں بہت ساری معلومات کوسموئے ہوئے تھی۔

مفتی صاحب کا ایک خاص امتیازی وصف یہ تھا کہ اپنے بزرگوں کے اسمائے گرامی کونہایت عقیدت اور محبت سے لیا کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جہاں نیک حوصلہ تھا، صالح جذبہ تھا، انسانیت کی تکریم تھی، عقیدت تھی، اپنائیت تھی، والہانہ محبت تھی، ایک دوسرے کا احترام اور عزت وناموس کی حفاظت تھی۔ اس کے بالمقابل تہذیب وتمدن سے لبریز اور ترقی سے بھر پور ایک ہمارا زمانہ ہے جہاں یہ ساری چیزیں عنقا نظر آتی ہیں۔ نہ بزرگوں کی قدر ہے اور نہ ہی احترام انسانیت' حتی کہ طلبہ اپنے اساتذہ کے اسماء کو اچھی طرح سے لینا تو درکنار، ان کو ہمز ولمز اور سب وشتم کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان کا مذاق اور تمسخر کرتے ہیں اور ان کو نئے نئے القاب دیتے ہیں۔

میں نے نمونۂ سلف، شیخ الحدیث حضرت العلام عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ کے خلفِ رشید حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمانی مبارک پوری حفظہ اللہ تعالی سے کئی بار مفتی صاحب کی تعریف اور مدح کرتے ہوئے سنا۔ سال رواں (۲۰۱۷ء) کے ماہ اپریل کی انتیس تاریخ کو ایک شادی میں شرکت کرنے کا موقع نصیب ہوا تو مولانا رحمانی حفظہ اللہ سے ملاقات کی غرض سے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ علیک سلیک اور احوال پرسی کے بعد جب گفتگو کا سلسلہ کچھ دراز ہوتا گیا تو درمیان میں حضرت مفتی علیہ الرحمہ کا ذکر خیر بھی آیا۔ میں نے حضرت مولانا کو بڑے عزت واحترام کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے سنا اور جس عقیدت واحترام کے ساتھ ذکر کررہے تھے یقین کی حد تک مجھے اندازہ ہو چکا تھا (اور مجھے یہی معلوم بھی تھا) کہ حضرت مفتی صاحب آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اسی اثناء میں جستجو کے انداز میں یہ سوال کر ہی بیٹھا کہ مفتی صاحب کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے؟ جواباً عرض فرمایا: نہیں، ایسا نہیں ہے۔ مولانا کے اس جواب سے میں حیرت واستعجاب میں پڑ گیا۔ حیران وساکت مولانا کو دیکھتا رہا۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں ہورہا تھا اور اپنی معلومات پر کوفت ہورہی تھی کہ یا اللہ یہ معلومات کہاں سے میرے ذہن نشین ہوگئی۔ قصہ مختصر یہ کہ مولانا بڑے وثوق اور تثبت سے فرمارہے تھے کہ: وہ میرے باقاعدہ شاگرد نہیں ہیں اور نہ میں ان کا باقاعدہ استاد ہوں' بلکہ وہ جامعہ فیض عام مئو میں مجھ سے ایک کلاس نیچے تھے لیکن میں جس سال فارغ التحصیل ہوا، اسی سال جامعہ فیض عام میں میری تقرری ہوئی' وہ مولانا کا آخری سال یعنی فراغت کا سال تھا۔ اس لحاظ سے وہ میرے شاگرد ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ مجھے اپنے اساتذہ کے زمرہ میں شمار بھی کرتے تھے۔ اسی تعلق کی بنیاد پر مفتی صاحب جب درس وتدریس سے منسلک ہوئے تو بعض درسی استفسارات اور سوالات کے لیے میرے پاس خطوط لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مجھ سے جو کچھ ہوسکتا تھا میں ان کا جواب دیتا تھا، بلکہ بعض دفعہ والدمحترم (شیخ الحدیث) رحمہ اللہ سے مراجعہ کرنے کے بعد ہی خط کا جواب دیا کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد دیر تک مفتی صاحب کے خصائل وفضائل بیان کرتے رہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نیک دل، تقوی صفت اور اچھے کردار کے مالک تھے۔ تصنع اور بناوٹ سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ ان کے اندر بڑی خوبیاں تھیں، سنجیدہ، خوش طبع اور شریف النفس تھے۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ جماعت اہل حدیث کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اللهم اغفر له وارحمه وأكرم نزله ووسع مدخله ، آمين .

۞۞۞

مولانا ریاض احمد سراجی
استاد جامعہ اسلامیہ دریا آباد

اک علمی چراغ اور بجھا

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، ہر کس و ناکس کو یہ کڑوا جام نوش کرنا ہے، آج وہ تو کل ہماری باری ہے، لیکن بعض حادثات انتہائی کربناک والمناک ہوتے ہیں وہ عرصہ تک ذہن ودماغ پر چھائے رہتے ہیں، بھلانے کی لاکھ کوشش کے باوجود وہ دماغ سے نہیں اترتے، بالکل یہی حال ہمارے استاد، مرشد ومربی علامہ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی وفات کی رحلت کا سانحہ ہے کہ وہ بھلائے نہیں بھولتا۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تعلیمی سفر کا آغاز کرنے سے پہلے آپ کے محاسن وخوبیوں کے بارے میں کچھ باتیں سن رکھی تھیں لیکن جب جامعہ میں داخل تعلیم ہوا تو آپ کو قریب سے جاننے کا موقع ملا۔

آپ کا تعلق علمی خانوادہ سے ہے، آپ کے والد محترم جناب مولانا محمد زماں رحمانی جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے لائق وفائق استاد تھے، والد محترم کی بہترین تربیت نے آپ کی زندگی کو خوشگوار اور جوش عنایت فرمایا تھا، آپ مولانا محمد زماں رحمانی کے علمی ونسبی وارث بنے، آپ نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں علمی پیاس بجھانے کے بعد ہندوستان کی مایہ ناز دانش کدہ جامعہ فیض عام مئو سے فراغت حاصل کی۔

آپ کی شخصیت اوصاف حسنہ سے جامع تھی، آپ نہایت خلیق وملنسار، مہمان نواز، خوش طبع اور خوش مزاج، متواضع اور خاکسار اور علماء وطلبہ کے قدردان تھے، آپ کی زندگی تصنع وتکلف سے پاک تھی، آپ موٹا جھوٹا کھاتے اور موٹا جھوٹا پہنتے تھے، آپ کی پوشاک سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا تھا کہ یہی مفتی صاحب ہیں، ایک مرتبہ ہمارے علاقہ کے ایک مولانا جھنڈانگر تشریف لائے مفتی صاحب کی امامت میں نماز ادا کی، مجھ سے کہنے لگے کہ کیا بانگی صاحب نے نماز پڑھائی ہے؟ میں نے کہا نہیں بلکہ یہ مفتی صاحب ہیں، انھوں نے معذرت کے ساتھ تعجب کا اظہار فرمایا اور کہا اس قدر سادگی کے ساتھ رہتے ہیں!

آپ اپنے ملاقاتیوں سے انتہائی خوش روئی سے ملتے تھے، انھیں عزت کے ساتھ بٹھاتے، ان کی آؤ بھگت کرتے، ان کی خیریت دریافت کرتے اور انھیں بہت ساری دعاؤں سے نوازتے تھے یہی وجہ ہے کہ جو بھی ایک بار آپ سے ملتا وہ آپ کو کبھی نہیں بھولتا اور آپ سے دوبارہ ملنے کی تمنا کرتا۔

آپ کا نام علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے، آپ

ایک مفتی، شیخ الحدیث اورواعظ باکمال کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، وسعت علمی، اورتقوی واخلاص نے آپ کے علمی وقار میں چار چاند لگادیا تھا۔

آپ کو عبارت فہمی میں کمال حاصل تھا ، پیچیدہ عبارت کو آپ سیکنڈوں میں حل کردیتے اورمشکل ترین مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں مہارت تامہ تھی، آپ ذہین وفطین انسان تھے، بخاری شریف کی بہت ساری حدیثیں آپ کویاد تھیں اورآپ یہ بھی بتادیتے کہ صفحہ کے اوپری حصہ میں ہے یا نچلے حصہ میں ہے۔

آپ کا طریقہ تدریس بہت نرالا تھا، ثقیل اور مشکل الفاظ کی تشریح کرتے ،عبارت کا ترجمہ وتشریح کرتے اوران سے مستنبط فوائد واحکام بتلاتے جس سے بآسانی درس ذہن نشین ہوجاتا تھا، طلبہ کوایسے القاب سے مخاطب کرتے جس سے پدری شفقت ومحبت کی جھلک محسوس ہوتی، آپ بیٹا اور بٹیا ہی کے لفظ سے شاگردوں کومخاطب کرتے تھے اورطلبہ بھی آپ کو محبت کی وجہ سے دادا کہا کرتے تھے۔

آپ گاہے بگاہے طلبہ کونصیحت بھی کیا کرتے تھے چنانچہ آپ انھیں انضباط وقت اوراس کے بہترین استعمال اورطلب علم میں زیادہ وقت صرف کرنے اورفضول کاموں سے کنارہ کشی اختیار کرنے، درسی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کے مطالعہ کرنے اوراسلامی وضع قطع اختیار کرنے پر ابھارتے، اسلامی شعائر کی پابندی پر بہت زوردیتے تھے، آپ سحرخیزی کے فوائد بیان کرتے اورطلبہ کوسحرخیزی کی رغبت دلاتے تھے آپ کا کہنا تھا کہ آدمی بعدنماز عشاء جلدی سوئے تاکہ نماز فجر باجماعت آسانی سے اداکرسکے اورفجر بعد نہ سوکر صبح کی برکتوں سے مستفید ہو۔

آپ اپنے شاگردوں کی نشاطات اورکارکردگی سے بہت خوش ہوتے تھے، ان کی ہر ممکن ہمت افزائی کرتے اوران کے بہترین وتابناک مستقبل کے لئے دعائیں کرتے تھے۔

آپ کی خدمات جلیلہ میں سے ایک عظیم خدمت فتوی نویسی بھی ہے، آپ جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر کے مفتی تھے،آپ کے فتاوے کتاب وسنت اورآثار سے مدلل ہوا کرتے تھے، جامعہ والوں نے آپ کے فتاوے طبع کرانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن معلوم نہیں یہ عظیم کام کس مرحلہ تک پہنچا، اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کرے۔

آپ جھنڈانگر وبڑھنی اوران کے قرب وجوار میں خطبہ جمعہ دینے جایا کرتے تھے،اسی طرح دینی اجلاس میں بھی شرکت فرمایا کرتے تھےاورمحفل کی رونق بنتے تھے۔

آپ کی وفات امت اسلامیہ بالخصوص جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے لئے بہت بڑا علمی خسارہ ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولیٰ آپ کانعم البدل عطافرمائے،آپ کی خدمات کوشرف قبولیت بخشے ، آمین، آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے ،آپ کو جنت الفردوس کا مستحق بنائے، پسماندگان کوصبر جمیل عطافرمائے،آمین۔

۞۞۞

مولانا عبدالباقی مظہرؔ، سمرا

علم وعمل کا آفتاب غروب ہوگیا

استاذ محترم مولانا عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ تفسیر، فقہ اور حدیث کے ایک کامیاب مدرس، عالم باعمل اور بے نظیر مفتی تھے۔ آپ کے سانحۂ ارتحال سے صرف جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر ہی نہیں بلکہ پوری علمی دنیا غمزدہ وسوگوار ہے، **اللھم اغفرلہ وارحمہ۔**

استاذ محترم سے میرا تعارف ۱۹۷۰ء میں اس وقت ہوا جب میں نے سراج العلوم جھنڈانگر میں حصول تعلیم کے لیے داخلہ لیا، آپ سے ملنے کے بعد جھنڈانگر کی میری وحشت ختم ہوگئی اور مجھے یقین ہوگیا کہ والد مکرم مولانا عبدالمبین منظرؔ رحمہ اللہ کے بعد ایک مخلص امین اور سچا بہی خواہ استاد مل گیا ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ میں والد صاحب کے بعد آپ ہی سے کچھ سیکھ سکا ہوں کیوں کہ آپ طلبہ کو کامل مطالعہ کے ساتھ انتہائی خلوص سے درس دیتے تھے، طلبہ کے شبہات واعتراضات کا جواب بہت اطمینان سے دیتے، اندازِ درس ایسا ہوتا کہ طلبہ بروقت سبق سمجھ لیتے اور اگر کسی طالب علم نے کہہ دیا کہ ابھی بات واضح نہ ہوسکی تو دوبارہ سہ بارہ سمجھانے میں عار نہ محسوس کرتے، دورانِ درس اپنے اور طلبہ کے درمیان کسی بھی قسم کے رعب وہیبت کو قائم نہ رکھتے کہ طلبہ سہم جائیں اور مزید سوال وجواب سے گریز کریں۔ گھنٹی لگتے ہی کلاس روم میں پہنچ جاتے، بسااوقات جامعہ سے ملنے والے ناشتہ میں دیری ہوجاتی مگر آپ ناشتہ کا انتظار کیے بغیر کلاس میں حاضر ہوجاتے، کچھ وقفہ گزرنے کے بعد آپ کا ناشتہ کلاس ہی میں تپائی پر پہنچ جاتا، آپ تھوڑا وقت نکال کر وہیں ناشتہ کرلیا کرتے تھے۔

جھنڈانگر میں اساتذہ باری باری طلبہ کی انجمن کی صدارت کیا کرتے تھے، مولانا بھی اپنی باری پر صدارت کے لیے بروقت پہنچتے اور ایک ایک طالب علم کی تقریر کو توجہ سے سنتے اور مناسب نوٹ لکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جھنڈانگر میں انجمن کی میری پہلی تقریر مولانا ہی کی صدارت میں ہوئی تھی، مولانا نے میری تقریر سننے کے بعد یوں لکھا تھا کہ عزیزم عبدالباقی نے مکمل تیاری کے ساتھ تقریر کی ہے اور آج کی انجمن کی کامیابی انھیں کی تقریر سے ہے، عزیزم کو چاہیے کہ کوشش جاری رکھیں۔ شروع شروع میں آپ کھڑے ہوکر تقریر یا خطبۂ جمعہ کے عادی نہ تھے، مگر بعد کے ایام میں پابندی سے خطبہ دینے لگے تھے، اس سلسلہ میں آپ ہم لوگوں سے کہتے کہ مجھ سے بیٹھے بیٹھے دیر تک دینی باتیں سن سکتے ہو مگر کھڑے ہوکر کہنے کی مجھے عادت نہیں۔

مگر اس کے باوجود ہم طلبہ کو خطابت کی تلقین کرتے رہتے، دورانِ درس جماعتی ودعوتی کام کرنے والے علماء کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کرتے تھے، مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہم طلبہ میں بھی وہی دینی، تبلیغی اور جماعتی حرکت وعمل کا جذبہ ابھرے، چنانچہ آپ کے ان تشجیعی کلمات سے بہت سے طلبہ میں تقریر، تحریر اور خطابت کا جوہر ابھرا، آج آپ کے سیکڑوں شاگردان مدارس ومساجد سے منسلک ہوکر ملک وبیرون ملک خدمتِ دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

ہزاروں طلبہ نے آپ سے تفسیر، حدیث وفقہ کا درس لیا، عوام نے آپ کے خطبات جمعہ سے فائدہ حاصل کیا، آپ کے فتاوے بہتوں کے لیے ہدایت کا سبب بنے، آپ کے یہ تمام کارنامے آپ کے لیے بلندی درجات کا وسیلہ بنیں گے اور آپ کو مسلسل ان تمام کارناموں کا بدلہ ملتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا محترم کی لغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے ان کی اچھی میزبانی فرمائے اور جنت الفردوس کی لازوال نعمت عطا فرمائے۔ (آمین) ✡✡✡

ڈاکٹر سعید احمد اثری
مہتمم جامعہ خدیجۃ الکبریٰ، کرشنانگر

ماموں جان: کچھ یادیں کچھ باتیں

کل نفس ذائقة الموت

قانون قدرت اور قول فیصل کے مطابق ہر ذی روح کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ میرے ماموں جان مولانا عبدالحنان فیضی نے ۳ رفروری ۲۰۱۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بشری تقاضہ کے مطابق بیحد صدمہ ہوا کہ ایک عظیم ہستی کا سایہ نہ رہا۔ صبر کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔

آپ رحمہ اللہ کا مولد ومسکن مردم خیز، علمی بستی معروف گاؤں انتری بازار، سدھارتھ نگر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس خانوادہ کو علمی، عملی تواضع و خاکساری، خوش اخلاقی، مہمان نوازی، قناعت پسندی جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا ہے، آپ کے والد محترم مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ عالم باعمل تھے، نمونہ سلف تھے اور ہر لمحہ ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے مطابق زندگی گزاریں۔

الحمدللہ ناناجان عالم باعمل اور اسلامی وضع قطع کے پابند تھے ہر بات میں کتاب وسنت کی بالادستی کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ آج بھی آپ کا حلیہ نگاہوں کے سامنے ہے، خوش پوشاک، ہاتھ میں چھڑی، سر پر عمامہ، مہندی سے آراستہ زلف اور ٹخنے سے کافی اونچا شلوار آج بھی نظروں میں منظر گھوم رہا ہے، نانا محترم جناب مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت نے اپنے اکلوتے فرزند مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت نہایت اچھے طریقے سے کی اور انھیں کتاب وسنت کی تعلیم سے آراستہ وپیراستہ کیا، الحمدللہ دونوں شخصیتوں نے علم دین حاصل کرنے کے بعد اپنی اپنی بساط کے مطابق عمر عزیز کے آخری لمحے تک تعلیم وتعلم سے منسلک رہے اور جہاں بھی رہے اور جس ادارے میں رہے باعزت، باوقار اور نمایاں ہی رہے۔ فللہ الحمد۔

ماموں جان رحمہ اللہ کو طرز تدریس میں مہارت تامہ حاصل تھا۔ باذوق طلباء خوب خوب سراہتے اور رطب اللسان ہوتے۔ ایک بڑی خوبی تو یہ تھی کہ طلبہ خوب مانوس ہوتے اور دل کھول کر بلاتکلف سوالات کرتے اور تمام اشکالات پر مدلل جواب ملنے پر اپنے علم میں اضافہ سمجھتے اور فرحت محسوس کرتے۔

آپ رحمہ اللہ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے درسی کتابوں کے علاوہ مزید علم نافع کی جستجو میں منہمک ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اپنے خالی اوقات کو لایعنی کاموں میں ضائع نہیں کرتے بازار بقدر ضرورت ہی جاتے باقی اوقات گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ گزارتے اور بچوں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ وپیراستہ کرتے اور انھیں اسلامی تہذیب

واقدار میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ، نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث کے مطابق ''خیر کم خیر کم لأهله وأنا خیر کم لأهلی''، تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے اور تم سب کی نسبت میں اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔ (ترمذی/ابن ماجہ) کے عملی تصویر تھے۔

ہمارے ماموں جان رحمہ اللہ اپنے اہل خانہ کے لئے بہت بہتر تھے، آپ کو ہمیشہ ان کی فکر دامن گیر رہتی تھی گھر میں کبھی کوئی بڑا تنازعہ نہیں پیدا ہوا اور ممانی سمیت گھر کے سبھی افراد آپ سے بیحد خوش رہتے تھے اور آپ کی بڑی عزت کرتے تھے، ایسا نہیں ہے کہ ایک بڑے عالم دین ہونے کے ناطے اندرون خانہ آپ کی عزت ہوتی تھی بلکہ آپ کا معاملہ ہی ایسا تھا کہ کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملتا تھا۔

ممدوح رحمہ اللہ بے حد قناعت پسند اور اعلی درجہ کے متواضع اور منکسر المزاج تھے اور یہ تواضع وانکساری خالص اللہ کے لئے تھی یہی وجہ ہے کہ عندالناس آپ بہت مقبول تھے۔ اہل خانہ واقرباء تو آپ کی عزت کرتے ہی تھے عوام اور علمائے کرام کی جماعت بھی آپ کا بڑا احترام کرتی تھی اللہ نے آپ کو بڑی عزت وتکریم عطا فرمائی تھی اور یہ صرف ان کے حد درجہ متواضع ہونے کی وجہ سے ممکن ہوا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وما تواضع احد لله الا رفعه الله'' (صحیح مسلم) ''اور جو صرف اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے بلند فرماتا ہے۔''

نرمی اور عاجزی اختیار کرنے سے انسان بعض دفعہ یہ سمجھتا ہے کہ اس میں اس کی ذلت ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا نتیجہ بالآخر عزت وسرفرازی میں اضافہ ہی ہے اور آخرت میں تو یقیناً اس کا حسن انجام واضح ہے کہ اسے بلند درجات سے نوازا جائے گا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے قناعت پسندی اور شکر گزاری اور تواضع خاکساری کے ساتھ اپنے دینی مشن سے وابستگی کی صورت میں نہایت ہی خوشگوار اور باعزت زندگی گزاری، آپ رحمہ اللہ کی تدریسی خدمات مدرسہ سعیدیہ بنارس، جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر نیپال میں رہیں۔ اپنی تبحر علمی کی وجہ سے کہنہ مشق، باوقار، شہرہ آفاق اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔

آپ ایک طویل عرصے سے بلڈ پریشر اور شوگر سے دوچار تھے، ابتداء مرض میں کافی تشویش رہی لیکن اطباء اور معالجین کی جب رہنمائی ہوئی اور انھوں نے یہ باور کرایا کہ اب یہ بالعموم حیات کے ساتھ کمی بیشی لگی رہے گی پھر اس کے بعد بہت ہی صبر وشکر کے ساتھ علاج کرتے رہے اور الحمدللہ خوش گوار زندگی گزارتے رہے۔

آپ رحمہ اللہ نے دوبارہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کو تدریسی خدمات کے لئے انتخاب فرمایا اور جامعہ ہی کے فیملی کوارٹر کو تا حیات اپنا مسکن بنایا جو ناظم جامعہ نے اعزاز کے ساتھ نیز بڑی فیاضی اور سخاوت کے ساتھ اور اولا د واحفاد کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے جاری وساری رکھا اور اسی جامعہ کے مسکن میں داعی اجل کو لبیک کہا ''انا لله وانا اليه راجعون اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا

منہ'' چونکہ بلڈ پریشر اور شوگر، ہارٹ کا عارضہ ہونے کی وجہ سے اکثر و بیشتر طبی خدمات کی ضرورت لاحق رہتی تھی علاج کہیں بھی ہوتا بالعموم میرے ہی زیرنگرانی ہوتے تھے اور صلاح ومشورہ میں شامل رکھتے تھے اس لیے اکثر کبھی طبیب کبھی عزیز ہونے کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔حاضر ہونے پر خوب پذیرائی اور عزت کرتے تھے جس سے میں خود شرمندہ ہو جاتا۔احوال و کوائف کے علاوہ بہت باتیں اور یادیں ہیں جو افادہ عام کے لئے تحریر کی جائیں گی،لیکن اختصار کے مدنظر ایک اسلامی تعلیم پر منحصر بات ذکر کرتا ہوں،ایک مرتبہ طبی ضرورت کے تحت مجھے یاد کیا،اور اس وقت میں لکھنؤ کے سفر پر تھا،سفر کی سہولیات کی وجہ سے صبح سویرے نکلا اور اسی دن عشاء کے بعد گھر واپس آ گیا،اور جب دوسرے دن خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے تو سلام ودعا کے بعد آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ تو لکھنؤ کے سفر پر تھے تو میں نے عرض کیا کہ کل صبح گیا تھا اور تمام مطلوبہ امور ختم ہو جانے کے بعد فوراً گھر واپسی کا پروگرام بنا لیا اور الحمدللہ بعد نماز عشاء بخیر وعافیت گھر پہنچ گیا اس پر ایک حدیث شریف سنائی اور باقاعدہ اس کا ترجمہ کیا اور خوب سراہا بھی، افادہ عام کے لیے وہ حدیث بھی نقل کر رہا ہوں''**عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ السفر قطعة من العذاب يمنع أحدكم طعامه وشرابه ونومه -فإذا قضٰی أحدكم نهمته من وجهه فليعجل**''،''سفر عذاب (دکھ) کا ٹکڑا ہے کہ وہ ایک شخص کو اس کے کھانے، اس کے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے جب تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے سفر کے مقدار اور حاجت کو پورا کر لے تو چاہیے کہ وہ اپنے اہل کے پاس آنے میں جلدی کرے۔''

ائمہ کرام نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے کہ جلد آنے کی تاکید برائے استحباب ہے۔

اسی طرح سے ظرافت کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ سے ملاقات کی غرض سے خدمت میں حاضر ہوا، آپ کی کرم گستری کا کیا کہنا فوراً بیٹھایا اور فرمایا کہ آج آپ کو ایسی چیز کھلاوں گا جو میرے لئے جائز نہیں اور آپ کے لئے جائز۔تھوڑی ہی دیر میں آپ نے میرے لئے گلاب جامن (جو کہ مٹھائی کی ایک قسم ہوتی ہے) پیش کیا، چند لمحوں کے لیے ماحول کو خوشگوار بنا دیا اور سب مسکرا دیئے۔

اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کی تمام خدمات کو قبول فرمائے، بشری لغزشوں کو درگذر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور تمام دینی، رفاہی، تدریسی اور تقریری خدمات کو قبول فرمائے نیز انھیں آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے آمین یا رب العالمین۔

۞۞۞

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

مولانا عبدالنور سراجی
جھنڈانگر، نیپال

ماموں جان رحمہ اللہ: کچھ یادیں کچھ باتیں

فاضل گرامی ماموں جان حضرت مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ سابق مفتی جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، نیپال کی وفات نے جامعہ کی در و دیوار کو جھنجھوڑ دیا، آپ کے اکلوتے فرزند برادر عزیز فاضل مولانا عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ اوران کے اہل خانہ کو گہرا صدمہ پہنچا، لیکن جو غم جامعہ سراج العلوم کو پہنچا اس کی نوعیت ہی الگ تھی، آپ کی وفات کو ایک عہد، ایک دور کا خاتمہ اور ملت کا عظیم خسارہ تصور کیا، بھلا ایسا کیوں نہ ہو؟ جو اپنے استاذ الاساتذہ، بزرگ عالم باعمل، مفتی، مفکر، محدث، مدبر اور شیخ الحدیث جیسی عظیم شخصیت سے محروم ہو گیا ہو، اللہ رب العالمین ہم تمام قرابت داروں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آپ کی بشری خطاؤں کو درگذر فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ (آمین)

آپ کی ۷۵ر سالہ طویل زندگی تعلیم و تعلم خیر و بھلائی سے جڑی تھی، آپ نرم خو، نرم مزاج تھے، شاید ہی کسی نے دیکھا ہو کہ آپ بہت غضب ناک یا زیادہ غصے میں رہے ہوں۔

آپ کی بھولی بھالی صورت سے عوام الناس کو آپ کی علمی شخصیت کا اندازہ نہیں ہوتا تھا، لیکن آپ کی محبت اور قدر و منزلت عوام و خواص سب کے دلوں میں تھی بالخصوص آپ کے آبائی وطن انتری بازار، جھنڈانگر اور اس کے مضافات کے تمام علماء و عوام آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔

آپ رحمہ اللہ کے والد گرامی یعنی میرے نانا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے ایک جلیل القدر اور معروف عالم گزرے ہیں، دریائے بان گنگا کے کنارے انتری بازار محمود واگرانٹ کے رہنے والے تھے، ماموں جان رحمہ اللہ اپنے والد کے بھی اکلوتے فرزند تھے، آپ کے والد نے بھی جامعہ سراج العلوم کی تعلیمی خدمات میں بے جوڑ حصہ لیا ہے، جب بھی رہے صدر المدرسین ہی کے عہدے پر فائز رہے اور اودھی زبان کے ایک بے نظیر خطیب اور مقرر تھے، مدرسہ بحر العلوم انتری بازار کو بھی اپنے خون جگر سے سیراب کیا، آپ کی وفات ۱۶ر اپریل ۱۹۷۸ء ہے، وفات کے موقع پر گاؤں والوں کا اصرار تھا کہ آپ کی قبر مدرسہ بحر العلوم کے احاطہ میں تیار کی جائے، اس موقع پر میرے ماموں جان مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابا جان نے عام قبرستان کے لئے وصیت کی ہے، چنانچہ گاؤں والوں نے وصیت کے مطابق ایک مستحسن قدم اٹھایا اور اس طرح نانا جان کی تدفین عام قبرستان میں عمل میں آئی۔

ماموں جان رحمہ اللہ نے گزشتہ چند برسوں میں اپنے کئی عزیز ترین رشتہ داروں کو الوداع کہا تھا اور ان کی نماز جنازہ ادا کی تھی، اس میں آپ کی بڑی ہمشیرہ میری والدہ محترمہ رحیم النساء جن کی وفات ۷ر ستمبر ۲۰۰۷ء کو ہوئی، ان کے بعد آپ کی شریک حیات ممانی صاحبہ ۲۶ر مارچ ۲۰۱۴ء کو

طویل علالت کے بعد داغ مفارقت دے گئیں، پھر آپ کے بہنوئی والدمحترم مولانا عبدالوہاب ریاضی رحمہ اللہ ۴؍نومبر ۲۰۱۴ء کو اور دسمبر ۲۰۱۵ء میں آپ کے بھانجے عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت شیخ عبداللہ مدنی رحمہ اللہ بھی یکے بعد دیگرے ہم سے رخصت ہوگئے، یہ سبھی جھنڈانگر کی قبرستان میں مدفون ہیں اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔(آمین)

آپ رحمہ اللہ کی تدریسی خدمات جامعہ ہذا ہی میں نصف صدی سے زائد ہے، آپ کئی برسوں تک کلیہ عائشہ صدیقہ کرشنانگر کے بزرگ استاد اور شیخ الحدیث رہے، جو جامعہ ہی کی نسواں شاخ ہے، آپ علم وتواضع، انکسار وعجز، عمل، اخلاق اور رہن سہن میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، آپ معاملات میں کھرے تھے، لین دین، ظاہر اور باطن، حق گوئی آئینہ کی طرح عیاں ہوتا تھا۔

ماموں جان رحمہ اللہ اپنی وسعت کے مطابق پیر پھیلاتے تھے، فضول خرچی سے حد درجہ متنفر تھے، مہمانوں کا استقبال اور ان کی ضیافت میں کافی فیاضی کا مظاہرہ کرتے، مہمانوں کی بدولت رزق میں کشادگی کا تصور ہوتا تھا، آپ کبھی کسی کے دست نگر بھی نہیں رہے، نہ محنت سے کبھی گھبرائے، چادر کے مطابق ہی اپنے پیر پھیلائے، آپ کے عام دروس بھی ایسے ہوتے تھے جس سے علماء وفضلاء وطلبہ وعوام الناس یکساں مستفیض ہوتے تھے، آپ کوئی شعلہ بیان مقرر اور خطیب نہیں تھے پھر بھی آپ کے علمی اور سنجیدہ دروس کا چرچا رہتا تھا، آپ جب جمعرات کو گھر جایا کرتے تھے تو سنیچر کے درس کے لئے پیشگی مطالعہ کر کے جایا کرتے تھے، آپ زندگی بھر مطالعہ کر کے ہی درس دیا کرتے تھے۔

جامعہ کے تمام اساتذۂ کرام آپ کی بے حد توقیر وتکریم کرتے تھے، حدیث اور تفسیر کے نصوص پر آپ کی گرفت اچھی تھی، شاید یہی وجہ تھی کہ تمام اساتذۂ کرام آپ سے رجوع کرتے تھے، آپ کوئی زرق برق لباس زیب تن نہیں کرتے تھے، یعنی شیروانی یا اونچی ٹوپی وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے۔

آپ نے اپنے لئے خود سے کبھی کسی سامان عیش وعزت مہیا نہیں کئے، سر پر سائبان ہی پر شکر گذار رہے، آپ صرف میرے ماموں جان ہی نہیں تھے، بلکہ میرے مربی اور استاذ بھی تھے، میں نے آپ سے بہت ساری چیزیں سیکھی ہیں۔

خطیب الإسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کو منصب افتاء پر فائز کیا، مولانا جھنڈانگری ایک عالمی شہرت یافتہ، جلیل القدر بزرگ عالم دین ہونے کے باوجود مفتی صاحب کے درس میں برابر شریک ہوتے تھے، آپ نے عمر عزیز کا بیشتر حصہ جھنڈانگری رحمہ اللہ کی نظامت اور سرپرستی ہی میں گزاری اس کے بعد آپ کے خلف الرشید عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت حضرت مولانا شمیم احمد ندوی رحفظہ اللہ کی نظامت میں گزاری، ندوی صاحب نے آپ کا احترام پہلے ہی کی طرح برقرار رکھا اور آپ کو ہر طرح کی مراعات اور سہولیتیں فراہم کیں، اللہ انھیں جزائے خیر سے نوازے۔(آمین)

آپ کے اکلوتے فرزند حضرت مولانا عبدالمنان سلفی ر حفظہ اللہ اور آپ کے پوتے عزیزم مولانا سعود اختر سلفی سلمہ اللہ الحمدللہ آج بھی جامعہ میں تدریسی، دعوتی وتالیفی نشر واشاعت کی خدمات پر مامور ہیں، ہمیں امید ہے کہ آخری سانس تک جامعہ سے اپنا رشتہ قائم رکھیں گے، اللہ تعالیٰ انھیں شرف قبولیت بخشے اور آپ کے لئے یہ صالح اولاد توشۂ آخرت ثابت ہوں۔۔(آمین)

اہل علم کے درمیان آپ کی علمی شخصیت معروف ہی تھی، اسی طرح عوام الناس بھی آپ کی ذات گرامی کو بہت محترم جانتی تھی اور وہ بے حد قدر کرتی تھی، آپ کو بے پناہ اردو عربی و فارسی کے اشعار زبان یاد تھے، قرآن کریم کی بڑی بڑی سورتیں اور موقع محل کے اعتبار سے قرآن کریم کی آیتیں زبانی برمحل سناتے تھے، سیکڑوں احادیث متن کے ساتھ یاد ہوتے تھے لیکن بڑھاپے میں احادیث یاد تو ہوتے تھے لیکن متن میں شک ہونے لگا تھا جس کے لئے معجون، اطریفل اسطخودوس وغیرہ کثرت سے استعمال کرتے تھے، ذیابیطس ،قلب اور دیگر عوارض انسانی کے سبب رفتہ رفتہ نقاہت اور کمزوری بڑھتی رہی، آخر کار وقت موعود آپہنچا اور آپ اس دارفانی سے کوچ کر گئے ،انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے صرف علماء وفضلاء ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ شاگردوں میں بڑے تاجر، حکیم اور ڈاکٹر ،سماجی کارکن بھی ہیں،آپ نے شاید یہ کبھی محسوس نہیں کیا ہوگا کہ میرے جنازہ میں ہزاروں علماء وفضلاء پورے ہندونیپال سے یکجا ہوں گے۔

۳؍فروری ۲۰۱۷ء بروز جمعرات بعد صلاۃ ظہر جنازے میں شرکت کے لئے آپ کے محبین ومعتقدین ،اہل علم کا سیلاب امنڈ پڑا، ہر چہار جانب سے موٹر سائیکل، گاڑیوں اور بسوں کی وجہ سے بڑھنی وجھنڈانگر کھچا کھچ بھر گیا، یکایک علماء وعوام کی جم غفیر نے بازار میں ہلچل مچا دیا تھا، ہمارے برادران وطن کو شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے اتنے بڑے دھرم گرو سراج العلوم میں رہتے ہیں، انہیں اس بھیڑ سے تعجب بھی تھا۔

جنازے میں ہزاروں دعاۃ، علماء ،طلبہ اور دانشوران کی شرکت سے امید ہے کہ اللہ رب العالمین آپ کے ساتھ خیر کا معاملہ کیا ہوگا، جیسا کہ آپ کی روح بآسانی پرواز ہوئی اور آپ کی دعا کی قبولیت دیکھنے میں آئی بایں طور کہ اللہ نے آپ کو طویل زندگی کے باوجود ارذل عمر سے محفوظ و مامون رکھے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور جھنڈانگر کے قبرستان میں مدفون ہوئے، جامعہ سراج العلوم وکلیہ عائشہ صدیقہ اور مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ نے باہر سے آنے والے شرکائے جنازہ کے لئے بڑے پیمانہ پر کھانے وپینے کا نظم کئے ہوئے تھے۔

ہم بوریہ نشیں ہیں زمانے کی آبرو
جو لوگ آسماں ہیں ہم سے ملا کریں

(مجاز اعظمی)

یوں تو آپ کے سارے شاگرد محبوب تھے کبھی کسی سے مزاحمت پیش نہیں آئی لیکن ہاں الحمدللہ میں نے آپ کے دوشاگردوں کو اور دیکھا (۱) مولانا عبدالوکیل معلم نسواں مدرسہ ڈومریا گنج (۲) مولانا عبدالحمید صاحب تنوا والے ان دونوں بزرگوں نے شاگردی کا حق ادا کیا، یعنی آپ کے عیش وآرائش کے لئے اور آپ کو ادنیٰ زحمت سے بچانے کے لئے ان دونوں شاگردوں کی نظریں آپ پر جمی رہتی تھیں چاہے آپ کو میز پر کتابیں رکھنی ہو یا اٹھانا ہو وہاں بھی اپنی نگاہ جمائے رہتے تھے بجلی کی طرح اپنے ہاتھ بڑھا دیتے تھے ان دونوں شاگردوں کو آپ کے قدموں میں خدمات کے لئے نچھاور پایا گیا ،اللہ رب العالمین ان کی خدمات قبول فرمائے ،استاد شاگرد کے بیچ کی یہ محبت میں نے کہیں اور نہیں دیکھی، نہ غلام آقا کے بیچ نہ بیٹا باپ کے ساتھ یہ نرالا انداز ہی کچھ اور رہا۔

❁❁❁

مولانا محمد اکرم عالیاوی
استاد جامعہ خدیجۃ الکبریٰ، کرشنانگر

آہ! ماموں جان اب نہ رہے

حضرت مولانا مفتی عبد الحنان رحمہ اللہ میرے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ میرے خسر بھی ہوتے تھے، آپ سے تقریبا ہر روز ملاقات کرتا اگر کسی دن ملاقات نہیں کرپاتا تو طبیعت لگی رہتی، جب بھی پہنچتا آپ والہانہ استقبال کرتے اور کچھ کھانے کے لیے پیش کرتے۔

آپ ایک انتہائی بھولے بھالے انسان تھے، شہرت طلبی سے کافی دور تھے، دل میں کسی کے لیے حسد، کینہ نہیں تھا، عہدوں سے بیزار تھے، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ میں کچھ دنوں تک شیخ الجامعہ کے عہدے پر فائز رہے، مگر ان کی زندگی میں کبھی کسی نے کوئی فرق محسوس نہیں کیا۔

آپ آخری دم تک شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے، آپ کی شخصیت اتنی بھولی بھالی تھی کہ لوگ آپ کی باتوں کو بڑی غور وفکر سے سنتے اور عمل کرنے کی کوشش کرتے، آپ کوئی شہرہ آفاق خطیب نہ تھے، مگر جو بات کہتے دل میں اترتی، جامع مسجد میں درس حدیث کا اہتمام فرماتے، آپ کا کوئی بھی فتویٰ ہو لوگ شرح صدر کے ساتھ قبول کرتے چونکہ آپ کی شخصیت بڑی صاف ستھری تھی۔

انتقال سے دس سال قبل دل کا دورہ پڑا، یہ دورہ رات میں آیا تھا، شہر کے معروف معالج ڈاکٹر انوار صاحب نے دیکھا، اور فرمایا صبح تک انتظار کریں صبح ہونے کے بعد لکھنؤ لے جائیں، ہم اور ان کے لائق فرزند حضرت مولانا عبدالمنان سلفی اور ساتھ میں عزیزم اسعد سلمہ بھی تھے، صبح لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے شام سے پہلے ڈاکٹر اکھل ملہوترا کی کلینک پر پہنچے، ضروری چیک اپ کرایا گیا، چیک اپ کے بعد فوراً لاری کارڈیالوجی کے لئے ریفر کردیا۔ اور اپنے استاد کے نام ایک خصوصی لیٹر بھی تحریر فرمادیا، یہ وہی معالج ہیں جو حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کی دوائیں تجویز کیا کرتے تھے اور آپ کے حد درجہ معتقد بھی تھے۔ خط کا اثر یہ ہوا کی جلد ہی ایمرجنسی میں ایڈمیٹ کرلیا، اور آنا فانا کارروائی شروع ہوئی اور عارضی پیس میکر لگادیا گیا، جس سے خطرہ ٹل گیا عارضی پیس میکر بڑا تکلیف دہ تھا، رات کیسے کیسے گزاری پھر غالبًا دوسرے دن پرمانٹ پیس میکر لگایا گیا جس کی ویلی ڈیٹی دس سال تھی، لکھنؤ کے بعض احباب نے کہا آپ لوگوں کو بیس سال والا لگوانا چاہیے تھا۔

یہ پیس میکر نو سال کچھ ماہ چلتا رہا، عشاء کے بعد کا وقت تھا، ماموں جان بیمار ہی چل رہے تھے، صبح بائی ٹرین لکھنؤ

لے جانے کا ارادہ تھا، گھر کے تمام لوگ اور قریبی رشتہ دار موجود تھے، سلام ومصافحہ کر کے نیچے آیا ہی تھا کہ کسی بھانجے نے آواز دی ماموں، ماموں! دل پکڑ لیا جب تک اوپر جاتا ہوں آپ کی روح دنیائے فانی سے دار بقاء کی طرف پرواز کرگئی ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' آپ ایک کہنہ مشق اور مشفق استاذ تھے، آپ کے ہزاروں شاگرد پھیلے ہوئے ہیں، جس میں بڑے عالم بھی ہیں، ان شاء اللہ یہ سب آپ کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے، آپ نے تدریسی میدان میں کبھی سستی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ آپ کے فرض شناسی کا یہ حال تھا کہ جب آپ اپنے آبائی وطن انتری میں تشریف لے جاتے، جمعرات کو جاتے اور جمعہ کی شام ہی میں واپس آجاتے، یہ آپ کا عمل کچھ یوں یاد ہے کہ جب جمعہ کی شام گھر سے واپسی ہوتی تو والدہ رحمہا اللہ کے پاس تشریف لاتے، پھر جامعہ جاکر اگلے روز کے لئے درس کی تیاری کرتے تھے بلا مطالعہ کبھی درس نہ دیتے جب جامعہ میں رہائشی کمرہ مل گیا تو یہیں ڈٹ کر رہے اور جم کر پڑھایا، بہت زیادہ اسفار کے عادی نہ تھے، البتہ جنازہ اور نکاح کے لئے لوگ خواہش کا اظہار کرتے تو آپ ضرور تشریف لے جاتے۔

اللہ رب العالمین ماموں جان کی لغزشوں کو معاف فرما کر کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آمین۔

۞۞۞

تاثر برکتاب عون الرحمن فی حل القرآن

حامداً ومصلیاً أما بعد! قرآن پاک کلام معجز ہونے کی حیثیت سے گوناں گوں خصوصیات وفضائل کا حامل ہے، اور اسرار ورموز اور لطیف نکات کا بحر ناپیدا کنار ہے معنی بیان بدیع صرف ونحو منطق وفلسفہ وغیرہ تمام علوم وفنون کا گنجینہ ہے، ہر شخص اپنی صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے کسب فیض کرتا ہے اور اس میں غوطہ زنی کر کے معنی بیان ونکات کے آبدار موتی نکالتا ہے، مختلف حیثیات واعتبارات سے علماء حق نے اس کی خدمت کی کوشش کی ہے، اور سب کی کوششیں قابل قدر ولائق تحسین ہیں خدمت قرآن جس حیثیت اور جس انداز میں ہو بہت ہی مبارک اور باعث خیر وبرکت ہے۔

ہمارے شاگرد رشید مولانا سعید احمد سلفی نے بھی اپنے مخصوص انداز میں قرآن پاک کی خدمت کی سعادت حاصل کی ہے، زیر نظر کتاب انھیں کی کدوکاوش اور محنت وجانفشانی کا نتیجہ ہے، ان کی یہ پہلی کوشش ہے وہ اپنی کوشش میں کس قدر کامیاب ہیں اس کا فیصلہ اہل علم، علماء وطلبہ پر ہے، لیکن ان کا جوش وجذبہ انتہائی قابل قدر ہے، میں دل سے اس کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی ہمت کو بلند فرمائے اور غلطیوں ولغزشوں سے محفوظ رکھتے ہوئے مزید خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ (آمین)

امید کہ فاضل عزیز اپنی اس کوشش کو خالصۃً لوجہ اللہ جاری رکھیں گے، ناظرین کرام علماء وطلباء سے میری گذارش ہے کہ اس خدمت کی قدر کرتے ہوئے مفید ومناسب مشوروں سے مصنف کو نوازیں گے۔

دعا گو: مولانا عبدالحنان فیضی
شیخ الحدیث جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر، نیپال

مولانا عبدالباری شفیق سلفی
مدیر ماہنامہ مجلّہ ''النور''، ممبئی

جماعت اہل حدیث کا وہ متاع گراں بے بہا نہ رہا!

استاذالاساتذہ حضرت مولانا عبدالحنان فیضی بن علامہ محمد زماں رحمانی رحمہما اللہ جماعت اہل حدیث کے ایک عظیم سپوت، ستودہ صفات اور بے شمار اوصاف وخصائل کے حامل تھے، ان کی شخصیت اہل علم ونظر کے مابین محتاج تعارف نہیں، ''جنھیں ابنائے جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر، کپل وستو، نیپال پیار ومحبت سے دادا کہتے تھے''۔ آپ بہترین مدرس ومحقق کے ساتھ ساتھ بہترین داعی ومبلغ مفتی اور شیخ الحدیث بھی تھے، اپنے عہد شباب میں وہ ہندونیپال کے مختلف علاقوں میں جاکر خطبہ دیتے، دینی وعلمی پروگراموں میں شرکت فرماتے اور اپنے ناصحانہ پندونصائح سے عوام الناس کو مستفید کرتے تھے، راقم الحروف کو فخر ہے کہ آپ جیسے بزرگ عالم دین، خداترس، نیک وصالح اور امانت دار ودیانت دار عالم دین کی صحبت وشاگردی کا شرف حاصل ہے، **فللہ الحمد علی ذلک۔**

آپ نے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں ناچیز کو 2007-2008 میں عقیدہ کی ایک جامع کتاب ''شرح العقیدۃ الواسطیہ'' پڑھائی، آپ کی تدریس کا انداز بہت عمدہ تھا آپ نہایت ہی سلیس اور شستہ انداز میں عربی عبارتوں کی تشریح وتوضیح کرتے تھے کہ ''شرح العقیدۃ الواسطیہ'' جیسی دقیق کتاب بھی بآسانی سمجھ میں آجاتی تھی، آپ پہلے مختلف الفاظ کی تشریح کرتے اس کے بعد عقیدہ پر نہایت ہی شرح وبسط کے ساتھ سلیس زبان میں کلام کرتے، پڑھانے کا انداز بہت نرالا تھا اور آپ کی ایک خاص صفت یہ بھی تھی کہ طلبہ کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ ہنساتے بھی تھے، طلبہ میں کافی گھل مل کر رہنا آپ کو بے حد پسند تھا، کثرت سے پان کھانے کی وجہ سے آپ کے ہونٹ وزبان ہمیشہ لال رہتے تھے، کندھوں پر ہمیشہ لال رومال رہتا تھا جس سے پسینہ وپان وغیرہ پوچھا کرتے تھے، داڑھی سفید اور لمبی نیز مونچھ باریک رکھتے تھے، پان کے کثرتِ استعمال سے سامنے کی داڑھی بھی ہلکی سی لال ہوگئی تھی، (آخری ایام میں ڈاکٹر کے مشورہ سے شاید آپ نے پان کھانا چھوڑ دیا تھا) آپ سانولے رنگ، گٹھیلے جسم اور متوسط قد کے تھے، آخری ایام میں چلنے اور سیڑھیوں سے اترنے میں کافی دقت ہوتی تھی، جس کی وجہ سے ناظم صاحب کی طرف سے آپ کو ایک خاص کمرہ دیا گیا تھا جس میں بلاکر طلبہ کو درس دیا کرتے تھے، آپ ایک محنتی اور مستقل مزاج نیز بے شمار صفات عالیہ سے متصف تھے۔

شیخ الحدیث دادا کو چونکہ طلبہ سے بڑی محبت وانسیت تھی اور خاص طور سے وہ طلبہ جو پڑھنے میں محنتی تھے اور آپ کی مزاج پرسی وخاطر داری کرتے تھے، انھیں اپنے پاس بٹھاتے، باتیں کرتے اور دین کی باتیں سکھاتے، طلبہ کلاس اور گھنٹی ختم ہونے کے بعد آپ سے مختلف مسائل پر سوالات کرتے، جس کا آپ بلاجھجک مفصل ومدلل اور تشفی بخش جواب دیتے، جسے سن کر ہمیں خوشی ہوتی تھی اور اکثر ہم لوگ دادا سے کہتے کہ

دادا بس آج اتنا ہی پڑھاؤ یا آج پڑھنے کا موڈ نہیں، چنانچہ آپ ہم طلبہ کے مزاج کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے کتاب نہیں پڑھاتے تھے لیکن اپنے پند ونصائح سے ضرور نوازتے تھے، طلبہ کسی موضوع کو چھیڑ کر آپ سے سوالات کرتے اور فتویٰ وغیرہ پوچھتے تھے، چنانچہ آپ ہمارے اس طرز عمل پر خوش ہوتے اور دعائیں بھی دیتے تھے، انھیں چند صفات کی بناء پر ناچیز بھی شیخ سے بہت قریب تھا اور چونکہ میرا گاؤں (اکرہرا) جامعہ سے نزدیک تھا اور میرے اکثر ساتھی یومیہ گھر سے آجا کر پڑھتے تھے، اس لیے دادا اکثر مجھ سے اور ہمارے آنے جانے والے ساتھیوں سے کبوتر اور نیم کا مسواک منگایا کرتے تھے، چونکہ آپ کو مسواک کافی پسند تھا نیز سنت رسول ﷺ کو حرزِ جاں بناتے ہوئے دادا مرحوم اکثر نیم کا مسواک کیا کرتے تھے، بیماری میں چونکہ کبوتر کا گوشت کافی مقوی وصحت بخش تصور کیا جاتا ہے اس لئے کبوتر کا گوشت وقتاً فوقتاً کھایا کرتے تھے، لہذا میں اپنے گاؤں اور پڑوس کے گاؤں کھجوریہ سے اکثر دادا کے لیے کبوتر لایا کرتا تھا جس پر دادا بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے، جن کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ آج ہم جیسے کم علم لوگ آپ کی عظیم شخصیت پر خامہ فرسائی کی جسارت کررہے ہیں۔

دعا ہے کہ مولیٰ استاد محترم مفتئ جامعہ دادا شیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی بشری لغزشوں کو معاف فرماکر کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اوران کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطافرمائے اورخاص طور سے ان کے فرزندارجمند استاد محترم فضیلۃ الشیخ عبدالمنان سلفی رحفظہ اللہ کی عمر دراز کرے اورآپ کی زبان وقلم میں تاثیر پیدا فرمائے۔(آمین)

✿✿✿

وصیت نامہ
ازشیخ الحدیث رحمہ اللہ

وصیت برائے عزیزم مولوی عبدالمنان سلمہ اللہ

(۱)نماز باجماعت کااہتمام کروگےاوراپنی تمام اولادکونماز کاپابند بنانے کی کوشش کروگے۔

(۲)بہنوں کوعدل وانصاف کےساتھ پوراحصہ دےدوگےاورسب کےساتھ حسن سلوک کروگے۔

(۳) میرے ایصال ثواب کے لئے اپنی طاقت کےمطابق صدقہ وخیرات کرتے رہوگے۔

(۴)اللہ تعالیٰ تمھیں اورتمہاری اولادکو دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطافرمائے۔(آمین)

(۵) نیک دعاؤں میں اپنی دادی اوردادا اور دوسرے اعزہ کویادرکھوگے۔

دعاگو

عبدالحنان ۱۱رستمبر ۲۰۱۱ء

✿✿✿

حامد عبدالمنان سلفی
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

شجر سایہ دار نہ رہا

موت ایک اٹل اور نا قابلِ انکار حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ ہر ذی روح جو اس عالمِ فانی میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن ضرور فنا کے گھاٹ اُترنا ہے۔ یہ خالق عز وجل کا ایسا مسلمہ اصول ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ہی موت و حیات کے سلسلے جاری ہیں۔ موت و حیات کے اسی قدرتی اصول کے مطابق ہر روز اَن گنت و بے شمار لوگ اس دنیا میں آنکھیں کھولتے ہیں اور ہر روز بے شمار افراد اپنی متعینہ زندگی گزار کر دارِ بقا کی طرف کوچ کر جاتے ہیں۔ انسانوں کی اس بھیڑ میں بہت سارے افراد ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی لہو ولعب میں گزرتی ہے، اللہ کے دین کے اصولوں کے برخلاف گزرتی ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ رب العالمین کے دین کی نشر و اشاعت اور اس پر عمل آوری میں صرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگ صحیح معنوں میں اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے کہلانے کے حق دار ہوتے ہیں۔

یوں تو اموات کا سلسلہ شبانہ روز جاری رہتا ہے، مگر کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی ناگہانی وفات سے قوم و ملت، سماج و معاشرہ، خورد و کلاں ہر ایک کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے، کیوں کہ ایسے لوگ گوہر نایاب اور اپنی ذات میں ایک انجمن ہوتے ہیں۔ انسانی ہجوم میں رہ کر انسانوں کے لیے نمونہ اور آئیڈیل ہوتے ہیں، ان کی زندگی دین کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہے، ان کی زندگی کے شب و روز دینی اقدار و روایات سے وابستہ ہوتے ہیں، ان کی وضع قطع، رہن سہن، نشست و برخاست، گفتار و کردار دینی آئینے میں پروان چڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ عوام کے لیے بہترین نمونہ ہوتے ہیں اور لوگ بھی اُنھیں اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں، ان کے نقش قدم پر چلنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ ایسی شخصیات جب دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو لوگوں پر گہرا صدمہ پہنچتا ہے اور انسانی فطرت کے مطابق دکھ والم سے لوگ دوچار ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی زندگی کے نقوش اتنے گہرے ہوتے ہیں، ان کا کردار اتنا صاف ستھرا ہوتا ہے کہ برسوں تک لوگ انھیں بھول نہیں پاتے اور ان کی شخصیت کے اثرات، ان کی گہری یادیں، ان کی من موہنی باتیں مدتوں تک ذہن سے محو نہیں ہو پاتیں۔ اُنھیں شخصیات میں سے ایک اہم شخصیت ہمارے دادا جان، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر نیپال کے مفتی و شیخ الحدیث، سابق شیخ الجامعہ اور کامیاب مدرس حضرت علامہ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی تھی۔ آپ ایک علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور اپنے آباء کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت میں اپنی پوری زندگی صرف کر دی اور

حیاتِ مستعار کے آخری سانسوں تک دینی تعلیم وتعلم سے اپنا رشتہ استوار رکھا۔ آپ کی شخصیت گونا گوں اوصاف وکمالات سے متصف تھی۔ آپ نہایت ہی منکسر المزاج، نرم خو طبیعت کے مالک تھے۔ متانت وسنجیدگی، شرافت ونجابت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سادگی پسند طبیعت کے مالک تھے، دنیاوی کر وفر، ظاہری ٹیپ ٹاپ سے کوسوں دور تھے۔ خوش مزاجی اور خوش اخلاقی کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ مہمان نوازی آپ کی خاص صفت تھی۔ دین کے ارکان نماز اور دیگر فرائض کی پابندی میں آپ نے کبھی کوتاہی نہیں کی، غرباء ومساکین میں صدقہ وخیرات دل کھول کر کرتے، ذکر واذکار اور سنن ونوافل کا خوب اہتمام کرتے تھے۔

آپ نے پوری زندگی قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے دل نواز اپنے سینوں میں محفوظ کی اور اپنی زبان کوتر رکھا، قرآن و احادیث کے مطالعہ ومراجعہ میں اپنی زندگی کا قیمتی وقت صرف کیا۔ آپ کے اندر دنیاوی مال و منال کی لالچ کبھی پیدا نہ ہوئی۔ آپ کی زندگی کے کئی ایک پہلو ہیں اور ہر پہلو قابلِ اعتبار اور لائقِ افتخار ہے۔ گھریلو اعتبار سے بھی آپ کا معاملہ ہمیشہ شریعت کے مطابق رہتا، شریعت کے اصولوں کی خود پاسداری کرتے اور اہل وعیال کو بھی سختی سے کاربند رہنے کی ترغیب دلاتے۔ آپ کی زندگی کا تقریباً ایک لمبا عرصہ مدارس کے سایے تلے درس وتدریس، تحقیق وافتاء کے فرائض انجام دیتے ہوئے گزرا، قرآن و حدیث کی نکتہ سنجیوں کی نذر رہوا۔ مدرسی زندگی میں بھی آپ ایک بے مثال اور مشفق استاد کے درجے پر فائز تھے۔ اساتذہ کے مابین آپ کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے، طلبہ کے درمیان بھی اپنی عزت و وقار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ ہزاروں طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا اور الحمد للہ ملک و بیرون ملک آپ کے بےشمار شاگردان دین کی نشر واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

آپ جہاں ایک بہترین مشفق ومعلم تھے وہیں سماجی اور معاشرتی سطح پر بھی آپ کی خوب عزت تھی۔ پوری زندگی عالمانہ وقار کے ساتھ گزاری۔ ایک عالم کی کیا شان ہوتی ہے؟ ایک عالمِ دین کو کس طرح عوام کے سامنے مثالی کردار پیش کرنا چاہیے؟ اِن خوبیوں سے آپ بخوبی واقف تھے۔ عام سے عام انسان سے بھی آپ خندہ پیشانی سے ملتے، اس کی باتوں کو غور سے سنتے، تعریف پسندی اور شہرت طلبی سے ہمیشہ دور رہتے۔ علمی تفوق وبرتری کی وجہ سے تعلی وانانیت آپ کے اندر کبھی پیدا نہ ہوئی، ایک دوسرے کے تئیں بغض و حسد، کینہ کپٹ جیسی مہلک بیماریاں آپ کے اندر کبھی سرایت نہ کر سکیں۔ لین دین کے معاملے میں بڑے محتاط رہتے، بازار سے کبھی بھی کوئی سامان منگواتے تو فوراً پیسوں کی ادائیگی کرتے، قرض سے ہمیشہ دامن بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ اپنے اور غیر سب کے خیر خواہ تھے، آپ کی انہی خوبیوں کی وجہ سے ذاتی طور پر میں خود اُن سے بہت متاثر تھا۔ آپ کی خاکساری، نرم مزاجی اور خوش اخلاقی ہی تھی کہ عوام الناس اپنے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے کشاں کشاں تشریف

لاتے، آپ نے بہتیرے مسائل کے تحریری جوابات بھی دیے جو جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کے افتاء کی فائلوں میں موجود ہیں اور کتاب وسنت کے دلائل و براہین سے مزین ہیں۔

علاقہ اور اہل جوار آپ کو مفتی صاحب کے نام سے جانتے تھے۔ آپ سے ملاقات اور کسی پیچیدہ مسئلہ سے متعلق گفتگو کے لیے دور دور سے علماء وعوام تشریف لاتے تھے۔ آپ کے علم وعمل اور تقویٰ وزہد کا ہر شخص معترف تھا۔ آپ کے فتاویٰ پر علماء وعوام کو خوب اعتماد حاصل تھا۔ آپ سائل کی مکمل بات سن کر سارے مسائل پر غور وفکر کرکے مختصر مگر جامع جواب دیتے تھے۔

یوں تو میں نے باقاعدہ کلاس میں بیٹھ کر آپ سے درس نہیں لیا، لیکن گھر پر رہ کر تھوڑا بہت فائدہ ضرور اٹھالیتا تھا۔ جو کچھ سمجھ میں نہ آتا فوراً آپ سے سوال کرتا، آپ اس سوال کا مشفقانہ انداز میں تسلی بخش جواب دیتے۔ میری یہ عادت تھی کہ میں آپ سے زیادہ تر ایسے مسائل پر سوال کرتا جس میں علما کے مابین اختلاف رہتا تھا۔ مثلاً ایک دفعہ میں نے یہ سوال کیا تھا کہ خطبۂ جمعہ میں والد محترم (عبدالمنان سلفی) عصا (ڈنڈا) لے کر کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو آپ نے اس کا جواب کیا دیا تھا یہ تو اب ذہن میں محفوظ نہ رہا البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ آپ نے مجھے مطمئن کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایسے اور بہت سے سوالات کرتا رہتا تھا جس کے جواب آپ دیتے تھے اور میرے سوال کرنے پر کبھی چیں بہ جبیں نہ ہوتے بلکہ خوشی کا اظہار کرتے اور ذہنی افق بلند کرنے کی ترغیب بھی دلاتے تھے۔ اُس وقت چوں کہ میرا بچپنا تھا اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک مفتی سے کب اور کیسے سوال کرنا چاہیے؟ اسی وجہ سے کبھی ایسے نا مناسب وقت میں سوال کر بیٹھتا تھا کہ آپ اس وقت بے حد مشغول ہوتے تھے تو آپ تھوڑا خفا ہوجاتے تھے جس پر مجھے سہم جانا پڑتا تھا، مگر خفا ہونے کے باوجود بھی سوالات کے جواب دیتے تھے۔ غرض یہ کہ میں نے دادا جان رحمہ اللہ سے اپنی عمر کے اعتبار سے تھوڑا بہت ضرور فائدہ اٹھایا لیکن وہ ناکافی کے برابر ہے۔ کاش! اور وقت ملتا تو مزید ان سے کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا۔

آپ نے ہمارے بھائی بہنوں کی خوب اچھے ڈھنگ سے تربیت کی۔ آپ ہم بھائی بہنوں کو دینی تعلیم کی اہمیت وافادیت سے روشناس کراتے اور اسے حاصل کرنے پر زور دیتے اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے اچھے مستقبل کے لیے خوب دعائیں دیتے۔ منہج سلف پر زندگی گزارنے کی بارہا تلقین کرتے، آدابِ زندگی سے متعلق ہر وقت رہنمائی کرتے رہتے تھے، مثلاً: کھانے پینے کے آداب، سفر کے آداب، ٹریفک کے اصول، لین دین کے آداب وغیرہ۔

یہ میری خوش نصیبی رہی ہے کہ ناظرہ قرآن اور عم پارہ کی چند سورتوں کو آپ ہی سے پڑھنے اور حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی کے ساتھ کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھنے کا موقع بھی ملا۔ اسی طرح کبھی کبھار میں آپ سے مشکل الفاظ کے معانی بھی پوچھ لیا کرتا تھا جسے آپ نرمی اور آسانی کے ساتھ سہل انداز میں بتادیا کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ

پڑھنے اور زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر میں تدریس کے ساتھ دیگر ذمے داریاں سنبھالنے کی وجہ سے آپ کی زندگی کے اکثر لمحات چوں کہ جھنڈا نگر میں ہی گزرے ہیں اس لیے مستقل قیام بھی وہیں ہوتا تھا، مگر آپ کو اپنے آبائی وطن "انتری بازار" سے کافی والہانہ لگاؤ تھا۔ گاؤں کے بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے، عیدین اور دیگر مواقع پر آپ گاؤں تشریف لے جاتے تھے، جمعہ و دیگر مواقع پر وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کو دینی معلومات فراہم کرتے، آپ کی تحریک پر بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کو جھنڈا نگر تعلیم کے لیے بھیجا، دادا جان اور پردادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ ضلع سدھارتھ نگر میں ہمارا گاؤں انتری بازار علماء کی کثرتِ تعداد کے لیے جانا پہچانا جاتا ہے۔ گاؤں کے لوگوں کو بھی دادا جان پر بہت اعتماد تھا، آپ کی شخصیت مرجع کی حیثیت رکھتی تھی۔ کسی بھی مسئلہ مسائل کی جان کاری کے لیے لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ گاؤں میں عیدین کی نماز اور خطبہ کی ذمہ داری آپ ہی کے سر تھی اور پوری زندگی آپ نے اس کی پاس داری کی۔ گاؤں کی کثیر آبادی ہونے کے باوجود آپ کی شخصیت اور مرجعیت میں کبھی حرف نہ آیا اور نہ کبھی کسی قسم کا اختلاف رونما ہوا۔ جھنڈا نگر سے گاؤں آمد کے بعد کثیر تعداد میں گاؤں اور قرب و جوار کے لوگ آپ سے ملاقات کے لیے گھر تشریف لاتے تھے۔ جب تک آپ کی صحت بحال تھی آپ خود گاؤں میں لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے اور لوگوں سے حال احوال دریافت کرتے تھے۔

غرض دادا جان رحمہ اللہ کی زندگی کے ہر گوشے نمایاں اور مثالی تھے۔ آپ نے بھرپور علمی و مثالی زندگی گزاری اور لوگوں کے دلوں پر اپنا نقش چھوڑ کر گئے۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی یادیں اور باتیں ذہن میں اب بھی تازہ ہیں۔ ایک انسان کی حیثیت سے ان سے خطائیں اور لغزشیں بھی ہوئی ہوں گی جس سے انکار کی جرأت نہیں مگر پوری زندگی کا احاطہ کیا جائے تو اچھائیاں اور خوبیاں آپ کے اندر بے شمار تھیں اور یہی ایک نیک انسان کی پہچان ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ اچھائیاں اور خوبیاں پیدا ہوں تاکہ وہ خود اپنے آپ میں ایک نمونہ بن جائے اور گاؤں سماج اور اس کے متعلقین بھی اس کی زندگی سے سبق لیں اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کریں، دادا جان رحمہ اللہ کی یاد میں یہ چند کلمات نوکِ قلم پر آگئیں جو میرے احساسات وجذبات اور ذاتی مشاہدے پر مبنی ہیں۔

دادا جان کی زندگی ہمارے لیے نمونہ اور عبرت ہے، اب ہمیں چاہیے کہ ہم بھی انھیں کے نقش قدم پر چلیں اور کتاب وسنت کی تعلیم کو عام کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ مولا دادا جان کی بشری لغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور ہم پس ماندگان کو آپ کے علمی وراثت یعنی دین کی تبلیغ واشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! ۞۞۞

مولانا مقیم الدین مدنی
استاد جامعہ عربیہ قاسم العلوم ،گلرہا

ایک مشفق استاد: کچھ یادیں کچھ باتیں

استادگرامی مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ سابق مفتی وشیخ الجامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر نیپال کی ایک عظیم شخصیت تھی ،موصوف میرے مشفق استاد اور مربی تھے، موصوف کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا، آپ کے والد گرامی مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ انتری بازار ضلع سدھارتھ نگر کے رہنے والے تھے، مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار کو آپ نے ہی پروان چڑھایا، استادگرامی کی خوش قسمتی دیکھیے کہ والد گرامی، بذات خود آپ اور آپ کے فرزند ارجمند برادرم مولانا عبدالمنان سلفی اور پوتے مولانا سعود اختر سلفی حفظہما اللہ عالم وفاضل ہیں ''ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء''۔

استادگرامی بڑے عمدہ پیرائے میں درسِ حدیث دیتے تھے، صحیحین کا درس نہایت عمدہ اسلوب میں دیتے تھے، جب تک جسم میں طاقت رہی درس حدیث کا سلسلہ چلتا رہا اور عجیب سماں بندھ جاتا، فتاوی نویسی میں یدطولیٰ رکھتے تھے، آپ انتہائی رقیق القلب، انتہائی خلیق وملنسار تھے، آپ نے اپنے بچوں، بچیوں کو دینی تعلیم دلائی، آپ کے اندر دینی غیرت وحمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

استادگرامی کے اندر جمعیت وجماعت کا درد تھا، نومبر ۱۹۶۱ء میں جب نوگڑھ کانفرنس کا انعقاد ہوا تو آپ اپنے رفقاء کے ساتھ رضاکارانہ طور پر کام کرتے تھے، مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کو جو ذمہ داری تفویض کی تھی اسے آپ نے کماحقہ ادا کیا، اور نوگڑھ کانفرنس آپ بزرگوں کی کوششوں سے کامیابی سے ہمکنار ہوئی، یہی وجہ تھی کہ آج تک نوگڑھ کی یاد تازہ ہے، استادگرامی بڑے ہی سادہ مزاج تھے، اجنبی آدمی کو احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ آپ اتنے پائے کے عالم باعمل ہیں۔ ✡✡✡

مجھے اپنے مشفق استاد شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی وفات سے شدید صدمہ لاحق ہوا، آپ میرے مربی ومحسن تھے، آپ سے میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی خوب استفادہ کیا، آپ کی سب سے بڑی خصوصیت جو ہم طلبہ میں مشہور تھی کہ مولانا جو پڑھاتے ہیں وہ یاد ہوجاتا ہے اور کبھی نہیں بھولتا، آپ کی باتیں ہمیں آج بھی یاد ہیں۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور ہم لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

مولانا عبداللطیف سراجی موہن کولہ

✡✡✡

حمیدہ خاتون بنت مولانا عبدالحنان فیضی

مشفق والد محترم

اس دنیا میں جہاں والدین کی موجودگی اولاد کے لئے رحمت کا باعث اور شجر سایہ دار ہوتی ہے وہیں ان کی موت بھی باعث اذیت اور مصیبت ہوتی ہے۔ یکے بعد دیگرے میرے والدین اپنی عمر طبعی گزار کر بھرے پرے خاندان کو روتا بلکتا چھوڑ کر ملک عدم سدھار گئے، والد گرامی کی وفات سے اولاد واحفاد کو ناتلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا وہیں ان کی وفات اہل علم طبقہ بلکہ پوری ملت کے لیے خسارہ کا باعث ہے، کیونکہ والد محترم ایک بہترین مربی ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین و ماہر مدرس ومفتی اور رمز شناس خطیب بھی تھے، اپنی تمام اولاد و احفاد بالخصوص میری پڑھائی لکھائی کا بڑا خیال رکھا جب تک میں انتری میں تھی وہاں بھی ٹیوشن کا انتظام فرمایا، مکتب کی تعلیم مکمل ہوتے ہی مجھے اپنے ساتھ جھنڈا نگر لے آئے یہاں خود پڑھاتے اور کچھ ہونہار شاگردوں کو بھی مکلّف کیا اور امتحان بھی دلواتے رہتے ایک وقت ایسا آیا کہ والد محترم نے محسوس کیا کہ اگرچہ ہم نے ثانویہ کی کتابیں پڑھائی ہیں مگر سند نہیں ہے۔ ناظم محترم حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی کے خصوصی آرڈر پر جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر میں امتحان دینے کا موقع بھی ملا اور ثانویہ کی سند بھی حاصل ہوئی، والدہ محترمہ میری ضروریات کی چیزوں کیلئے بڑی فکر مند رہا کرتی تھیں جب اس کا اظہار ابا سے کرتی تھیں تو ان کا خوبصورت جواب ہوتا میں اپنی بیٹی کو علم دین سے آراستہ کرر ہا ہوں جو کبھی ضائع ہونے والی نہیں۔

1988ء میں میں بحیثیت بہو مولانا عبدالوہاب ریاضی رحمہ اللہ کے گھر آئی، اسی سال مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کا قیام عمل میں آیا، مولانا عبدالوہاب ریاضی رحمہ اللہ خسر ہونے کے ساتھ ساتھ پھوپھا بھی ہوتے تھے ان کی دلی خواہش تھی کہ میں تدریسی خدمات انجام دوں مگر میرے اندر خود اعتمادی کا فقدان تھا، اپنے اندر ہمت کم پاتی مگر والد صاحب کے حوصلہ انگیز جملوں نے مجھے ہمت دیدی اور میں نے تدریس شروع کر دی، موصوف روزانہ گھر آتے اور اگلے دن کے درس کے لیے تیاری کرواتے تھے اور جب کبھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی یا طبیعت ناساز ہوتی تو میری جگہ پر خود درس دے دیا کرتے لیکن حالات اور گھریلو ذمہ داریوں سے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ تدریسی عمل کو خیر باد کہنا پڑا جس کا افسوس تادم حیات رہے گا۔

میرے والد محترم رحمہ اللہ نے مجھے جس زیور سے آراستہ کیا وہ یقیناً میرے اور ان کے لئے سرمایہ آخرت ہوگا، اللہ رب العالمین والد محترم کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ

٭٭٭

حمود عبدالمنان
پرنسپل حراء پبلک اسکول محمود وا گرانٹ، انتری بازار

آہ! میرے دادا جان

ہمارے دادا نہایت ہی شریف النفس انسان تھے ہمارے دادا کے اندر نہ کسی چیز کا گھمنڈ تھا اور نہ انھوں نے اپنے آپ کو بڑا دکھانے کی کبھی کوشش کی۔ دادا محترم اصول کے پکے اور حساب کتاب لین دین میں خوف خدا کو ملحوظ رکھتے تھے یہاں تک کہ کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو سامنے والے کو قیمت سے زیادہ پیشگی رقم بھی دے دیا کرتے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دادا محترم قرض سے بھی دور رہنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ دادا محترم کے اندر مساوات و برابری کا بھی بڑا خیال تھا یہاں تک کہ عید اور بقرعید کے موقع پر عیدی دی جانے والی رقم کی فہرست پہلے ہی بنا لیا کرتے تھے تا کہ کوئی چھوٹنے نہ پائے اور نہ ہی کسی کا حق مارا جائے۔ ہمارے ہندوستانی معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ آدمی اپنے نواسوں اور نواسیوں کو زیادہ محبت دیتا ہے اور یہ بات اپنے معاشرے میں دیکھنے کو ملتی بھی ہے لیکن ہمارے دادا اس سے الگ تھے جتنا نواسے اور نواسیوں کو مانتے تھے اس سے کہیں زیادہ ہم تمام بھائی بہنوں کو محبوب رکھتے تھے۔

دادا محترم بہت سارے اوصاف و کمالات کے مالک تھے۔کمال کی بات یہ ہے کہ صبح ناشتہ میں چائے کے ساتھ بسکٹ کھائی جاتی ہے اسے وہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے رہائشی کمرے سے ہی تقسیم کرتے تھے اور یہ بھی بات تھی کہ بغیر سلام کئے بسکٹ ملتا بھی نہیں تھا، سلام پر سختی کرنے کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ بچوں میں سلام کرنے کا جذبہ پیدا ہو، اس تعلق سے ایک بار دادا سے پوچھا گیا کہ اس کام کو ہم اپنے کمرے سے بھی انجام دے سکتے ہیں، لیکن دادا نے ایسا منطقانہ جواب دیا کہ لوگوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ دادا محترم کا جواب تھا کی اسی بہانے گھر کے سبھی افراد سے صبح صبح ملاقات ہو جاتی ہے اور میں لوگوں کی خیریت سے آگاہ ہو جاتا ہوں، میرا مقصد بالکل یہ نہیں ہے کہ میں بچوں کو پریشان کروں۔

دادا محترم دینی مزاج اور اسلامی شعار کو ہمیشہ اپنے ساتھ جوڑے رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے، نماز کی پابندی کی ترغیب دیا کرتے تھے اور کوتاہی ہونے پر سزا بھی ملتی تھی۔

ہمارے دادا مربی قرآن تھے، مجھ سمیت میرے تمام بھائیوں بہنوں نے قرآن پڑھا، ہمیں وہ اپنے سامنے بٹھا کر قرآن پڑھاتے یہاں تک کہ یہ ہمارا روز کا معمول ہو گیا تھا کہ جیسے میں شعبہ حفظ میں قرآن حفظ کر رہا ہوں۔ جمعہ کے روز سورہ کہف پڑھنے کا معمول انہی کی بدولت ہمارے نصیب میں آئی۔ آج جب بھی میں سورہ کہف یا قرآن مجید کے کچھ حصے کی تلاوت کا ارادہ کرتا ہوں تو سب سے پہلے دادا محترم کا چہرہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہم لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا محبوب عالم عبدالسلام سلفی
استاد مدرسہ ضیاء العلوم السّلفیہ، چنروٹا، کپل وستو

نمونۂ سلف مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ

شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ علم وعمل کا حسین پیکر اور اخلاق وکردار، زہد وورع، صدق وصفا، تقوی وطہارت میں سلف صالحین کا عملی نمونہ تھے۔ پوری زندگی مومنانہ شان کے ساتھ گزاری نیز علم دین کی آبیاری اور کتاب وسنت کی نشر واشاعت میں پوری زندگی صرف کر دی۔ آپ جہاں ایک جہاں دیدہ اور متبحر عالم دین تھے وہیں کردار وعمل کے اعتبار سے بھی بلند مقام پر فائز تھے۔ ورنہ بہت کم لوگوں میں دونوں چیزیں یکساں ہو پاتی ہیں۔ امت محمدیہ میں علمائے دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارثین ہیں۔ نبوی مشن کو آگے بڑھانے اور اسلام کی سنہری تعلیمات کو انسانیت تک پہنچانے کی ذمہ داری علمائے امت کے سر ہے اور یقیناً یہ بہت بڑی ذمہ داری اور بہت ہی متبرک عمل ہے۔ چناں چہ محض دینی مدارس میں جا کر دینی کتابیں پڑھ لینا اور علما جیسا حلیہ اور وضع قطع بنا لینے سے ایک عالم دین حقیقی عالم دین نہیں ہوتا، بلکہ ایک عالم دین جہاں قرآن وحدیث پر گہرا درک رکھتا ہے، مسائل کو سمجھتا اور اس میں غور وفکر کرتا ہے وہیں اس کے کردار وعمل سے بھی اسوۂ رسول کی بھینی بھینی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ ایک سچا عالم دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کے تمام شعبے میں داخل کرتا ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات کو حرز جاں بناتا ہے۔ قولی، عملی، انفرادی اور اجتماعی ہر اعتبار سے اپنے آپ کو بے مثال ثابت کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی باتوں کو سننے، سمجھنے اور غور کرنے سے پہلے اس کے کردار سے متاثر ہوں۔ اگر ایک عالم دین کے اندر خلوص وللّٰہیت نہیں، اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں، تقویٰ وخودداری نہیں، امانت ودیانت نیز ملی تڑپ وجذبہ نہیں تو اس کا علم اس کے لیے وبال جان اور اس کا وجود باعثِ ننگ وعار ہوتا ہے۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ اگر ایک طرف علم کے بحر ذخار تھے، نصف صدی سے زائد عرصہ قرآن وحدیث کے اسرار ومعارف کو سمجھنے، سمجھانے اور لوگوں تک اس کو پہنچانے میں صرف کیا تو دوسری طرف اخلاقی وعملی لحاظ سے بھی آپ بے مثال اور قابل نمونہ تھے۔

آپ نے ایک علمی ودینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، والدین نے اسلامی نہج پر آپ کی تربیت کی۔ آپ کے والد محترم مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کو دینی تعلیم کے حصول کے لیے یکے بعد دیگرے مختلف مدارس میں داخل کرایا۔ مختلف مدارس کا خاک چھانتے اور مختلف علمائے دین سے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے جامعہ فیض عام مئو سے 1958ء میں آپ نے سند فراغت حاصل کی۔ اس طرح دینی وعلمی ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی اور کتاب وسنت کی تعلیمات کی ترویج واشاعت کو اپنا مشن بنایا۔

مروجہ تعلیمی نصاب کو آپ نے مکمل کر کے تدریسی زندگی میں قدم رکھا اور سرد وگرم حالات کا سامنا کرتے ہوئے تادم واپسیں اسی سے وابستہ رہ کر رخصت ہوئے۔ آپ کا سب سے بڑا سرمایہ آپ کے ہزاروں تلامذہ ہیں۔ آپ نے اگرچہ کتابیں تصنیف نہیں کیں، نگارشات کا کوئی بھاری بھرکم ذخیرہ نہیں چھوڑا مگر اپنے پیچھے ہزاروں ایسے شاگردوں کو چھوڑا جو ملک وبیرون ملک توحید وسنت کے عَلم کو بلند کیے ہوئے ہیں اور عِلم وآگہی کی شمع کو فروزاں کیے ہوئے ہیں۔

آپ کی زندگی کا طویل عرصہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر کے در ودیوار تلے گزرا۔ خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کے آپ ہر دل عزیز شاگرد تھے۔ رحمانی رحمہ اللہ کو آپ سے اور آپ کے خانوادے سے بہت الفت ولگاؤ تھی اور

کیوں نہ ہو جب کہ آپ کے خاندان کی چار نسلوں نے جامعہ کو بام عروج پر پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ جامعہ میں مختلف ادوار میں مختلف عہدوں پر آپ فائز رہے اور قابلِ قدر خدمات انجام دے کر جامعہ کو اپنے خونِ جگر سے سینچا۔

جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کے اکثر اساتذہ آپ کے شاگرد ہیں اور اُن کے علاوہ آپ کے دیگر تلامذہ کو آپ کی تعریف میں رطب اللسان پایا، کسی کی زبان سے آپ کے خلاف کوئی نازیبا کلمہ سننے کو نہیں ملا۔ آپ شہرت و ناموری کی چاہت سے دور رہتے تھے، پھر بھی اللہ نے آپ کو شہرت و مقبولیت سے نوازا، علما اور عوام دونوں طبقہ میں آپ کو وقار و اعتبار حاصل ہوا۔ اپنے اخلاق و کردار اور بلند پایاں صفات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا لینا بہت بڑا کارنامہ ہوتا ہے۔ کم ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا پاتے ہیں، آگے پیچھے حواریوں کا جتھا ہونا اور ہاں میں ہاں ملانے کے لیے پوری فوج رکھ لینا کسی کی مقبولیت کی دلیل نہیں، مقبولیت و محبوبیت تو یہ ہے کہ ایک جم غفیر کسی کی صالحیت و صداقت کی گواہی دے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے اوصاف حمیدہ کے گن گائے جائیں۔ آپ رحمہ اللہ کی ذات ایسی تھی کہ آپ کی زندگی میں بھی لوگ آپ کا حد درجہ ادب و احترام کرتے تھے اور ملاقات کے خواہاں ہوتے تھے اور آج ان کی وفات کے بعد بھی لوگ ان کا تذکرہ احسن انداز میں کرتے ہیں۔

آپ سادہ طرزِ زندگی اور قناعت پسندی کے خوگر تھے۔ ہمیشہ آپ کو سادہ لباس پہنتے اور عالمانہ وضع قطع کے ساتھ دیکھا۔ درس و تدریس کے علاوہ خطبہ جمعہ دینا، وعظ و نصیحت کرنا، لوگوں کے پیش آمدہ مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنا، انھیں شرعی مسائل سے آگاہ کر کے دینِ متین سے وابستہ رکھنا اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا آپ کا پسندیدہ مشغلہ اور وظیفہ حیات تھا۔

آپ کی خانگی زندگی بھی بے مثال ہے۔ خود بھی دین کی سربلندی کے لیے پوری زندگی کوشاں رہے اور اپنے اکلوتے فرزند شیخ عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ کو بھی دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور انبیائی مشن سے جوڑا، جن کی ہمہ جہت خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اپنے صاحبزادیوں کو بھی دینی تعلیم کے زیور سے مزین کیا اور پوتوں و پوتیوں کو بھی اسی ڈگر پر لگایا اور دینی و مذہبی رنگ میں انھیں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی غرض یہ کہ آپ کا پورا گھرانہ دینی سانچے میں ڈھلا ہوا ہے اور آپ کی شخصیت کے اثرات اور چھاپ ان پر پوری طرح نمایاں ہے۔

آپ کی زندگی کا ایک حصہ انتری بازار سے جڑا ہوا ہے، جو آپ کا آبائی وطن ہے۔ گاؤں میں بھی خوب مقبولیت و پذیرائی حاصل تھی۔ خورد و کلاں ہر ایک آپ کی شخصیت سے متاثر تھا، گاؤں میں لوگ آپ کو مفتی صاحب کے نام سے جانتے تھے۔ آپ کا مستقل قیام اگر چہ جھنڈا نگر تھا مگر گاؤں سے بڑی اپنائیت تھی۔ عیدین کے علاوہ دیگر اہم مواقع پر گاؤں ضرور تشریف لاتے، عیدین کی نماز آپ ہی کی اقتدا میں ادا کی جاتی، خطبہ نہایت ہی عمدہ اور عام فہم زبان میں دیتے، گاؤں میں جب تک رہتے جمعہ کا خطبہ آپ ہی دیتے۔ آپ کے وعظ و تقریر کا انداز بہت نرالا اور سادہ تھا، عام فہم اسلوب میں کتاب و سنت کی روشنی میں وعظ فرماتے جس سے گاؤں کے سبھی لوگ خوب استفادہ کرتے۔ گاؤں اور قرب و جوار میں آپ کو جو عزت و مقام ملا، کم ہی لوگوں کو ایسی عزت و توقیر نصیب ہوتی ہے۔

اگر چہ آپ طبعاً کم گو اور کم آمیز تھے مگر گاؤں جب بھی تشریف لاتے، لوگ آپ سے ملاقات کے لیے پہنچتے اور آپ بھی گاؤں میں لوگوں سے ملاقات کے لیے نکلتے، لوگوں سے مسکراتے ہوئے ملتے، حال احوال دریافت کرتے، کسی قسم کی اکڑ اور غرور آپ کے چہرے سے نظر نہیں آتی تھی۔ بہر حال دنیا داری اور دنیوی داؤ پیچ سے الگ تھلگ رہ کر آپ نے دینی ماحول اور دینی مزاج میں بھرپور زندگی گزاری۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات و حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں کو درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

۞۞۞

حماد منان عبدالمنان سلفی
متعلم جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر

حیات فیضی ایک نظر میں!

نام ونسب:
مولانا عبدالحنان فیضی بن مولانا محمد زماں رحمانی بن نبی احمد۔
مولد ومسکن:
محمود وا گرانٹ انتری بازار شہرت گڑھ، ضلع سدھارتھ نگر
ولادت:
۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۴ء۔

تعلیم وتربیت

مرحلۂ مکتب:
المعہد الاسلامی بحرالعلوم انتری بازار
متوسطہ:
دارالعلوم ششہنیاں، سدھارتھ نگر ۱۹۴۷ء
جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر
المعہد الاسلامی بحرالعلوم انتری بازار
ثانویہ، عالمیت اور دورۂ حدیث:
مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن (یو۔پی) ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۸ء
تدریسی خدمات:
مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسہ ۱۹۵۹ء (ایک سال)
مدرسہ سعیدیہ دارانگر، بنارس ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء (چار سال)
جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال ۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۳ء ۱۹۷۴ء (گیارہ سال) پہلی میقات
جامعہ سلفیہ بنارس ۳-۷-۱۹۷۴ء۔تا: ۸-۷-۱۹۷۷ء (چار سال)
جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر نیپال میں ۱۹۷۸ء تا دم زیست (دوسری میقات)

افتاء وقضاء

جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر میں تدریس کے دوران مستقل طور سے مفتی کے عہدہ پر فائز رہے (تقریباً ۴۹ سال)

سفر حج وعمرہ

اللہ تعالی نے آپ کو دادی جان رحمہا اللہ کے ہمراہ ۱۹۹۴ء میں حج وعمرہ کی سعادت نصیب فرمائی۔

اعزازات وایوارڈس

۱۔ایوارڈ برائے تدریس وافتاء: منجانب مرکز التوحید کرشنانگر کپل وستو نیپال ۱۹۹۷ء
۲۔ ایوارڈ برائے تدریس و افتاء: منجانب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند بموقع آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، جھارکھنڈ ۲۰۰۴ء
۳۔ ایوارڈ برائے تدریس و افتاء: منجانب جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر کپل وستو نیپال بموقع مؤتمر الدعوۃ والتعلیم ۲۰۱۳ء
۴۔ایوارڈ برائے تدریس وافتاء ودعوت:

منجانب المعہد الاسلامی انوار العلوم گنجہڑا ضلع سدھارتھ نگر یوپی ہند ۲۰۱۴ء

۵۔ایوارڈ برائے دعوت وتدریس وافتاء: منجانب مرکز التوحید کرشنا نگر کپل وستو نیپال ۲۰۱۵ء

۶۔ایوارڈ برائے تدریس وافتاء ودعوت: منجانب مرکز حراء للتعلیم والخدمات الانسانیہ کپل وستو نیپال ۲۰۱۶ء

اساتذہ:

مولانا شمس الحق سلفی، مولانا مصلح الدین اعظمی جیراج پوری، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا حبیب الرحمٰن مئوی، مولانا عظیم اللہ مئوی، مولانا عبدالروف رحمانی، مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبداللہ شائق مئوی اور مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی مئوی رحمہم اللہ۔

تلامذہ

ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری، مولانا محمد مستقیم سلفی (بنارس) شیخ عبدالباری فتح اللہ مدنی (ریاض) شیخ صلاح الدین مقبول (کویت) ڈاکٹر عزیر شمس (مکہ مکرمہ) ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی (مالیگاؤں) ڈاکٹر اقبال نملی (مالیگاؤں) شیخ عبدالمعید سلفی (علی گڑھ) شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (دہلی) شیخ عبداللہ مدنی (جھنڈانگر) مولانا عبدالمنان سلفی (جھنڈانگر) مولانا وصی اللہ مدنی (جھنڈانگر) عتیق اثر ندوی (دریاباد) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی (علی گڈھ) اور مولانا عبدالحمید تندوا قابل ذکر ہیں۔

تنظیمی خدمات

ایک مدت تک آپ ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی کے رکن مجلس عاملہ وشوریٰ رہے، ۱۹۸۰ء یا اس کے قریبی سالوں میں جمعیت کے صدر بھی منتخب کیے گئے۔

حلقہ احباب

دادا محترم کے اہم رفقاء واحباب:

محقق جماعت علامہ رئیس ندوی، ادیب عصر مولانا عبدالمجید اصلاحی، مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہم اللہ اور مولانا مظہر احسن ازہری حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

وفات: ۳؍فروری ۲۰۱۷ء

جنازہ وتدفین: ۴؍فروری ۲۰۱۷ء کو بعد نماز ظہر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، ایک اندازہ کے مطابق آپ کے جنازے میں شرکاء کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی۔

اولاد احفاد: آپ کی نرینہ اولاد میں والد محترم مولانا عبدالمنان سلفی اور دو پھوپھیاں محترمہ صفیہ خاتون اور محترمہ حمیدہ خاتون ہیں علاوہ ازیں آٹھ پوتے اور چھ پوتیاں اور درجنوں نواسے اور نواسیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ دادا محترم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے نیز ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔(آمین)

۞۞۞

ملفوظات مفتی

''اگر کسی شخص کے اندر بغض، کینہ اور عناد ہے تو اس کا نماز تہجد پڑھنا بے کار ہے''

بروایت مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ

تلشی پور، بلرام پور

تاثرات واحساسات

شجر سایہ دار نہ رہا

حضرۃ الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب فیضی کی وفات علمی ودعوتی دنیا کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے،اس دور قحط الرجال میں ان کی شخصیت شجر سایہ دار کی تھی جہاں سایہ ملتا تھا۔انہوں نے درس وتدریس، دعوت وارشاد،فتاویٰ نویسی اور امامت وخطابت میں پوری زندگی گزار دی اور کم از کم دونسلوں کی تربیت فرمائی اس طرح اعمال ونشاطات سے بھرپور زندگی بسر کی،اللہ پاک ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور اپنی رحمتوں کے ذریعے انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

مدرسین اور خطباء کی کوئی خاص کمی نہیں البتہ بابصیرت علماء کا فقدان نظر آرہا ہے، جماعت اہل حدیث کا جو امتیاز ہے یعنی سلفی عقیدہ کی مدلل معرفت اور فقہ میں کتاب وسنت کی بنیاد پر مسائل کا اخذ واستنباط ان صفات سے متصف معدودے چند نظر آرہے ہیں۔حضرۃ الاستاد کی ذات گرامی ان صفات سے نہ صرف متصف بلکہ اعلی درجے پر فائز تھی۔

ایک بڑی خصوصیت ان کی جماعت وتنظیم کے ساتھ گہرا لگاؤ تھا جب سے میرا ان سے تعلق ہوا میں نے پایا کہ وہ نہایت متحمس اور فعال ہیں ہر طرح سے وہ جماعتی کاز کو تقویت پہنچانے میں سرگرم اور قیادی رول انجام دیتے تھے، ان کی وفات سے جماعت وجمعیت اور ملت میں بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے اور ہم لوگ یتیم ہوگئے ہیں

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور کتاب وسنت کی جو انہوں نے آبیاری کی ہے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنا کر انبیاء وصلحاء اور صدیقین کے ساتھ ان کا حشر فرمائے۔آمین

(مولانا خورشید احمد سلفی، شیخ الجامعہ، جامعہ سراج العلوم)

خیر کم من تعلم القرآن و علّمه

یقینی طور پر مذکورہ بالا حدیث کی تاثیر ولذت جس انسان کو مل جاتی ہے وہ پھر اس راہ میں زندگی کے آخری لمحات تک گزار دینے میں صرف کر دیتا ہے،استاذی المحترم مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ کی ذات گرامی صحابہ صفت تھی جس کو دیکھ کر اللہ کی راہ میں استقامت وثابت قدمی کا سبق ملتا تھا، تدریسی لائن سے جڑے رہنا اور خاص طور پر آج کے اس گرانی کے دور میں ایک جہاد سے کم نہیں ہے،موصوف کے ہزاروں شاگرد خلیج میں ایک زمانہ سے پھیلے ہوئے ہیں اگر آپ چاہتے تو بہت پہلے اپنی زندگی کا ٹرک چینج کر کے دوسروں کی طرح ایک ادارہ کھول کر ھل من مزید کی فہرست میں داخل ہوکر اپنے شاگردوں کے تعاون سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے،مگر آپ ''خیر کم من تعلم القرآن و علّمه'' کی ڈگر پر خود بھی لگے رہے بعد کی نسل کو بھی اسی ڈگر پر لگا کر گئے ہیں جو یقیناً ایک عظیم اور ثمر آور ونفع بخش کام ہے،مگر اس طرح کا وظیفہ ہر آدمی کو راس نہیں آتا ہے بلکہ اسی کو راس آتا ہے جو'' لذة الطاعةو عقوبة المعصية'' کے فلسفہ کو ایمان بالغیب کی دوربین سے دیکھ لیتا ہے، اللہ سے دعاء ہے کہ اللہ استاد محترم مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ کے لگائے ہوئے دینی باغ کو سدا بہاری نصیب کرے اور آپ کے آل واولاد واحفاد کو صدقۂ جاریہ بنائے اور آپ کی پوری زندگی کی تدریسی خدمت وبے شمار تلامذہ کو صدقۂ جاریہ بنا کر توشۂ آخرت بنائے اور فردوس اعلیٰ میں داخل فرمائے (آمین)

اللهم اغفرله و ارحمه و عافه واعف عنه اكرم نزله و وسع مدخله.

(مولانا محمد نعیم محمد شفیع سلفی، مقیم حال دوحہ قطر)

۞۞۞

ایک متبحر عالم دین اور عبقری شخصیت

حضرت العلام حضرت مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ مفتی وشیخ الحدیث جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کے انتقال کی خبر عزیز گرامی قدر مولانا جمشید عالم سلفی سلمہ کے ذریعہ معلوم ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون رنج اورافسوس ہوامگر اللہ کا فرمان پیش نگاہ رہا ''کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام'' ''سب کو فنا ہے صرف رب ذوالجلال کی ذات باقی رہنے والی ہے۔'' جونفس وجود پذیر ہوتی ہے اسے عدم سے بھی دوچار ہونا ہے۔ اللہ ہم سبھوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، خصوصاً مولانا رحمہ اللہ کے خلف الرشید مولانا عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ اوران کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

مولانا کی وفات حسرت آیات جماعت اہل حدیث کے لیے خصوصاًاور امت مسلمہ کے لیے عموماًایک بڑا سانحہ ہے۔سچ ہے:موتُ العالِم موت العالَم ،عالم دین کی موت ایک جہان کی موت ہے۔

مولانا رحمہ اللہ استاذ الاساتذہ تھے،کئی ہزار طلبہ آپ سے مستفید ہوئے اور ہندو بیرون ہند دین متین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔مولانا رحمہ اللہ اگر چہ میرے استاذ نہیں تھے مگر ان کے والد گرامی مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ ضرور میرے استاد رہے ہیں، وہ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا، بدل پور بلرام پور میں بحیثیت مدرس ایک سال تک قیام فرماتھے،چوں کہ شوگر کے مریض تھے،اس لیے مدرسہ کی خدمات سے سبکدوش ہوگئے اور یہاں سے واپس جانے کے بعد ہی عالم بقا کو جا سدھارے۔انا للہ وانا الیہ راجعون ،مولانا رحمانی رحمہ اللہ کی اولا د دراولا د عالم دین ہیں، کئی پشتوں سے سلف اور سلفیت کی خدمت کر رہے ہیں۔اللہ قبول فرمائے۔آمین!

مفتی جامعہ سراج العلوم کی شخصیت وہ انمول شخصیت ہے جنھیں کئی طرح کے اعزازات سے نوازا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علوم شریعت نے آپ سے استفادہ کیا، بے شمار فتاوے صادر فرمائے اور پوری زندگی کتاب وسنت کا درس دیا بطور خاص تفسیر بیضاوی اور صحیح بخاری وغیرہ جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔ یہ ساری نیکیاں مولانا رحمہ اللہ کی باقیات صالحات میں سے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ اجلاس عام آل انڈیا اہل حدیث کانفرس نوگڑھ جو ۱۹۶۱ء میں منعقد ہوئی،اس میں دیگر اہل علم کے ساتھ ساتھ مولانا رحمہ اللہ رضا کار کی حیثیت سے اور جماعتی حمیت کے ناطے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں پیش پیش رہے اوراس کے بعد بھی جمعیت کے تحت تلشی پور وغیرہ میں ہونے والے پروگراموں میں مولانا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور نمایاں کردار ادا کیا۔اللہ رب العالمین آپ کی خدمات و حسنات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے۔آمین

(ڈاکٹر نور اللہ اثری، ناظم جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا)

۞۞۞

استاد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ حددرجہ مشفق انسان تھے،وہ میرے گاؤں کے آبرو تھے،گاؤں کے لوگوں کو ان پر حددرجہ اعتماد تھا اور وہ بھی اپنے گاؤں کے لوگوں سے حددرجہ محبت رکھتے تھے،اللہ استاد محترم کی مغفرت فرمائے اوران کی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(مولانا عبیدالرحمٰن سلفی ،محمود واگرانٹ،انتری بازار)

۞۞۞

آہ! استاد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ ہم میں نہ رہے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا پائدار نہیں جو بھی یہاں آیا ایک نہ ایک دن اسے جانا ضرور ہے، انسانی زندگی میں قدرت کا عجیب وغریب راز پوشیدہ ہے کہ کسی کو جوانی میں تو کسی کو بڑھاپے میں اور کسی کو بچپن ہی میں اٹھالیتا ہے، یہ صاف عیاں ہے کہ کسی کی زندگی مستقل نہیں، سب کو مرنا ہے اور مرکر اچھے برے حرام وحلال سب کا حساب دینا ہے، اسی اصول وضابطہ کے تحت مرحوم بھی اپنے پسماندگان کو روتا بلکتا چھوڑ کر روپوش ہوگئے اور اپنے مولائے حقیقی سے جاملے، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ (آمین)

افسوس کہ مجھے مرحوم سے زیادہ استفادہ کا موقع نہ پاسکا صرف ایک سال ۱۹۷۷ء میں اپنے مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ کا خوشہ چیں رہا، آپ سے میں نے تفسیر بیضاوی پڑھی زیادہ چیزیں تو مجھے یاد نہیں صرف اتنا ضرور یاد ہے کہ مرحوم ہمہ جہت صلاحیت کے مالک تھے، عبارت فہمی پر آپ کو عبور حاصل تھا، مشکل سے مشکل عبارت نہایت آسان لفظوں میں حل کردینے میں مہارت حاصل تھی اور کتاب انتہائی غامض ہونے کے باوجود ہم طلبہ کی سمجھ میں پوری طرح آجاتی تھی، آپ کا طرز تدریس انتہائی نرالا تھا، ایک ساتھی عبارت پڑھتا غلطی ہونے پر آپ نہایت اچھے اسلوب میں اصلاح فرمادیا کرتے، ڈانٹنے ڈپٹنے کی عادت آپ کی نہ تھی، میں نے پورے سال کسی طالب علم کو سخت وسست کہتے ہوئے نہیں سنا، یقیناً آپ اخلاق کریمانہ کے پیکر تھے، مرحوم کی زندگی زہد وتقویٰ امانت داری ودیانت داری، سچائی، الفت ومحبت اور اخلاق حسنہ سے عبارت تھی، آپ کی شخصیت غیر متنازع تھی نہ کسی سے عداوت نہ کسی سے رقابت، نہ کسی سے الجھاؤ نہ کسی سے حسد ودشمنی بلکہ جملہ برائیوں سے پاک وصاف ایک عابد وزاہد کی زندگی گزاری، تبحر علمی کے باوجود آپ انتہائی ملنسار اور خوش اخلاق تھے، میں نے کبھی کسی سے آپ کی غیبت یا کمی کا تذکرہ کرتے ہوئے نہیں سنا، آپ کی شخصیت انتہائی مودب اور پاکیزہ تھی، اللہ کرے میں اپنے ان تزکیاتی جملوں میں حق بجانب ہوں اور میری بات حرف بحرف صحیح ثابت ہو، سچ ہے آپ جملہ صفات حسنہ کے حامل تھے، لیکن ان صفات کا یہ درخشاں آفتاب گل ہوگیا اور داعئ اجل کو لبیک کہہ گیا، انا للہ وإنا الیہ راجعون، غفر اللہ له وأدخله فی جنة الفردوس (آمین)

افسوس کہ جامعہ سلفیہ بنارس کے بعد میں کبھی آپ سے تفصیلی ملاقات نہ کرسکا، صرف ایک مرتبہ دہلی میں سرسری طور پر راہ چلتے ہوئے ملاقات ہوئی تھی، اس سے زیادہ کچھ لکھنے سے معذور ہوں، ہاں آپ نے پوری حیات مستعار جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر، نیپال میں تدریس، خطابت وافتاء جیسے اہم کاموں میں گزاردی، اللہ آپ کے حسنات کو قبول فرمائے اور اسے نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

(مولانا عبدالتواب سراج الدین مدنی، استاد جامعہ ریاض العلوم، دہلی)

۞۞۞

مولانا عبدالحنان صاحب بہت بھلے انسان تھے وہ ہمیشہ ہم پر بہت شفقت کرتے، جب ملتے ہنستے مسکراتے ہوئے ملتے اور حال چال پوچھتے، اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)

(پردھان محمد یحییٰ انصاری، انتری بازار، سدھارتھ نگر)

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

۳رفروری ۲۰۱۷ء رات سوا دس بجے حضرۃ العلام شیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی، جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے جملہ اراکین، اساتذہ، منتسبین اور بہی خواہان کے لئے یقیناً رنج والم اوراندرونی تکلیف کا سبب بنی، آپ کی وفات کی خبر علمی اور جماعتی حلقوں میں ازحد رنج وغم کے ساتھ سامنے آئی، مولانا مرحوم نے علم وعمل سے بھرپور زندگی بسر کی اور جماعت کے مشہور اور بڑے اداروں میں تقریبا ۶۰ رسال درس وتدریس اور نونہالان جماعت کی تربیت میں بسر کی اورتقویٰ، پرہیزگاری اورعالم باعمل اورنمونۂ سلف رہے، مولانا نے اپنی زندگی ہی میں اپنی اولاد واحفاد کواسی منہج سلف پرگامزن کیا جس پروہ خود عامل رہے، الحمدللہ تمام اولاد واحفاد اسی شجرسایہ دار سے تربیت پاکرمنہج سلف کے مطابق اپنی زندگی بسرکررہے ہیں، اولاد واحفاد کے ساتھ بے شمار تلامذہ کوبھی صحیح اوراسلامی تربیت سے مزین کیا، اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ حسنات کوقبول فرمائے، انھیں ذخیرۂ آخرت بنائے اور جملہ بشری لغزشوں کودرگزرفرمائے اورجملہ پسماندگان کوصبرجمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین) **اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وتغمدرحمته۔**

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

وصلی الله علی عبده ورسوله محمدوعلی آله وصحبه وسلم تسلیما کثیراً۔

(وفد جامعہ عالیہ عربیہ، مئوناتھ بھنجن)

٭٭٭

میرے مربی میرے محسن

بتاریخ ۳رفروری ۲۰۱۷ء کوخاکسار سکندرآباد اسٹیشن پراپنے رفقاء مولانا ابوبکرسلفی ومولانا نورالحسن سراجی وغیرہ کے ساتھ ممبئی کے لئے ٹورنٹو ایکسپریس پکڑنے پہونچا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی دیکھا تو نورچشم مولانا سعود اختر سلفی کا فون تھا، دل کی دھڑکن تیز ہوگئی جوسوچا تھا وہ سچ ہی ثابت ہوا، آواز آئی چچا! دادانہیں رہے، یہ خبر بجلی بن کرگری اور پوراسفر درد وکرب میں گزرا، کسی طرح دوسرے دن ممبئی پہونچ تو گیا لیکن دل ودماغ پریشان رہا، اپنی بدنصیبی پررورہا تھا، ہمت نہیں تھی کہ برادرمحترم مولانا عبدالمنان سلفی سے گفتگو کروں بچوں سے حالات معلوم کرتا رہا، پھر بہت دور ہونے کا غم غالب رہا۔

رہی بات سفر سے پہلے کی توخاکسار چنددن پہلے مفتی صاحب سے مل کرحالات معلوم کرکے گھر گیا تھا، اپنی معافی وتلافی بھی کراچکا تھا اس وجہ سے کچھ تسلی بھی دل کوہوتی رہی اوراپنے بیتے ہوئے کل پرتصورات کومرکوز کرتے ہوئے سوچتا رہا کہ ہمارے بچپن کے استاد محترم جن سے میں نے اولیٰ سے رابعہ تک تعلیم حاصل کی تھی، یہی نہیں استاد محترم کے والدمحترم حضرت مولانا محمد زماں صاحب رحمانی رحمہ اللہ سے بھی میں نے ادنیٰ واولیٰ کی کچھ کتابیں انتری بازار مدرسہ بحرالعلوم میں پڑھی تھی، ایک زمانۂ دراز سے اس علمی خاندان سے میرا رشتہ ایسے جڑا رہا ہے جیسے ایک روح دوقالب۔ مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا رہا کہ میرے والدمحترم کے ہم شکل مجھے اللہ نے ایک روحانی باپ عطا کردیا ہے اوراس رشتہ کوابا کہہ کرہی یادکرتا رہا، لیکن افسوس کہ یہ بدنصیب حیدرآباد شہر کے سفر کی وجہ سے روحانی والد کے جنازہ میں شریک نہ ہوسکا، سفر سے واپسی

کے بعد مٹی دے کر دعا کر کے اپنی بدنصیبی پر روتا رہا، آج بھی اس علمی خاندان سے اپنا رشتہ پختہ رکھ کر اپنے کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، ان شاء اللہ۔

اللہ سے دعا گو ہوں کہ پروردگار عالم ہمارے استاد محترم کی تمام بشری غلطیوں کو درگذر کرتے ہوئے انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرما اوران کے پسماندگان خصوصاً برادر محترم مولانا عبدالمنان سلفی کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے، نیز ان کا حقیقی جانشین بنائے، نیز اس علمی خاندان کو عالم اسلام کا نمائندہ بنائے۔(آمین)

(مولانا اصغر علی اثری، بھٹ پرا، شیو پتی نگر، سدھارتھ نگر)

۞۞۞

۳؍فروری ۲۰۱۷ء کورات تقریبا 11:30 بجے بذریعہ فون یہ اطلاع ملی کہ شیخ عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ اس دارفانی سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ علمی حلقوں میں ایک اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ساری زندگی تعلیم وتعلم میں گزاردی، موصوف حد درجہ متواضع وملنسار تھے، مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے، راقم کو بھی ان سے کچھ عرصہ فیض حاصل کرنے کا شرف ہوا، علم حدیث، تفسیر کے خاص استاد تھے، نہایت بالغانہ انداز میں درس دیتے تھے، موصوف تاحیات جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر میں مسند افتاء پر فائز رہے، انھوں نے اپنی علمی وراثت اپنے اکلوتے بیٹے مولانا عبدالمنان سلفی کی شکل میں چھوڑا جو راقم کے کلاس فیلو بھی رہ چکے ہیں، اس کے علاوہ پسماندگان میں متعدد پوتے، پوتیاں، پڑپوتے، وغیرہ بھی چھوڑا ہے۔ اللہ سے دعا گو ہوں کہ باری تعالیٰ ان کے حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی نجات کا ذریعہ بنائے نیز ان کی لغزشوں سے پوری طرح درگزر فرما کر انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(حافظ عبدالعزیز بن ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی)

5/02/2017

۞۞۞

استادگرامی مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کا انتقال علمی دنیا کے لئے خسارہ

انتہائی رنج وغم کے ساتھ اس خبر کو سننے کے بعد لوگ آب دیدہ ہوگئے کہ جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر کے لائق وفائق، متقی وپرہیزگار، مفتی عبدالحنان صاحب فیضی رحمہ اللہ ایک طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

استاد گرامی کی عمر تقریباً 85؍سال تھی اور ساری زندگی موصوف نے قال اللہ وقال الرسول کی خدمات میں صرف کردی، علالت کے باوجود ہندونیپال کے برادرانِ اسلام کے فتوؤں کا مستقل مزاجی کے ساتھ برادرم عبدالمنان سلفی کے تعاون سے ارسال کیا جاتا رہا۔

پورے براعظم میں ان کی تعلیمی وتدریسی اور فتاوٰں کو انتہائی اہمیت وعزت دی جاتی تھی، افسوس کہ علم دین کا وہ روشن چراغ ہمیشہ ہمیش کے لئے بجھ گیا، عرب وعجم میں موصوف رحمہ اللہ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت ہے جو دینی امور میں شب وروز مشغول عمل ہے، ان شاء اللہ استادگرامی کے لئے یہ تاقیامت صدقۂ جاریہ رہے گا۔

(محمد آزاد فیضی، رپورٹر راشٹریہ سہارا، اردو)

کل نفس ذائقة الموت

۳؍فروری ۲۰۱۷ء جمعہ کی شب ساڑھے دس بجے بذریعہ فون یہ اندوہناک خبر ملی کہ استادمحترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ اس دارفانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر ہمارے لئے بڑی الم ناک تھی کیونکہ ابھی ۳؍دن قبل جب آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہوئی تو عیادت کرنے کا شرف حاصل ہوا، اس وقت آپ پرسکون نظر آرہے تھے اور بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ میرے لئے دعا کرتے رہنا۔

بلاشبہ استادمحترم ایک کہنہ مشق باصلاحیت اور مشفق استاد تھے، نحو، صرف، تفسیر، حدیث غرض کہ درسی فنون کے ماہر اور باکمال مدرس تھے، انھیں خوبیوں کی وجہ سے علامہ خطیب الاسلام عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کا انتخاب اپنے جامعہ سراج العلوم کے لئے کیا تھا۔

آپ نے نصف صدی تک جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر میں اپنی صلاحیت کواجاگر کرتے ہوئے تدریسی خدمات نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کی مرکزی درس گاہ جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ رحمہ اللہ اوراس کے منتظمین نے آپ کا انتخاب کیا، جہاں چارسال تک ماہردرسیات وفنونیات کے درمیان تفسیروحدیث ودیگر فنی کتابوں کا درس نہایت حسن وخوبی اور ایک ماہر استاد کی حیثیت سے انجام دیتے رہے۔اس درمیان آپ کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے صحت متأثر ہونے لگی اس موقع کوغنیمت سمجھتے ہوئے پھر جھنڈانگری رحمہ اللہ دوبارہ اپنے جامعہ میں لے آئے، اس کے بعد تاحیات آپ جامعہ کے استاد، شیخ الحدیث اور افتاء کے منصب پر فائز رہے۔

آپ رحمہ اللہ اپنے والدمحترم علامہ محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ تھے، جواپنے وقت میں اپنی مثال آپ تھے، جس طرح آپ کے والدمحترم ایک کہنہ مشق مدرس اورفرض شناس، خوددار، قناعت پسند، کفایت شعار، متبع سنت، متقی وپرہیزگار تھے، آپ کے اندر بھی یہ خوبیاں بدرجۂ اتم موجودتھیں، کیونکہ یہ آپ کے والدمحترم کی تربیت کا اثر تھا۔

اللہ کا شکر ہے کہ ناچیز کو اولیٰ تا خامسہ دو پشت سے شرف شاگردی حاصل ہے، اس کے علاوہ کلیہ عائشہ صدیقہ کے تدریسی دور میں میری تین بچیوں کوآپ سے تفسیر، حدیث اورعقیدہ وغیرہ کی کتابیں پڑھنے نیز شاگردی اختیار کرنے کا شرف حاصل ہوا، **فالحمدلله** ۔

آپ کو ہماری بچیوں سے خاصہ لگاؤ تھا، بسااوقات جب آپ میرے گاؤں کلن ڈیہہ خطبۂ جمعہ کے لئے جاتے توہمارے بچوں وبچیوں کی ضرور خیریت دریافت فرماتے اور یہ تعلق آپ کے والدمحترم مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ اور ہمارے والدمحترم رحمہ اللہ سے بہت قریبی مراسم ہونے کی وجہ سے چلاآرہاہے۔

آپ کے اخلاص وللّٰہیت محبت اورمقبولیت کا اندازہ آپ کے انتقال کے بعد ہوا کہ آپ کے آبائی قصبہ انتری بازار سے مردوزن کثیر تعداد میں آپ کی تکفین وتدفین میں شریک ہوئے اورسب آب دیدہ تھے، آپ کے عقیدت مند ایک بزرگ ماسٹر انصاری اپنی کبرسنی کے باوجود عصائے پیری لئے ٹیکتے ہوئے آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے، اس سے آپ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کے انتقال سے قومی، ملی، جماعتی حلقوں میں بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، بالخصوص جامعہ سراج العلوم وکلیہ عائشہ صدیقہ اپنے ایک مشفق معلم ومربی سے محروم ہوگیا ہے،

آپ نے اپنے پیچھے ایک بھرا پرا کنبہ چھوڑا ہے اللہ رب العالمین سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے حسنات کو قبول فرمائے، سیئات سے درگزر فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔اللھم اغفر لہ وارحمہ واکرم نزلہ۔(آمین)

(مولانا عبدالستار فیضی، نگراں کلیہ عائشہ صدیقہ جھنڈانگر)

۞۞۞

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی ذی روح کو مفر نہیں، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے''کل نفس ذائقة الموت (آل عمران ۱۵۸) لیکن اس سچائی کے باوجود موت، غم واندوہ، کا پہاڑ بن کر نازل ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے اعزہ واقرباء کو دل دوز تجربہ سے گزرنا پڑتا ہے اور یہی تجربہ انسان کو زندگی کے لہولعب سے گریز کرنے اور اچھے اعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

بڑی ہی مایوسی اور رنج وغم کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ ملک وملت کا مایہ ناز اور وقیع ادارہ ''جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر'' کی ایک عبقری شخصیت، مؤقر عالم دین، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی عبدالحنان فیضی کا انتقال پرملال ۸۵ سال کی عمر میں مورخہ ۳رفروری ۲۰۱۷ بوقت دس بجے شب کو ہوا''انا للہ وانا الیہ راجعون''

اس جانکاہ سانحہ پر مرکز البینۃ الاسلامی مرچیا، سرہا، کا پورا ماحول سوگوار ہے اور ساتھ ہی اس موقع سے مرکز کے کارکنان، تمام اساتذۂ کرام اور طلبہ شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ طویل عرصے تک درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور قوم وملت کی بے لوث خدمات تادم حیات انجام دیتے رہے، ان سے مستفید ہونے والے بڑی تعداد میں بشکل دعاۃ ومدرسین عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں، ساتھ ہی اپنے نامور خلف الرشید اور ہونہار سپوت مولانا عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ کو آپ نے جس طرح سنوارا اور ہیرا سے کندن بنایا وہ آپ کی زندگی کا بہت ہی روشن اور تابناک باب ہے۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کی جملہ لغزشوں کو درگزر کرتے ہوئے ہر طرح کی دینی وملی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس عطا کرے نیز جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور جامعہ سراج العلوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔(آمین)

(ڈاکٹر اورنگ زیب الکعبی، نائب رئیس مرکز البینۃ الاسلامی)

۞۞۞

موت العالم موت العالم

۴رفروری ۲۰۱۷ء بروز سنیچر یہ خبر اچانک موصول ہوئی کہ فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحنان صاحب فیضی، سابق استاد جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر، نیپال ایک طویل عمر پاکر اس دار فانی سے رخصت ہوکر آغوش لحد ہوگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

آپ کا شمار ہندوستان ونیپال کے مشاہیر علماء کرام میں تھا۔ اور آپ ہندوستان کے مشہور ادارہ مرکزی دار العلوم بنارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ بعدہ نیپال کی مشہور درس گاہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر، نیپال میں درس وتدریس وافتاء کے فرائض پر فائز تھے، اخیر عمر میں کلیہ عائشہ الصدیقہ للبنات، جھنڈانگر نیپال میں درس وتدریس سے منسلک رہے، اس کے بعد عمر طبعی کو پہونچ کر اس

دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ کی حیثیت ایک ثمردار شجر جیسی تھی جس کے سایہ میں آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالمنان صاحب سلفی مدیر ماہنامہ ''السراج'' جھنڈانگر اور آپ کے پوتے و پوتیاں سکون واطمینان کے ساتھ سانس لے رہے تھے، ہند و نیپال کے ہر گوشے سے آکر طلبہ وطالبات آپ کے خوشہ چیں تھے۔

آپ نیک شعار، ملنسار، حسن تربیت میں ممتاز، منفرد اور اپنی مثال آپ تھے، ایسی بیش بہا وانمول موتی چھن جانے سے جو صدمہ جماعت اہل حدیث اور بالخصوص آپ کے گھر والوں کو ہوا وہ ناقابل تلافی ہے، پھر یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ کے حکم اور اس کی مشیئت ومرضی سے ہوا، اس لئے غم وافسوس کے ساتھ اللہ کے اس فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے۔

اخیر میں بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور جنت الفردوس ہمیشہ ہمیش کے لئے ٹھکانہ بنا دے نیز جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

(مولانا محمد نعیم اثری، استاد کلیہ عائشہ الصدیقہ، جھنڈانگر)

۞۞۞

مولانا مرحوم کا انتقال قوم وملت اور جماعت کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے، مولانا کو اللہ نے اخلاق کے بلند معیار پر فائز کیا تھا، میں جب بھی ملتا تھا نہایت ہی محبت اور اپنائیت سے ملتے تھے، اللہ ان کا نعم البدل ملت کو عطا فرمائے اور ان کے اعلیٰ اوصاف سے ہم سب کو مستفیض کرے۔ (آمین)

(ماسٹر جاوید عالم ایس. اے. بی. آر. سی. شکچھا و بھاگ)

۞۞۞

آہ! میرے مشفق محترم نانا جان رحمہ اللہ

وہ دن میرے لئے بڑا ہی دردناک اور کربناک تھا جس دن میرے کانوں نے مشفق نانا محترم رحمہ اللہ کے داعئ اجل کو لبیک کہنے کی خبر سنی اور آنکھوں نے موبائل پر مراسلہ کو پڑھا، اس وقت میرے پیروں تلے زمین کھسک گئی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن صبر کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا، کیوں کہ ہم اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہتے ہیں اس کے ہر فیصلے پر راضی رہنا ہی مومن بندوں کی پہچان ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں ان دنوں بغرض ملازمت قطر میں تھا، میری بڑی خواہش تھی کہ تکفین وتدفین میں شامل ہو کر آپ کا آخری دیدار کرلوں لیکن بدقسمتی سے ایسا ممکن نہ ہوسکا جس کا مجھے شدید غم ہے اور اس کا افسوس مجھے زندگی کی آخری سانس تک رہے گا۔

اللہ تعالیٰ میرے نانا محترم رحمہ اللہ کی قبر کو جنت کی خوشبودار ہواؤں سے معطر اور تاحد نگاہ وسیع کردے، ان کی دینی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی چھوٹی بڑی لغزشوں کو درگزر فرما کر اعلی علیین میں جگہ دے اور انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ان کا حشر فرمائے آمین یا رب العالمین۔

جب ہم میں سے کوئی بھی ان سے ملاقات کرنے جاتا تو وہ بے حد خوشی کا مظاہرہ کرتے اور بہترین وعمدہ مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ ماحضر پیش کرنے میں بہت ہی عجلت کرتے اور جب ملاقات کرکے واپس ہونے لگتے تو ایک بات یہ ضرور کہتے تھے کہ دعا کرنا بابو، اللہ جب تک زندہ رکھے کسی کا محتاج نہ بنائے اور جب تک زندہ رکھے ایمان واسلام

پر قائم و دائم رکھے اور جب خاتمہ ہو تو خاتمہ بالخیر ہو۔ اور الحمدللہ ان کی یہ خواہش بھی پوری ہوئی۔

اللهم اغفر له وارحمه واسكنه فسيح جناته

مولانا اسامہ اکرم عالیاوی

استاد مکتب جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر

۞۞۞

ملک میں ایک چراغ تھا نہ رہا!

استاد الاساتذہ ،شیخ الحدیث حضرت العلام مفتی عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی وفات پرملال کی خبر سن کر علمی ودعوتی اور جماعتی حلقوں میں زلزلہ طاری ہوگیا، بلاشبہ مفتی محترم ہندونیپال کے باوقار مفتی اور جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر کے ماتھے کا جھومر تھے، آپ کی جاں گسل وفات پوری جماعت وجمعیت کے لئے المناک حادثہ اور قوم وملت کے لئے عظیم خسارہ ہے۔

آپ نے اپنی حیات مستعار کو درس وتدریس، دعوت وارشاد، وعظ ونصیحت، فتاوی نویسی، خطبات جمعہ اور امامت وخطابت کے لئے وقف کیا تھا، پوری زندگی آپ اپنے فرائض اور دیگر مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی سرانجام دیتے رہے، دینی علوم ومعارف کی غزارت،تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، خودداری اور سادہ مزاجی آپ کی شان وپہچان تھی، آپ بابصیرت وغیرت مند عالم شریعت تھے، مختلف میقات واوقات میں ہندونیپال کے بعض نامور قابل ذکر جامعات اور اسلامی مراکز سے منسلک ہوکر کتاب وسنت کی روشن اور آفاقی تعلیمات سے نونہالان ملت اسلامیہ کو مستفیض کرتے ہوئے مورخہ ۲/۳/ ۲۰۱۷ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر کی نسواں شاخ، کلیہ عائشۃ الصدیقہ، کو بھی یہ عظیم اعزاز وشرف حاصل ہے کہ آپ نے کئی سالوں تک تفسیر، حدیث اور عقیدہ کی کتابیں پڑھائی ہیں اور یہاں کی زیر تعلیم طالبات اور دیگر وابستگان کلیہ کو اپنی بیش قیمت ودل نشیں نصیحتی کلمات وعلمی فیوض وبرکات سے مستفید فرمایا ہے۔

داخل کلیہ بعض غیر شرعی مروجہ عادت اور قیام تعظیمی کی شرعی قباحت وشناعت کی نشان دہی اور اس کی تردید وبیخ کنی آپ کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، تاقیامت اس کا اجر آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، ان شاءاللہ۔

باری تعالیٰ! آپ کے تمام حسنات ،صدقہ وخیرات اور علمی ودعوتی اور تدریسی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور انھیں آپ کے لئے توشۂ آخرت بنائے۔(آمین)

میں آپ کی علمی وبے مثال شخصیت کو خراج عقیدت ومحبت کی سچی تصویر درج ذیل شعر کے ذریعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہی ہوں ؎

وہ ایک عظیم شخص تھا اور باکمال تھا
اس کی مثال ہو تو کہاں بے مثال تھا
قضا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو بہت ہی تیرے ہیں
پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے

اللهم اغفرله وارحمه وأسكنه الفردوس الأعلىٰ (آمین)

(شاہین پروین، پرنسپل کلیہ عائشۃ الصدیقہ، جھنڈا نگر)

19/02/2017

داداجان رحمہ اللہ کی کچھ یادیں کچھ باتیں

موت قانون الٰہی کا ایک اٹل فیصلہ ہے۔جس کا ہر فردِ بشر اقرار کرتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز میں اختلاف ہوسکتا ہے اور ہوتا بھی ہے، مگر موت کے سلسلے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ہر دین و مذہب کا ماننے والا اس کا معترف ہے۔ آیت کریمہ ''کل نفس ذائقة الموت'' کے تحت ہر متنفس کو موت کا پیالہ پینا ہے۔خواہ وہ کسی بھی طبقے اور کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو۔ داداجان رحمہ اللہ کو بھی موت نے ۳ رفروری ۲۰۱۷ءکو اپنی آغوش میں لے لیا اور آپ اس دنیاوی سفر کو چھوڑ کر کے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

دادا جان رحمہ اللہ بہت ہی خلیق، ملنسار، ہنس مکھ اور گوناگوں اوصاف وکمالات کے حامل تھے۔آپ نہایت ہی سادہ مزاج، متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔صلوات خمسہ کی پابندی اور ذکر واذکار کا خوب اہتمام فرماتے تھے اور ہمیں بھی ان کو بروئے کار لانے کی ترغیب دیتے۔آپ علماء کے قدرداں اور عوام الناس سے جڑے رہنے والے فرد تھے۔مہمان نوازی آپ کی خاص صفت تھی، غربا ومساکین کا بھی بہت خیال رکھنے والے تھے۔جس سے بھی ملتے خندہ پیشانی سے ملتے یہی وجہ تھی کہ جو آپ سے ایک مرتبہ ملاقات کر لیتا تو بار بار آپ سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کرتا،آپ جب بھی اپنے آبائی وطن انتری بازار پہنچتے ملاقاتیوں کی ایک بڑی تعداد کا ہمارے گھر آنا جانا شروع ہوجاتا تھا اور جب تک آپ گاؤں میں ہوتے یہ سلسلہ جاری رہتا،آپ خوشی بہ خوشی ان سے ملتے اور انھیں دعائیں دیتے۔

جب سے ہم نے ہوش سنبھالا دادا جان کو اپنے سے قریب پایا اور آپ نے بھی ہم لوگوں کو ہمیشہ اپنے سے قریب رکھا۔ ہمارے والدین بھی ہم لوگوں کو ہمیشہ دادا دادی کے پاس رہنے پر ابھارتے اور ان کی خدمت کی ترغیب دلاتے،ہم لوگ دن کا اکثر و بیشتر حصہ دادا دادی کے پاس ہی گزارتے، ان کی خدمت کرتے،ان کی قیمتی نصیحتیں سنتے اور ان کی دعائیں لیتے۔

جب ہم بہنوں کو آبائی وطن یا کسی اور جگہ جانے کا کوئی پروگرام بنتا تو ہم لوگ والد صاحب سے اجازت لیتے، والد صاحب کہتے کہ دادا دادی سے اجازت لو اگر انھوں نے منظور کرلیا تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ بہرحال جب ہم لوگ دادا جان سے اجازت لیتے کہ دادا ہم میں سے فلاں گاؤں جانا چاہتی ہے تو مسکرا کر کہتے کہ بیٹی مجھے ناشتہ اور کھانا کون دے گا؟ مجھے وقت پر دوا کون کھلائے گا؟ پھر کہتے کی اچھا چلی جاؤ لیکن جلدی آجانا ورنہ مجھے بہت پریشانی ہوگی۔ ہم بہنیں دادا جان کو مقررہ اوقات پر دوائیں کھلاتیں اور دادا جان سے دعائیں لیتیں۔دادا جان ہمیں ہمیشہ اپنی خصوصی دعاؤں اور نصیحتوں سے نوازتے تو ہمیں بھی خوشی ہوتی کہ ہمارے پیارے دادا جان ہمیشہ ہمیں دعائیں دیتے ہیں مگر افسوس تقدیر کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے؟ آپ کا وقت موعود آ پہنچا اور آپ اپنے سفر آخرت پر ہمیشہ ہمیش کے لیے روانہ ہوگئے، اور بھائی بہنوں کو سوگوار چھوڑ گئے اب ہم ان کی دعاؤں اور نیک تمناؤں سے محروم ہوگئے ہیں۔

دادا جان عیدین کے موقعے پر گھر کے تمام بڑے اور بچوں کو عیدین کی نماز سے پہلے عیدی دیتے تو بڑے اور ہم بچوں سمیت بہت ہی خوش ہوتے اور دادا جان کی دی ہوئی عیدی کو بہت قیمتی سمجھتے۔

آپ نے ہماری بہت اچھی تربیت کی، ہماری تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آپ ہم بہنوں کو ہمیشہ ہاتھوں میں چوڑی پہننے اور مہندی لگانے کی ترغیب دیتے۔ آپ نے ہم بہنوں بھائیوں کو ناظرہ قرآن اور کچھ درسی کتابیں پڑھائیں اور قلم

پکڑنا سکھایا، انہی کی بدولت آج ہم لوگ اس قابل ہوئے ہیں کہ ان کے تعلق سے کچھ تأثرات قلم بند کرسکیں۔ میرا بچپن سے روزانہ کا یہ معمول تھا کہ میں بعدِ نماز مغرب دادا جان کے کمرے میں بیٹھ کر اپنے درسی کتابوں کا مطالعہ کرتی اور مطالعے میں جہاں کہیں بھی مجھے کچھ اشکال ہوتا تو فوراً دادا جان سے رجوع کرتی تو دادا جان خوشی سے میرے اشکال کو دور کرتے ہوئے مجھے دعائیں دیتے، میرا یہ معمول دادا جان کی وفات سے چند روز پہلے تک تھا اور جب دادا جان کی طبیعت کافی ناساز ہوگئی تو ان کے پاس عیادت کرنے والوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا، اس لیے مجھے اپنا یہ عمل بند کرنا پڑا جو بعد میں ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔

۲۳ فروری ۲۰۱۷ء بروز جمعہ کو گھر کے افراد دادا جان کو بغرض علاج لکھنؤ لے جانے کی تیاری میں مصروف تھے، ہم بہنیں والد محترم کو دادا جان کی دواؤں کے اوقات کے بارے میں بتا رہی تھیں اور والد محترم دواؤں کے اوقات کو لکھ رہے تھے۔ دادا جان بیٹھے ہوئے ہمیں سامان رکھنے کے لیے یاد دلا رہے تھے کہ اسی اثنا میں دادا جان کا سر آگے کی طرف تھوڑا جھک گیا، والد محترم نے فوراً لٹا دیا لیکن ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور وہ دار فانی سے دار باقی کی طرف رخصت ہو چکے تھے۔ دادا جان اگر چہ اب ہم سے رخصت ہوگئے ہیں، مگر ان کی باتیں اور نصیحتیں ہمیشہ ذہن میں تازہ رہتی ہیں۔ آپ نے ہم لوگوں کی اسلامی سانچے میں جو تربیت کی اور اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کا جو طریقہ بتایا ان شاء اللہ ہم زندگی بھر اس پر کاربند رہنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے، آپ کی دینی و ملی خدمات کو قبول فرمائے اور ہم سب کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

(میمونہ بنت عبدالمنان سلفی، معلمہ کلیہ عائشہ صدیقہ، جھنڈا نگر)

دادا کی ذات بابرکات میں بے شمار اوصاف و کمالات اور خصائص جمیلہ موجود تھیں، بچپن ہی سے آپ کے زیر تربیت رہی، دادی کے جھنڈا نگر آنے کے کچھ ہی دنوں بعد میں بھی جھنڈا نگر آگئی، یہیں پر آپ سے ناظرہ قرآن پڑھا اور آخری پارہ کی چند سورتیں یاد کیں، قرآن کے ساتھ ساتھ دعا وغیرہ بھی سکھاتے اور بتاتے رہتے تھے اور انہیں یاد کرنے کا حکم دیتے رہتے تھے۔

آپ تعلیم و تربیت کے معاملے میں نہایت ہی سخت تھے، بچپن ہی سے سر پر دوپٹہ رکھنے، ہاتھوں میں چوڑیاں پہننے اور مہندی لگانے کی تلقین کرتے۔

آپ ہی نے میرا نکاح پڑھایا اور میرے تینوں بچوں کے نام رکھے، آپ مجھے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے تھے، ایک بار جب آپ عید کے بعد جھنڈا نگر واپس جا رہے تھے تو رنج کی وجہ سے میری آنکھیں بہہ پڑیں جس پر آپ نے یہ سمجھا کہ میں کسی تکلیف میں ہوں، اس وقت تو آپ نے کچھ نہیں کہا لیکن جھنڈا نگر پہنچنے کے بعد امی اور ابو سے پوچھا کہ سعدیہ کیوں رو رہی تھی؟ آپ لوگوں نے بتایا کہ وہ ہماری محبت اور فرقت میں رو رہی تھی لیکن آپ کو مکمل اطمینان نہ ہوا کچھ دنوں کے بعد جب میں جھنڈا نگر آئی تو آپ نے پوچھا کہ بیٹا اس دن رو کیوں رہی تھی؟ میں نے جب مسکرا کر انہیں یاد دلایا کہ میں اپنے گھر میں بہت خوش ہوں یہ آنسو بے اختیار نکل گئے تھے تب جا کر آپ مطمئن ہوئے، آپ مجھے خوب مانتے اور دعائیں دیتے، آپ کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب بھی کوئی جھنڈا نگر سے انتری جاتا تو اکثر کچھ نہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے، کبھی سنترہ، بچوں کے لئے ٹافیاں تو کبھی اور کوئی موسمی پھل بھیج دیتے۔ اللہ ہمارے دادا جان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ (آمین)

(سعدیہ توحیدی بنت عبدالمنان سلفی، انتری بازار)

تعزیتی پیغامات

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وفات پر ملک وبیرون ملک کے بے شمار عقیدت مندوں نے تعزیتی خطوط بھیج کر مولانا کی علمی ودعوتی خدمات کے تئیں اپنے تاثرات ودلی جذبات کا اظہار کیا اور انھیں خراج عقیدت ومحبت پیش کرتے ہوئے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ورثاء اور جامعہ کے ذمہ داران، اساتذہ، طلبہ وکارکنان سے اظہار تعزیت کیا، ادارہ ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے۔

خواہش کے باوجود تمام تعزیتی خطوط کی اشاعت ''السراج'' کی تنگ دامانی کے باعث ممکن نہیں، یہاں بعض تعزیتی پیغامات شائع کئے جارہے ہیں۔ (ادارہ)

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفیؔ

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

گرامی قدر جناب مولانا عبدالمنان سلفی صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کے والد محترم مولانا عبدالحنان فیضی صاحب کے انتقال کی خبر خرمن دل پر صاعقہ بن کر گری۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔اللھم اغفر لہ وارحمہ واعفہ واعف عنہ ووسع مدخلہ واکرم نزلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الأبیض من الدنس وادخلہ فی جنت الفردوس واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار

بلا شبہ مولانا کی وفات دینی، علمی، اور جماعتی خسارہ ہے۔ مولانا گوں ناگوں خصوصیات کے مالک تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو علم دین کی خدمت کے لیے چن لیا تھا۔ انہوں نے بھرپور زندگی گذاری اور کئی نسل کی علمی و دینی تربیت کی اور انہیں نبوت کے منہل صافی سے فیض یاب فرمایا۔ ان کا وجود کحل الجواہر سے کم نہ تھا۔ مصیبت کی اس گھڑی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران وکارکنان آپ کے ساتھ ہیں، آپ اور دیگر پسماندگان کو دلی تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالی مولانا محترم کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت بخشے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا کرے، جماعت و جامعہ سراج العلوم السّلفیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

غم گسار: اصغر علی امام مہدی سلفی

مولانا عبدالعزیز رضاء اللہ سلفیؔ

مدیر ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

گرامی قدر مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۳؍فروری کی شب میں ساڑھے دس بجے مفتی مولانا عبدالحنان فیضی شیخ الحدیث جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس خبر نے سینے پر غم کا ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔ مولانا عبدالحنان علماء کی بھیڑ سے الگ تھلگ ایک جوہر قابل تھے۔ وہ صاحب کردار عالم اور سلف صالحین کا سچا نمونہ تھے۔ ان کی شخصیت ہم سب کے لئے سرمایہ ناز تھی۔ ان کی صحبت میں روحانیت تھی۔ ان کی مجلس میں شگفتگی اور ان کی زبان میں پاکیزگی تھی۔ وہ درویش صفت بزرگ عالم تھے۔ خود کار تھے۔ خوددار تھے۔ خود اعتماد تھے اور خود راہ تھے۔ وہ جامعہ سراج العلوم ہی کے نہیں پوری جماعت میں علم کے قطب مینار اور مرجع خلائق تھے۔

ہندونیپال میں کم علماء کو وہ امتیاز حاصل ہے جو ان کو حاصل تھا۔ ان کی رحلت بہت دنوں تک لوگوں کو تڑپائے گی اور ان کی کمی کا احساس بہت دنوں تک باقی رہے گا۔ ہمارا سابقہ علمائے کرام سے بہت کم رہتا ہے، بہت کم علماء سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل کر پاتا ہوں مگر میں ذاتی طور پر ان کی شخصیت سے بہت متاثر تھا اور دل کی گہرائیوں سے ان کی قدر کرتا تھا۔ اللہ قادر مطلق کو معلوم ہے کہ ایسے دیدہ

ورعلماء سے یہ سرزمین علم وعمل کے گلشن سے دوبارہ پھر کب آباد ہوگی۔ہم باری تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی خالی جگہ اپنی رحمت خاص سے جلد پر کردے۔(آمین)

ہمارے سفر کے تمام سنگ میل احباب بالخصوص برادر گرامی عبدالواجد فیضی اور برادر عزیز افضل حسین ندوی آپ سے اورآپ کے خاندان ادارہ سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اورآپ کے واسطہ سے ان کے تمام پسماندگان بالخصوص ان کے خلف رشید گرامی عزیز مولانا عبدالمنان سلفی اوران کے پسر زادگان کو بھی تعزیت پیش کرتے ہیں۔

اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وادخله الفردوس الأعلى.

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبدالعزیز رضاءاللہ

۴رفروری ۲۰۱۷ء

....

مولانا محمد معصوم سیفی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مکرمی جناب مولانا عبدالمنان سلفی زید مجدہ

مدیر ماہنامہ "السراج"، جھنڈانگر، نیپال

واستاد جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والد محترم کے انتقال کی خبر ملی، **انا لله وانا اليه راجعون**، خبر سن کر بہت افسوس ہوا، اللہ تعالی نے ان کو بلاشبہ اس عصر کے لئے نمونہ بنایا تھا، **ان لله ما اخذ وله ما اعطى وكل شئى عنده إلى اجل مسمى، اللهم اغفر له وارحمه ورحمة واسعة وادخله جنات النعيم.**

زندگی اللہ کی امانت ہے، اس امانت کو ایک نہ ایک دن لوٹانا ہے، کتنی سعید ہیں وہ روحیں جو اپنے مالک سے اس حال میں ملتی ہیں کہ وہ ان سے راضی ہوتا ہے۔

جناب مولانا عبدالحنان فیضی صاحب اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اس موقع پر ہمارا رنج وغم کا اظہار کرنا فطری ہے ،درخت جب کٹتا ہے تو سب سے زیادہ غم ان پرندوں کو ہوتا ہے جن کے آشیانے اس کی شاخوں پر ہوتے ہیں، ہم بھی انھیں پرندوں میں سے ہیں، جن کے آشیانے آپ کی علمی وفکری شاخ پر تھے، آپ کی علمی وفکری تحریروں کے ذریعہ ملاقات تو بہت پرانی تھی مگر بالمشافہ آپ سے ہماری پہلی اور آخری ملاقات جناب مولانا محمد فرمان صاحب ندوی دامت برکاتہم کے ہمراہ جھنڈانگر میں آپ کے دولت کدہ پر ہوئی، ضعف اور پیرانہ سالی کا وہ منظر آج بھی نگاہوں میں گھوم رہا ہے، جیسے کوئی بڑا درخت ایک مدت تک حالات کی دھوپ میں جل جل کر دوسروں کو سائے اور پھل بانٹ کر تھک چکا ہو، شاخیں سوکھ گئی ہوں اور خشکی کے آثار نمایاں ہوں، آپ کے ذریعہ مرحوم سے یہ ملاقات ممکن ہوسکی۔

جب ہم کمرہ میں داخل ہوئے تو آپ نے نہایت محبت اور سلوک کا معاملہ فرمایا، قریب بٹھایا، دیر تک باتیں کیں، نصیحت کی درخواست پر دیر تک نصیحت فرماتے رہے، سب سے پہلے خوف خدا کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی، اور اخلاص کے ساتھ زندگی گزارنے کی نصیحت کی، اسی کے ساتھ نرم گرم

حالات میں صبر وضبط کو اپنا شعار بنانے کی طرف متوجہ کیا، ماشاء اللہ مولانا کی یہ نصیحتیں آج بھی پوری طرح ذہن میں تازہ ہیں، مرحوم کی شخصیت علمائے سلف کا نمونہ تھی، تواضع وخاکساری ان کے خمیر میں پڑی تھی، ظاہری ٹھاٹھ باٹ سے بہت دور تھی، جس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ ہر دیکھنے والا نہ صرف یہ کہ آپ سے متاثر ہوتا بلکہ آپ کا عقیدت مند ہو جاتا۔

مولانا عبدالحنان فیضی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر کے مفتی اعظم تھے، ہزاروں کی تعداد میں آپ کے شاگرد ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، مزید ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بھی آپ کا فیضان علم جاری وساری ہے، آپ نے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی کو قریب سے دیکھا اور انھیں کے خون سے سینچے ہوئے گلستان کے محافظ ہوگئے اور تدریسی مشغولیت کے ساتھ دعوتی اور علمی سرگرمیوں میں حصہ لیا، اس طرح آپ کی زندگی استقامت کا اعلیٰ نمونہ تھی اور بعض مشائخ سے منقول ہے: الاستقامة فوق الكريمة۔

آپ نے دین ودعوت کی خدمت کا جو مثالی کام انجام دیا ہے اور اس کی خاطر جن نرم گرم حالات سے گزرے ہیں، ان سے ان کی کوہ پیا شخصیت کی عکاسی ہوتی ہے، اس عالی قدر شخصیت کے تخلیقی عناصر میں گوناگوں صفات اس طرح یکجا ہیں، جیسے معجون کے خمیر میں جڑی بوٹیاں تحلیل ہو جاتی ہیں اور اس کے طاقت وراثرات جمع ہو جاتے ہیں، ان کے ایمان وعقیدہ کی پختگی، ان کی استقامت وپامردی، اپنے مقصد حیات سے ان کا والہانہ عشق، اپنے دین وملت کے تئیں ان کی احساس ذمہ داری، ان کی پرخلوص صداقت اور انسان دوستی، ان کی علم پروری اور اصلاح امت کی خاطر ان کی دردمندی، دینی تعلیم کی راہ میں ان کی دلسوزی، نظم وانصرام، منصوبہ بندی اور افراد سازی میں ان کا حکیمانہ طریق، قرآن وحدیث سے ان کی شیفتگی، ان کی غیرت دینی وحمیت اسلامی، ان کی للّٰہیت اور ان کا خوف آخرت، ان کی عبادت وریاضت، عبادت گزاری وگریہ وزاری، اپنے ادارہ کی تعمیر وترقی کی خاطر ان کی فنائیت جیسی متعدد صفات سے ان کی شخصیت ترکیب پائی ہے۔

آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، مگر ان کی تحریریں، ان کی فکریں، ان کے ذریعہ تیار کردہ افراد موجود ہیں، جن میں ان کے خط وخال کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس موقعہ پر ہم تمام اہل خانہ سمیت آپ سے تعزیت کرتے ہیں اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں کہ اللہ ان کو جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد معصوم سیفی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۷/فروری ۲۰۱۷ء

❁❁❁

منظوم
خراج عقیدت

استاذ گرامی مولانا عبدالحنان فیضیؔ رحمہ اللہ
(مفتی جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر)

اثر خامہ: (شیخ) صلاح الدین مصلحؔ نوشہروی

نگاہِ شوق میں اُن کا مقام ہے عالی گو اُن سے مسندِ علمِ حدیث ہے خالی
مثالِ علم و عمل اور نشانِ خوش حالی سلَف کے طرز پہ تھی پیری و جواں سالی
عجب تھی سادگی، بے نفس ایک گونہ تھے
وہ بود و باش میں اسلاف کا نمونہ تھے

نفورِ علم سے ماحول میں تھی بے دینی بنامِ دیں تھا جو دیں، وہ نہیں تھا آئینی
وفورِ علم بزرگوں میں ان کی پُشتینی رہا ہے مشغلہ اُن کا سدا کتب بینی
بلا کی خوبیاں اولاد میں بھی در آئیں
جو چیز گھر کی تھیں اپنے، وہ اپنے گھر آئیں

زمین پر تھے اور توفیق آسمانی تھی وہی تھا جوشِ عمل، گرچہ ناتوانی تھی
عجیب زور تھا پیری میں بھی جوانی تھی وثوقِ علم تھا، تدریس میں روانی تھی
اُفق پہ علم کے چمکے اساتذہ اُن کے
جہاں میں پھیلے ہوئے ہیں تلامذہ اُن کے

ہوا نحیف بدن، تھی دماغ میں چستی اِسی سبب سے تھے اپنی دلیل کی پُشتی
نہ فہم و فقہ و فتاوی میں تھی کوئی سستی وہ ساری عمر رہے ہیں مدرس و مفتی
جو کام کر گئے تدریس کا گرامی ہے
لقب تو ''مفتی'' کا اب جزوِ نامِ نامی ہے

ہم آس کس پہ زمانے میں اب لگائیں گے جو جادو علم کا، اخلاق کا جگائیں گے
چلے گئے جو یہاں سے وہ اب نہ آئیں گے اب ایسے لوگ تو ڈھونڈھے سے ہم نہ پائیں گے
سفر ہوا، ہوئی نزدیک منزلِ مقصود
ترے نصیب میں ہو رب کی جنتِ موعود

از: عتیق اثرؔ

خانوادۂ علمی

تأثر بموقعۂ وفات مولانا الشیخ عبدالحنان فیضی رحمۃ اللہ علیہ

یہ خانوادۂ علمی بھی کیا نرالا ہے — کہ جس میں علمِ نبوت کا بول بالا ہے

شعور و آگہی وہوش کے دریچوں سے — اس ایک اُسرۂ دینی پہ خوب اُجالا ہے

حصولِ برکت علمی پہ پیڑھیاں گزریں — بہ فضل ایزدی کیا حلقہ علم والا ہے

وہ سادگی وہ تدیّن و زہد کیا کہنے — پھراُس پہ خلق ومروّت کا ایک ہالہ ہے

بھلا سا لگتاہے یاد آتے خطیب الہند — کہ ایسے خیمے پہ کیا سایۂ ہمالہ ہے

گزر گئی کہ گزرنی تھی شفقتِ حنّانؔ — یہ غم بھی دوستو آخر گزرنے والا ہے

مراکریم انھیں رحمتوں میں رکھ لے اثرؔ
یہ کلمہ اس کاہے حق جو نصیب والا ہے

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

سالکؔ بستوی
غوری، بجہا بازار، سدھارتھ نگر

سانحۂ ارتحال حضرت مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ
''گئے ہیں فیضیؔ خوش تر، اُداس بیٹھے ہیں''

اُداس آنکھوں میں منظر اُداس بیٹھے ہیں
یہ جسم و جان ہیں ششدر، اُداس بیٹھے ہیں

سراجِ علم سے فیضیؔ گئے ہیں دارِ بقا
چمن کے آج گل تر اُداس بیٹھے ہیں

ہماری روح میں یہ اضطراب کیسا ہے؟
خیالِ یار کے لشکر اُداس بیٹھے ہیں

غم و الم کے سمندر میں ہم تو ڈوبے ہیں
ہمارے ساتھ شناور اُداس بیٹھے ہیں

ہے انقلاب سا برپا دلوں میں فرقت سے
غمِ فراق سے دل بر اُداس بیٹھے ہیں

بھٹک رہی ہیں یہ آنکھیں کدھر گئے فیضیؔ
وفا و مہر کے پیکر اُداس بیٹھے ہیں

وہ خوش مزاج جو خدمت گذار تھا وہ گیا
فغاں ہے، آہ ہے لب پر اُداس بیٹھے ہیں

عجیب دھوپ کی شدت میں سب پریشاں ہیں
نہ سائبان ہے سر پر اُداس بیٹھے ہیں

ہمارا دفتر افتاء جو آج سونا ہے
گئے ہیں فیضیؔ خوش تر اُداس بیٹھے ہیں

سلف کا آہ! وہ فیضیؔ جو شجر طوبیٰ تھا
وہ چل بسا ہے، ثمر ور اُداس بیٹھے ہیں

فہیم و فہم و فراست جگر میں بستا تھا
گئے وہ دین کے رہبر اُداس بیٹھے ہیں

سراجِ علم میں چرچے ہیں روز و شب ان کے
جو لفظ لفظ ہیں دل پر اُداس بیٹھے ہیں

ملے بھی رب کے یہاں ان کو جنت الفردوس
ادب کے علم کے گوہر اُداس بیٹھے ہیں

لہو میں تیر گیا ذائقہ اڑانوں کا
غموں کے بوجھ سے شہپر اُداس بیٹھے ہیں

نظامِ ہستی یہ کیسا بکھر گیا سالکؔ؟
فلک کے اب مہہ و اختر اُداس بیٹھے ہیں

ابوراشد مبارک پوری

کارہائے زیست فیضی کا مسلمانی رہا

اے امام علم وفن اے مفتیٔ و شیخ الحدیث
تا عمر تو نے پڑھایا فقہ و تفسیر وحدیث

اور میراث وادب بھی تیرے زیر درس تھے
تربیت کا بار بھی تجھ پر برسہا برس تھے

جنتیں آباد تھیں گویا تری تدریس میں
زندگی تھی وقف تِری شرک کی تنقیص میں

خدمت قرآن وسنت دل میں تیرے موجزن
جذبۂ تدریس سنت کا تو گویا پیرہن

تونے پیدا کس قدر ہیرے جواہر کردیئے
جن کی تابانی سے ہر اک زون سب روشن ہوئے

یاد ہے تقوی طہارت پیار سے دادا جان کا
وہ ترا صبح ومسا پڑھنا سدا قرآن کا

سادگی زہد و ورع زیور رہا تیرا سدا
جاتے جاتے بھی عشائے فرض کی تونے ادا

خدمت دیں کے لئے تھی وقف تیری زندگی
رات کی تنہائیوں میں تونے کی تھی بندگی

کارہائے زیست فیضی کا مسلمانی رہا
ان کی فطرت میں سدا تبلیغ اسلامی رہا

تونے غربت میں مجھے ایسی محبت کی عطا
پیارسے بچوں نے میرے تجھ کو دادا جاں کہا

عاشق رب علا اور دیں کا متوالا رہا
احمدمرسل کا دل سے چاہنے والا رہا

رحمتیں تیری نچھاور اس پہ ہوں مولا مِرے
آخرت میں مرتبہ اس کا بہت اونچا رہے

راشدؔ سراجی
ناظم جامعۃ الاصلاح، غوری، بجہا بازار، سدھارتھ نگر

آہ! نشترِ غم
''اُن کی یادیں ہیں مرے دل میں ابھی تک روشن''

غم کا طوفان مرے دل میں بپا ہے، کیا ہے؟ — چھوڑ دنیا کو کوئی مجھ سے گیا ہے، کیا ہے؟
رنج و غم اور مصائب کی ہوا ہے، کیا ہے؟ — درد کچھ دل میں مرے حد سے سوا ہے، کیا ہے؟
اب تو رخصت ہیں بہاریں، چمن ویران ہوا — دارِ افتاء بھی مرا سونا پڑا ہے، کیا ہے؟
مجھ سے روٹھے ہو، گئے ہو یہ کہاں بتلادو — اس میں بتلاؤ کہ کچھ میری خطا ہے؟ کیا ہے؟
چند روزہ ہی حکومت ہے جہاں میں سب کی — کون دنیا میں ہمیشہ ہی رہا ہے، کیا ہے؟
کاسۂ دِل سے لہو، آنکھوں سے ٹپکا پانی — کون یہ زخم مجھے دے کے گیا ہے، کیا ہے؟
آہ فیضیؔ! جو گئے، لے گئے خوشیاں ساری — واسطے میرے عجب کرب و بلا ہے، کیا ہے؟
یہ جہاں چھوڑ کے جائے گا ہر اک فردِ بشر — ہر طرف موت کی بس ایک صدا ہے، کیا ہے؟
موت آئی، ہوئے قیدِ غمِ ہستی سے رہا — یہ خبر عام ہے، یہ سب کو پتہ ہے، کیا ہے؟
ان کی یادیں ہیں ابھی تک مرے دل میں روشن — آج چھائی ہوئی یہ غم کی گھٹا ہے، کیا ہے؟
جنت الماؔوی ہو فیضیؔ کا ٹھکانہ مولیٰ — چھوڑ عالم کو کوئی تجھ سے ملا ہے، کیا ہے؟

التجا ربِ دو عالم سے یہی ہے راشدؔ
وا رکھے جنت الفردوس دعا ہے، کیا ہے؟

صابر رحیمی

نکہت ونور کے سائباں آپ تھے

ذکر و اذکار کے کہکشاں آپؒ تھے — حُسن ایمان پر ضوفشاں آپؒ تھے

درسِ قرآن سے سج گئی زندگی — سلفیت کے حسیں ترجماں آپؒ تھے

صدرِ اجلاس کی سرپرستی لئے — نکہت ونور کے سائباں آپؒ تھے

ذوق و وجدان کو روشنی بخش کر — علم و اخلاق کے آسماں آپؒ تھے

ساحلِ بان گنگا پہ بحر العلوم — اس ادارے کے روحِ رواں آپؒ تھے

چوٹ دل پہ لگی اشکِ غم پی لیا — ہم سبھوں کے لئے مہرباں آپؒ تھے

تری پلکوں پہ جگنوں ہوں توحید کے — سورہ احزاب پر گلفشاں آپؒ تھے

درس و تدریس کی موہنی اس طرح — حاجی نعمت کے ہی مہماں آپؒ تھے

مغفرت پر شمیم ادب ہے کھڑی — شیخ ندوی کے فکر و بیاں آپؒ تھے

زیب دیتا نہیں ،ان کو یہ کرّ و فر — سادگی میں ہی بس شادماں آپؒ تھے

طائر جاں قفس عنصری سے اڑی — گلشن دین کے باغباں آپؒ تھے

مغفرت پر دعا مرے بچے کریں
سچ ہے صابر کے عزمِ جواں آپؒ تھے

صابر رحیمیؔ

اِک کوئلی آواز اٹھی درسِ ادب سے

تسبیح و تہلیل کی تذکیر بھلی ہے — سرسبز درودوں پہ مدینے کی گلی ہے

واللہ گلستانِ نعمت کی کلی ہے — ہرخطۂ نیپال کے گلشن میں کھِلی ہے

وہ روح مکرّم تھی،جو اک پیکر خاکی — اوراد و ظائف کے سانچے میں ڈھلی ہے

تسبیح و تحمید پہ سانسوں کی نلی ہے — اللہ کامحبوب تو بس نیک ولی ہے

آتی ہے مہک لیجئے قرآں کی حج میں — خوشبو میں مہکتی وہ سراجی ہی گلی ہے

قرطاس و قلم شعبۂ افتا میں سجا کر — ایوانِ جہالت کی دیوار ہلی ہے

یادوں کے چمن زار کا خاموش پپیہا — جب آگئی ہے نیند تو دیدار ملی ہے

وہ دعوت و تبلیغ کے سرمست مجاہد — شیطان کے گرگوں کی کہاں دال گلی ہے

آثار وضو دیکھ کے کہتا ہے یہی دل — اک چاندنی شفاف، جو دریا میں ڈھلی ہے

اک کوئلی آواز اٹھی درس ادب سے — جو آہوئے خفتہ کو جگاتی ہی چلی ہے

چھایا ہے اثر جن کا علاقے پہ ابھی بھی — ہستی وہ زمانؒ مجھ کو گہربار ملی ہے

انتری کی حسیں خاک چھپی جھنڈانگر میں — تہذیب و تمدن کی جہاں حرفِ جلی ہے

استاد نے شفقت سے جہاں ہاتھ کو پھیرا — الطاف کریمی سے بَلا،سر وہ ٹلی ہے

ہرحرف کے بدلے میں انھیں خلد عطا کر!

صابرؔ کی الٰہی یہی فریاد دلی ہے

نصیر احمد انصر نیپالی
صدر انجمن فروغ اردو ادب نیپال

جامعہ کے آہنی دیوار فیضی چل بسے

امت اسلام کے سالار فیضی چل بسے
علم و حکمت کے علمبردار فیضی چل بسے
عظمت توفیق کی تعلیم و دعوت خوب دی
خرمن باطل پہ شعلہ بار فیضی چل بسے
فن تعلیم و تعلم میں کوئی ثانی نہ تھا
مرکزِ تعلیم کے معیار فیضی چل بسے
اے سراج علم تم کو ناز ہے خدمات پر
جامعہ کے آہنی دیوار فیضی چل بسے
کتنا پیارا سچ وارث آپ نے ہم کو دیا
آہ مومن کے پدر غمخوار فیضی چل بسے
یا الٰہی بخش دے فیضی کی تو ساری خطا
عابد و زاہد و زندہ دار فیضی چل بسے

✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡

حمود حسن فضل حق مبارکپوری
متعلم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

آہ! اس بزم جہاں سے کون رخصت ہوگیا

آہ! اس بزم جہاں سے کون رخصت ہو گیا
کیسی وحشت ہے یہاں سے کون رخصت ہوگیا
درمیاں کل تک ہمارے اسوۂ کردار تھا
علم عرفانی سے چھایا، کوکبِ گفتار تھا
اک معلم، اک مربی، مفتیٔ نیپال وہ
بعد رحمانی کے رخصت ہوگیا امسال وہ
تشنگان علم و فن کی مجلسیں ہیں زار زار
نونہالان حدیث مصطفیٰ ہیں بے قرار
کیسی کیسی یادیں وابستہ ہیں اس کی ذات سے
نرم لہجہ، شفقت ِپدری جھلکتی بات سے
چھوڑ کر جانا ترا کچھ اس طرح ہے داداجاں
جیسے موجوں سے الجھتی کشتی بے بادباں
آؤ مل کر اس کے حق میں ہم دعا گو ہوں حسنؔ
جنت الفردوس میں ہوں نعمتیں سایہ فگن

✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡

شیخ الحدیث رحمہ اللہ

مقدمات اور تقریظات کے آئینے میں

شیخ الحدیث جناب مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ میدانِ دعوت وارشاد اور تعلیم وتدریس کے عظیم شہسوار تھے۔کم وبیش پچاسی سال تک آپ مختلف وسائل وذرائع کے ذریعے کتاب وسنت کی سنہری وآفاقی تعلیمات کی نشر واشاعت اور فروغ دینے میں کوشاں رہے۔خلاق دو عالم نے آپ کو مؤثر، شیریں اور عام فہم زبان کے ساتھ فصاحت وبلاغت اور سلاست کے ساتھ لکھنے کا بہترین ملکہ اور ہنر عطا کیا تھا لیکن بوجوہ اور نوشتہ تقدیر کے فیصلے کے مطابق صحافت اور تصنیف وتالیف کی جانب خاص توجہ نہیں فرمائی جس کی وجہ سے کسی موضوع پر آپ کی کوئی مستقل تصنیف منصۂ شہود پر نہ آسکی۔البتہ جماعت کے بعض نامور مصنفین ومرتبین اور قلم کاروں کی بعض بیش قیمت کتابوں پر آپ نے وقتاً فوقتاً مختصر ومفصل اور وقیع تقریظات ومقدمات ثبت فرمائے ہیں، جس میں کتاب کی بعض اہم امتیازات وخصوصیات کو قلم بند کرتے ہوئے صاحب کتاب کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔تبرکات، مقدمات اور تقریظات کی زبان عام فہم اور سادہ ہے، آپ کی یہ پرسوز اور روشن تحریریں آپ کے علم کی گہرائی اور گیرائی کی واضح دلیل ہیں۔

آئندہ صفحات میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی چند تحریریں بطور نمونہ ہدیہ قارئین کی جارہی ہیں۔جس سے آں رحمہ اللہ کے طرز تحریر اور اسلوب نگارش کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ان شاءاللہ۔

(ابو رقیہ مدنی)

مُقدّمہ بر کتاب ایمان وعمل

مؤلفہ خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ

حضرۃ الاستاذ خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی رحفظہ اللہ کی گراں قدر شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ، بزرگوار موصوف جہاں فنِّ خطابت کے ایک کہنہ مشق شہسوار ہیں، وہیں صحافت میں بھی اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، ان کا رہوارقلم ماشاء اللہ بہت تیز گام ہے، موقع ومحل کی مناسبت سے واقعات واشعار پیش کرنے میں موصوف اپنی مثال آپ ہیں، مختلف دینی وعلمی موضوعات پر آپ کی تالیفات منظرِ عام آ کر عوام وخواص سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، اہل علم وارباب بصیرت علماء وطلباء یکساں طور سے ان سے مستفید ہوتے ہیں، ان تالیفات کی مقبولیت دراصل مولانا موصوف کے علم وفضل اور اخلاص کی روشن دلیل ہے۔

استاذ محترم کی تازہ ترین تصنیف ''ایمان وعمل'' ان کی علمی وتحقیقی اور تبلیغی کدّ وکاوش کا بہترین ثمرہ ہے جسے انھوں نے بے شمار کتابوں سے خوشہ چینی کر کے بہت اہتمام اور غیر معمولی محنت سے ایک حسین وجمیل وگلدستہ کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

کتاب مذکور کے مراجع اور حوالہ جات کی تحقیق وتصحیح میں انتہائی حزم واحتیاط اور چھان بین کی گئی ہے، واقعات کی تفتیش وتصحیح اور تالیف کی تسوید وترتیب میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی اٹھانی پڑی ہے۔

اس تالیف کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کریم میں مامورات ومنہیات سے متعلق جتنی آیات کریمہ وارد ہوئی ہیں انھیں بہت تتبع وتلاش کے بعد مؤلف حفظہ اللہ نے ذکر کر کے ان کی تفسیر وتوضیح فرمائی ہے، ضمناً احادیث صحیحہ کو بھی بیان کیا ہے۔

مومن اپنی روزہ مرہ کی زندگی میں اوامرونواہی کی بجا آوری میں جو کچھ کرتا ہے خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاقیات سے ہو یا معاشیات سے، حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، ایمان ان تمام چیزوں پر حاوی ہے۔

زیر نظر تالیف میں ان تمام چیزوں پر قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل طریقہ سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ایمان کے جملہ اجزائے ترکیبی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایمان کے فوائد وثمرات نہایت دل نشین انداز میں پیش کئے گئے ہیں، ہر عنوان کے تحت ایسے موثر وبصیرت افروز واقعات کو منتخب کیا گیا ہے جنھیں پڑھ کر دل لرز اٹھتے ہیں اور ایمان میں اضافہ وتازگی پیدا ہوجاتی ہے بلاشبہ ہر واقعہ عبرت وموعظت کا آئینہ دار ہے۔

فوائد ایمان کے سلسلے میں ایک ضروری تنبیہہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ایمان کے جو فوائد وثمرات اس کتاب میں ذکر کئے گئے ہیں وہ ایمان سے حاصل ہوتے ہیں جو شعوری طور سے علم ومعرفت کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے، تقلیدی ایمان جو آباء واجداد سے وراثت میں ملتا ہے وہ محض ایک بے روح جامد عقیدہ ہوتا ہے ایسے رسمی ایمان سے ایمان حقیقی کے فوائد وبرکات کی توقع ایسے ہی ہے جیسے کوئی گائے کی خوبصورت تصویر سے دودھ کا امیدوار ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب سے ایمان شعوری ہی کا مطالبہ کرتا ہے اور درحقیقت یہی ایمان عنداللہ مقبول ہے، اسی قسم کے ایمان سے دنیوی واخروی سعادتیں اور برکتیں حاصل ہوسکتی ہیں،

رسمی اور تقلیدی ایمان کے فوائد صرف دنیوی زندگی تک محدود رہتے ہیں آخرت میں ایسے ایمان سے ذرّہ برابر بھی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

ایمان حقیقی اور رسمی ایمان میں بعینہٖ وہی فرق ہے جو شیر قالین و ''شیر نیستاں'' میں ہے، ایمان حقیقی، شعور وادراک، علم ومعرفت کے دریچہ سے انسان میں داخل ہوکر اذعان صادق، یقیں محکم، تسلیم ورضا اور کلی انقیاد کے اعلیٰ ترین صفات پیدا کرتا ہے، ایمان ایک زلزلہ ہے جو انسان میں داخل ہوتے ہی اتھل پتھل مچادیتا ہے اس کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب برپا کردیتا ہے جس سے اس کی زندگی کی گاڑی صحیح سمت میں رواں دواں ہوجاتی ہے۔

اب وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد نہیں رہتا ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو قوانین شریعت میں جکڑا ہوا پاتا ہے اب اس کا کوئی قدم غلط طریقہ سے نہیں اٹھے گا، اپنی آنکھ اور کان، ہاتھ، پیر، دل ودماغ کو کسی ایسی جگہ نہیں استعمال کرے گا، جہاں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہو وہ اپنے تمام معاملات میں اللہ کی رضا کو تلاش کرے گا، اس سے وہی اعمال صادر ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے وہ ایسے اعمال سے قطعاً دور رہے گا جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔

ایمان ایک سدابہار درخت ہے جو ہمیشہ ہر آن وہر لحہ پھل دیتا رہتا ہے اس کے ثمرات وبرکات اعمال صالحہ وخصائل حمیدہ کی شکل میں مسلسل مومنوں کو حاصل ہوتے رہتے ہیں جیسے درخت میں برگ وبار لانے کی صلاحیت ہوتی ہے، اسی طرح ایمان بھی ایک اضافہ پذیر حقیقت ہے جو اعمال صالحہ کے کرنے اور افعال سیئہ سے اجتناب کرنے سے بڑھتا رہتا ہے، اس کی بہت ساری مثالیں ناظرین کرام کو اس تالیف میں ملیں گی، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے بہت ساری آیات واحادیث اور آثار صحابہ سے استدلال کرتے ہوئے ایمان کے اندر زیادتی وکمی کو بہت زوردار طریقہ سے ثابت کیا ہے۔

ایمان کوئی پتھر کی طرح جامد شئی نہیں ہے جس میں اضافہ وترقی نہ ہوسکے، ارشاد الٰہی ہے:﴿ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها في السماء تؤتي اكلها كل حين بإذن ربها﴾

(سورۂ ابراهیم: ۲۴، ۲۵)

الغرض ایمان بہت سارے اعمال وافعال اور اوامر ونواہی کے مجموعے کا نام ہے جو شخص تمام اوامر ونواہی کی پابندی کرے گا، اس کا ایمان کامل ومکمل ہوگا اور ان میں جس قدر کمی کرے گا اسی قدر اس کا ایمان ناقص ونامکمل ہوگا۔

خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا تھا کہ ایمان کے اندر بہت سے فرائض وعقائد اور مستحبات اور مسنون باتیں ہیں جو سب ایمان میں داخل ہیں، جس نے ان سب کو پورا کیا اس نے اپنے ایمان کو پورا کرلیا اور جو پورے طور پر ان کا لحاظ نہ رکھے اس کا ایمان ناقص ہے۔(صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الإيمان، ص: ٦)

ایمان وعمل ہی دنیوی واخروی فلاح وکامیابی کا ذریعہ ہے ان کے بغیر ہم دنیا وآخرت میں کامیابی وسُرخروئی سے ہمکنار نہیں ہوسکتے ہیں اس لئے شدید ضرورت ہے کہ دورِ حاضر کے مسلمان اپنے آپ کو ایمان حقیقی اور عمل صالح سے مزین کریں، اس کتاب کے لکھنے کا اصل منشاء ومقصد بھی یہی ہے کہ اعمال ایمان کی ماہیت وحقیقت میں داخل ہیں، اعمال

ایمان کے لئے لازم وضروری ہیں بغیر عمل کے ایمان ایک ایسی کنجی ہوگی جس میں دندانے نہ ہوں، جس طرح بغیر دندانے والی کنجی سے تالانہیں کھلتا ہے اسی طرح ایسا ایمان جوعمل سے خالی ہواس سے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا، لہذا اگر ہم دنیا وآخرت میں کامیاب وفائزالمرام ہونا چاہتے ہیں توہمارے لئے ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کاذخیرہ جمع کرنا ازبس ضروری ہے ،قرآن کریم میں اکثر مقامات میں جہاں ایمان کاذکر ہےاس کے بعدعمل صالح کوبھی لازماً ذکرکیا گیاہے ایسا معلوم ہوتاہے کہ ایمان وعمل صالح دونوں توأم ہیں، وہ ایمان جوصرف نوک زبان تک محدودرہتاہے اوراس کااثر انسانی زندگی پرکچھ نہیں ہوتا،اعضائے انسان آنکھ،کان، ناک،دل ودماغ سے اگراس کااظہار نہ ہوتووہ ایک بے معنی سالفظ بن کر رہ جاتاہے جس کی کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں ہے، علامہ اقبالؒ نے کیاخوب ترجمانی کی ہے ؎

زباں سے کہہ بھی دیالاَ اِلٰہَ توکیاحاصل
دل ودماغ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اقرار لسانی کے ساتھ اعمال سے اس کی تائید وتصدیق اشدضروری ہے، متقین مومنین کاتعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اعمال کوخاص طورسے ذکرفرمایا ہے : ﴿الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقناھم ینفقون﴾(بقرۃ:۳)

ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ ،انفاق فی سبیل اللہ ان سب اعمال کوایمان کی دلیل اورعلامت کے طور پرذکر فرمایا:﴿قدافلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغومعرضون ،والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حافظون ، إلا علی ازواجھم اوماملکت أیمانھم فإنھم غیرملومین﴾(مومنون: ۱،۹)

اہل ایمان کی کامیابی کوان اعمال کے ساتھ مشروط قرار دیا گیاہے جن کاذکران آیات کریمہ میں ہے۔

یہ کتاب دراصل ایمان وعمل کے لئے ایک معیار وکسوٹی ہے، ہرشخص اپنے ایمان وعمل کواس کسوٹی پر بآسانی پرکھ سکتاہے اوربخوبی معلوم کرسکتاہے کہ ہمارے اندرایمان وعمل صالح کاجوہرکس قدرہے، ہرکلمہ گومسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ازسرنو اس کتاب کی روشنی میں اپنے ایمان وعمل کاجائزہ لےکراپنے آپ کوغیراسلامی اطوار وعادات اوررسوم قبیحہ سے پاک وصاف کرے اوراپنے اندرمومنانہ اخلاق وصفات پیداکرنے کی سعی جمیل کرےموجودہ مصائب وحوادث کابھی یہی واحدحل ہے۔

اہل ایمان کے لئے جووعدے اور بشارتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ان کا استحقاق دوشرطوں سے مشروط ہے،ایک ایمان، دوسراعمل صالح کما قال تعالیٰ﴿وأنتم الأعلون إن کنتم مؤمنین﴾(آل عمران: ۱۳۹)

یعنی تم ہی سربلنداورغالب رہوگے اگرتم صحیح معنی میں مومن رہے۔

دوسری جگہ ارشادربانی ہے:﴿إن الارض یرثھا عبادی الصالحون﴾(انبیاء:۱۰۵)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس بات کاصاف صاف فیصلہ کردیاہے کہ اس زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی رہیں گے جوایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح سےبھی

اپنے آپ کومزین رکھتے ہیں انھیں کوخلافت ارضی حاصل ہوگی اوروہی اقتدار وحکومت کے مالک ہوں گے ،یہی مومنین صالحین دنیا کی قسمتوں کا فیصلہ کریں گے،ساری دنیاان کے نام سےلرزاٹھے گی اوروہ کسی سے خائف ومرعوب نہ ہوں گے۔

لیکن حیف صدحیف! آج معاملہ اس کے برعکس ہے ہم سب سےڈرتے ہیں اور ہم سے کوئی نہیں ڈرتا،جنھیں ہم سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ تھی وہ ہمارے خون سے ہولی کھیلتے نظر آرہے ہیں، یہ قلب موضوع کیوں ہوا؟ کبھی ہم نے اس پرغور کیا کہ آخر یہ معاملہ کیوں الٹ گیا؟اس کی واحدوجہ یہ ہے کہ ہم سے ہماراحقیقی ایمان رخصت ہوچکاہے، ہم صرف نام کے مسلمان ہیں کام کےنہیں، ہماری زندگیوں میں صالحیت کا کچھ بھی اثرنہیں، ہمارے دل خوف خدا سے بالکل خالی ہیں،یہی اس کامختصراورصحیح جواب ہے،سلفی مکتبہ فکر کے مشہور مفسرابن کثیر رحمہ اللہ نے ایمان کی تفسیر کرتے ہوئے لکھاہے ''**الخشية خلاصة الإيمان**'' خوفِ خداوندی ایمان کا خلاصہ ہے۔

ابوجعفر رازی رحمہ اللہ نے ربیع ابن انس کے واسطے سے ''یُؤْمِنُوْنَ''کی تفسیر ''**یخشون**'' سے کی ہےاورمتعدداہل علم نے اللہ تعالیٰ کےقول ﴿**ان الذين يخشون ربهم بالغيب**﴾ (ق: ۳۲) اور﴿**من خشي الرحمن بالغيب وجآء بقلب منيب**﴾ سےاستدلال کرتے ہوئے ایمان کی تفسیرخشیت الٰہی سے کی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ۱/ ۱۰)

جب ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھےتو دنیا کی ساری چیزیں ہم سے ڈرتی تھیں،انسان توانسان درندے بھی ہم سےخوف کھاتے تھے،ہمارے ہی خوف سے مرعوب ودہشت زدہ ہوکرغیروں کے منھ سے ''دیواں آمدند'' کی چیخ نکلی تھی لیکن جب ہمارے دلوں سے خوف خداغائب ہوگیا توہم دنیا کی ساری چیزوں سے ڈرنے لگے اورہم سے کوئی نہیں ڈرتا، خوف خدا سے متعلق بہت سارے مستندواقعات آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔

ضرورت ہے کہ ہم تاثراوراثر پذیری کے جذبہ سے سرشارہوکران واقعات کو پڑھیں اوران سے بھرپورنصیحت حاصل کرکےاپنے دلوں کوخوف خداسےمعمورکریں۔

ان شاءاللہ اس کتاب کا مطالعہ ناظرین میں ایمان کی بالیدگی وزیادتی کاباعث ہوگا جولوگ بغوردیدۂ عبرت نگاہ سے اسے پڑھیں گےان کے ایمان میں بالیقین جلا وچمک پیداہوگی اوران کےقلوب انوارربانی سےمنورروشن ہوجائیں گے،درحقیقت یہ وقیع کتاب زنگ خوردہ قلوب کے لئے ایک بہترین صیقل ہےاوراہل علم واہل ذوق حضرات کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے،انسانی قلوب کومجلیٰ ومصفٰی بنانے میں یہ کتاب ان شاءاللہ اہم رول ادا کرےگی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کی زندگیوں میں خوشگوارانقلاب پیداکرے،عوام وخواص کواس سے بھرپور استفادہ کی توفیق بخشےاورانھیں ''اِیْمَانٌ وعَمَلٌ''کی صحیح روح اورحقیقی زندگی نصیب فرمائے اوراس کتاب کومؤلف حفظہ اللہ کے لئے ذریعۂ نجات اورتوشۂ آخرت بنائے۔(آمین)

ع ایں دُعا ازمَن و ازجُملہ جہاں آمین آباد

والسلام

عبدالحنان فیضی

۞۞۞

مقدمہ برکتاب تحفۂ رمضان المبارک

مولفہ عبدالمنان عبدالحنان سلفی

حامدا و مصلیا، امابعد !دورحاضر میں اسلام اوراہل اسلام کی انتہائی غلط تصویر اقوام عالم کے سامنے پیش کی جارہی ہے،جس کے سبب اسلام اوراس کے ماننے والوں سے بغض وعناد میں روز بروز اضافہ ہورہاہے،ایسے پس منظرمیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلام کی صحیح ، سچی اور فطری تعلیمات کی نشرواشاعت کی جائے اورساتھ ہی ساتھ تمام مسلمانوں کواس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے آپ کواسلامی اخلاق واقدار سے اس طرح آراستہ وپیراستہ کریں اوراسلامی قوانین کواپنی زندگی میں اس طرح نافذکریں کہ دوسرےلوگ انھیں دیکھ کراسلام کی سچی تعلیمات کوآسانی سے سمجھ سکیں اورمسلمانوں کاہرفرداسلامی تعلیمات کا عملی مجسمہ نظرآئے۔

اسلامی تعلیمات عام کرنے کےمختلف ذرائع ہیں، تقریر وتحریر، تصنیف و تالیف، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اوروعظ وتذکیر،ان سبھی طریقوں سے یہ فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے،وعظ وتذکیر کےفوائدوبرکات اپنی جگہ مسلّم ہیں،قرآن کریم میں پیارے نبیﷺ کواس کام کی ہدایت فرمائی گئی، چنانچہ ارشادربّانی ہے کہ ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورة الذّاريات: ۵۵) کہ اے نبیﷺ یاد دلائیے بیشک یاددہانی سےمومنوں کوفائدہ حاصل ہوتاہے۔

وعظ وتذکیر کی ضرورت یوں تو ہرمسلمان کو ہروقت رہتی ہے مگرماہ رمضان المبارک میں اس کی افادیت بڑھ جاتی ہے،اس مبارک مہینہ میں چونکہ رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اورانوارربانی کی بارش ہوتی ہےاس لیےلوگوں کے دلوں میں نیکیوں کےحصول کی رغبت پیداہوجاتی ہےاورہرمسلمان کے دل میں رشدوہدایت کی باتوں کوقبول کرنےاورماننے کا جذبۂ صادق موجزن ہوتا ہے، اس لیے اس سنہری موقع پر درس وتدریس کےسلسلہ کوجاری رکھناانتہائی مفیدوضروری ہےکہ درس قرآن وحدیث،وعظ وتذکیرکااہم ترین ذریعہ اوروسیلہ ہے۔

ایسے علمائے کرام جن کے قلوب علوم دینیہ سے معمورومنورہیں وہ اپنےعلم کےمطابق موقع ومحل کی مناسبت سےقرآن وحدیث کا درس آسانی سے دے سکتے ہیں،لیکن معمولی پڑھےلکھےاردوداں ائمہ مساجدحضرات کے لیے یہ کام مشکل ہے، ایسے لوگوں کے لیے میرے فرزندعزیزم مولوی عبدالمنان سلفی سلمہ نے رمضان المبارک کےتیس دروس کوترتیب دےکردعوتی فریضہ انجام دینے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی نیتوں میں اخلاص پیدا کرے اورعزیز موصوف کی اس حقیردعوتی کوشش کوقبول فرماکراسے مرتب اوران کے جملہ اہل وعیال بالخصوص والدین کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔(آمین)

حضرات علمائے کرام بھی اس رسالہ سے پورا پورا فائدہ اٹھاسکتے ہیں کیوں کہ عزیزمرتب نےاپنی محنت سےکافی مواداس میں فراہم کردیاہے،اللہ تعالیٰ رسالہ کوعوام وخواص کےلیےمفیدونفع بخش بنائےاورمرتب عزیزکوآئندہ بھی اس طرح کی دعوتی وعلمی خدمات کی توفیق بخشے۔(آمین)

دعاگو

عبدالحنان فیضی

۱۴/رجب ۱۴۲۱ھ

دعا و تبریک برکتاب
مناسک حج وعمرہ وقربانی

مولفہ عبدالمنان عبدالحنان سلفی

بسم الله و الحمد لله و الصلاة و السلام علی رسول الله، أما بعد!

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ میرے بیٹے عزیزم مولوی عبدالمنان سلفی سلمه الله و وفقه بکل خیـر نے ''**مناسک حج وعمرہ وقربانی**'' کے سلسلہ میں ایک رسالہ مرتب کیا ہے اوراب وہ اسے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اورصحت وعافیت کے ساتھ انھیں مزید دعوتی وعلمی خدمات کی توفیق بخشے، آمین۔

میں اپنے بڑھاپا، بینائی کی کمزوری اور دیگر عوارض کے سبب کتاب کو بالاستیعاب اورحرفاً حرفاً تو نہ پڑھ سکا، مگر فہرست مضامین سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ آں عزیز سلمہ نے موضوع کے ہر گوشہ کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے تعلق سے مجھے یہ پہلے سے معلوم ہے کہ وہ کوئی بات بلاتحقیق اورحوالہ نہ بولتے ہیں اور نہ لکھتے ہیں، اس لیے مجھے حسن ظن ہے کہ ان شاء اللہ اس تحریر میں بھی ان کی یہ خوبی ضرور نمایاں ہوگی۔ حج وقربانی اور مسجد نبوی کی زیارت کے بعض مسائل بہت حساس اور نازک ہیں، مجھے پوری امید ہے کہ ان کے بیان میں انھوں نے احتیاط کو ضرور ملحوظ رکھا ہوگا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ بعض اختلافی مسائل میں شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے رجحان کو ذکر کیا گیا ہے۔ ہم لوگ بھی حضرت شیخ الحدیث ہی کے فتویٰ کو راجح سمجھتے آرہے ہیں، اس لئے کہ وہ کتاب و سنت کے دلائل سے آراستہ ومزین اور نہایت متوازن اور معتدل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبول بخشے، آمین۔

اس سے قبل بھی عزیزم مولوی عبدالمنان سلمہ دینی موضوعات پر بعض کتابیں اور رسالے لکھ چکے ہیں جنھیں الحمد للہ قبولیت عام حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو بھی مقبول خاص وعام اور سب کے لیے اسے مفید بنائے اور عزیز مرتب، ان کے والدین، اساتذۂ کرام اور بال بچوں کے لئے ذریعۂ نجات قرار دے، نیز اخلاص اور صحت وعافیت کے ساتھ ان سے اپنی دین کی خدمت مزید لیتا رہے۔ آمین۔

قارئین کرام میرے لیے بھی دعا فرماتے رہیں گے، اللہ میری ٹوٹی پھوٹی حقیر ومعمولی خدمات کو قبول فرمالے اور ایمان واسلام پر خاتمہ نصیب کرے، آمین۔ و صلَّی الله علی سیدنا محمد و آله و صحبه و بارَکَ وسلَّم۔

والسلام

دعا گو

عبدالحنان فیضی

۱۵ر ستمبر ۲۰۱۲ء

❁❁❁

کلمات دعاء وتبریک
برکتاب تنویرالإیمان
مؤلفہ مولاناوصی اللہ مدنی

اسلام میں عقیدہ کوغیر معمولی اہمیت حاصل ہے، تمام احکام وافعال کا انحصار اسی عقیدہ پر ہے، اگر عقیدہ صحیح ہے تو اعمال وافعال لائق اعتناء وقابل لحاظ ہیں، اور اگر خدانخواستہ عقائد درست نہیں تو ہمارے اعمال مقبول ہوں گے اور نہ ان پر ثواب ملنے کی امید ہے۔

عزیز گرامی مولاناوصی اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے زیر نظر رسالہ ''**تنویرالإیمان**'' کو جمع کر کے اس باب میں ایک گرانقدر اضافہ فرمایاہے، جس کا مقصد عقائد باطلہ اور توہمات فاسدہ کا ازالہ ہے، لوگوں کے قلب وذہن سے ان غلط عقائد کو دور کر کے ان کی جگہ سلفی عقائد (جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں) کو راسخ کرنا ہے۔

یہ رسالہ شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے مشہور رسالہ ''تقویۃ الإیمان'' کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیاہے، لیکن اس کی افادیت کو عام کرنے اور افہام وتفہیم کو سہل وآسان بنانے کے لئے درج ذیل امور کالحاظ کیا گیاہے۔

(۱) کتاب کو سوال وجواب کے انداز پر ترتیب دیا گیاہے تاکہ طلبہ کو اسے سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔

(۲) شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ پر مخالفین نے جو شکوک وشبہات پیش کئے ہیں اور جن کی بناپر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیاہے ان سب کا ذکر مختصر طریقہ پر کر کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیاہے اور ان عبارتوں کی صحیح توجیہ کی گئی ہے۔

(۳) بیان وزبان میں قدرے تصرف کر کے پوری کتاب کو موجودہ اردو زبان کے قالب میں ڈھال دیا گیاہے۔

یہ رسالہ ان مذکورہ بالا امور اور دیگر فوائد کی بناپر اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت کو عام کیا جائے اور اسے ہر گھر میں پہنچایا جائے تاکہ معاشرہ اور سماج میں موجود مشرکانہ وبدعی عقائد اور غلط رسم ورواج اور باطل توہمات سے مسلمان احتراز کرسکیں۔

برادران وطن کے بہت سارے توہمات جن سے اہل اسلام بھی متاثر ہیں ،مثلاً بلی یا لومڑی نے راستہ کاٹ دیا تو سفر کو منحوس سمجھ کر سفر بند کردیں گے، کسی بات پر کسی نے چھینک دیا تو اسے خیال ہوگا کہ کام پورا نہیں ہوگا، رات میں سانپ کو سانپ نہ کہو اس کی وجہ سے سانپ گھر میں آجائے گا، آنکھ پھڑکنے سے بھی بہت سارے غلط نتائج اخذ کئے جاتے ہیں ''پھرکے آنکھ بیاں- بیرن آئیں یاسیاں'' آنکھ کا پھڑکنا ضعف چشم کی وجہ سے ہے، ان سب اوہام کا عقل سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو خواص وعوام میں قبول عام عطا فرمائے اور مرتب کے لئے اسے ذریعہ نجات بنائے اور معاشرہ میں پھیلے ہوئے باطل افکار وتوہمات سے بچنے کے لئے یہ رسالہ مشعل راہ ثابت ہو۔

ایں دعا از من جملہ جہاں امین آباد

دعاگو

عبدالحنان فیضی

۳/جولائی ۲۰۰۸ء

۲۸/جمادی الأخری ۱۴۲۹ھ

۞۞۞

زیرنظر تحریر شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی ہے جسے انھوں نے اپنے عزیز ڈاکٹر سعید احمد اثری رحفظہ اللہ کی خواہش واصرار پر تیار کیا تھا اور جسے بچیوں کی سالانہ انجمن کے موقع پر مربیہ انجمن کی جانب سے پیش کیا گیا تھا، اس مختصر مگر جامع تحریر میں خواتین ملت سے متعلق بعض اہم شرعی امور کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، اسی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس خصوصی اشاعت میں یہ تحریر پیش کی جارہی ہے۔(ادارہ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبيه وآله وصحبه أصحابه أجمعين وبعد!

اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشتر

ليس الجمال باثوابٍ تزيّننا
إن الجمال جمالُ العلم والأدَبِ

لائق احترام حضرات وقابل تعریف معلمات اورعزیز طالبات! ہم سب کے لئے بہت ہی مسرت اورخوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امسال یہ سنہری موقع عطا فرمایا کہ ہم ندوۃ البنات کے سالانہ اجلاس کے انعقاد کا اہتمام کریں، جس میں بچیاں اپنی اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

الحمدللہ! تمام طالبات نے انتہائی ذوق وشوق سے اس کے تمام پروگراموں میں شرکت کی اور غیر معمولی رغبت ودلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے پروگراموں کو کامیاب بنانے کی انتھک کوشش کی، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں اورمحنتوں کو قبول فرمائے اورانھیں قوم وملت کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔(آمین)

دراصل یہی طالبات اصلاح معاشرہ کی خشت اول ہیں، اصلاح معاشرہ کی ابتداء انھیں کے آغوش میں ہوتی ہے، بچے فطری طور سے نقال ہوتے ہیں، اپنی ماں کی تمام حرکات وسکنات کی نقالی کرتے ہیں، ماں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بچے کے سادہ وصاف وشفاف ذہن میں چھپے رہتے ہیں، جو ماں کرے گی وہی بچے بھی کریں گے، جوالفاظ ماں کی زبان سے نکلیں گے انھیں الفاظ کو بچہ بھی ادا کرے گا، اس لئے عورتوں کوعلم دین سے آراستہ کرنا بہت ہی ضروری ہے۔

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے
لڑکی جو بے پڑھی ہو تو بے شعور ہے

تاکہ مائیں اپنے بچوں کو صحیح طریقہ سے دینی تربیت کرسکیں، اسی لئے شریعت نے بہت سی چیزوں میں عورتوں کو مردوں کا شریک بنایا ہے۔

علم دین جس طرح مردوں کے لئے ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔

بخاری شریف جزاول میں ایک حدیث مروی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید کا خطبہ دیا اورآپ نے سمجھا کہ عورتوں تک ہماری آواز نہیں پہونچی ہے، کیونکہ عورتیں مردوں کے پیچھے رہتی ہیں، آپ عورتوں کے مجمع میں آئے اوران کو آپ نے الگ سے وعظ ونصیحت فرمایا اور دین کی بہت سی باتوں سے انھیں آگاہ اورخبردار فرمایا اوران کو صدقہ وخیرات کرنے کی رغبت دلائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی معلومات کے سلسلہ میں آپ نے عورتوں کو نظرانداز نہیں فرمایا اسی لئے آپ نے

ان کوا لگ سے نصیحت فرمائی۔

علم دین حاصل کرنے کا جذبہ خیرالقرون کی عورتوں میں بہت زیادہ پایا جاتا تھا،اس کا اندازہ آپ بخاری شریف کی دوسری حدیث سے لگائیں،جس کا مفہوم یہ ہے کہ بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ مرد ہمیشہ آپ کی مجلسوں میں شریک رہتے ہیں اورآپ سے فیض یاب ہوتے ہیں اورانھیں برابر دینی معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں،لیکن ہم عورتیں اس سے محروم ہیں،لہذا آپ ہمارے لئے کوئی دن مقرر کردیں جس میں آپ ہمیں دین کی باتوں سے آگاہ فرمائیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی اوران کے لئے ایک دن مقرر فرمایا جس میں آکرآپ نے انھیں دین کی باتوں سے خبردار کیا، اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحابیات میں علم دین حاصل کرنے کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا، وہیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کا الگ سے اجتماع کرنا کہ جس میں صرف عورتیں ہی شریک ہوں جائز ہے۔

یہ حدیث آج کے اجتماع کے جواز کی بین دلیل ہے، عورتیں نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ تمام چیزوں میں برابر کی شریک ہیں،مردوں کی طرح وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاسکتی ہیں، لیکن مسجد میں نماز کے لئے جانے سے پہلے شوہر سے اجازت لینی ضروری ہے،لیکن آپ کی پیاری حدیث ہے کہ ''لاتمنعو إماءَ اللهِ مِنَ المساجد''

مردوں کورسول اکرم ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے کہ عورتوں کومسجد جانے سے نہ روکو اگر وہ مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو فوراً اجازت دے دو۔

حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ کی بیوی مسجد میں نماز پڑھنے کیسے جایا کرتی تھیں،لیکن عمر بن خطاب کوان کا مسجد میں جانا ناگوار معلوم ہوتا تھا، کچھ لوگوں نے ان کی بیوی سے کہا کہ جب تمہارے شوہر کومسجد میں جانا ناگوار ہے توتم مسجد میں نہ جاؤ،توان کی بیوی نے کہا کہ اگر انھیں ناگوار ہے تو وہ مجھے روک دیں، روکتے کیوں نہیں ہیں، چونکہ بیوی کومعلوم تھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں روکنے کی ہمت نہیں ہے۔

عورتیں عیدگاہ میں جاسکتی ہیں بلکہ عیدگاہ میں جانے کا تاکیدی حکم ہے، اتنی زبردست تاکید کی گئی ہے کہ اگرکسی عورت کے پاس چادر، نقاب نہ ہوتو دوسری سہیلی کی چادر میں لپٹ کر چلی جائے مگر جائے، رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کوعیدگاہ جانے کی اتنی تاکید کی ہے کہ ایسی عورتیں بھی عیدگاہ میں جائیں جونماز پڑھنے کے قابل نہیں ہیں، البتہ ایسی عورتیں نماز نہیں پڑھیں گی،لیکن دعا میں شریک رہیں گی۔

البتہ عورتوں کے لئے باہر نکلنا چند شرطوں سے مشروط ہے:

(۱) خوشبو،عطر،سینٹ وغیرہ سے عورت پاک وصاف ہو۔

(۲) کوئی ایسا زیور نہ پہنے ہو،جس میں آواز پیدا ہوتی ہو۔

(۳) اس کا تمام جسم ڈھکا ہوا ہونا چاہئے، حدیث میں آتا ہے کہ ان کا نقاب اتنا بڑا ہوکہ دونوں قدموں کے پشت کوڈھانپ لے۔

(۴) نقاب ولباس بھڑکیلا وجاذب نظر نہ ہو،عورتوں کو چمک داراورزرتار برقع سے احتراز کرنا بہت ہی ضروری ہے، اسی فیشن ایبل برقع کے بارے میں ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؂

وہ مصری نمونے کا زرتار برقع
وہ چمکیلا رنگین طرح دار برقع
پۓ غیر بیکار و بیمار برقع
جو اپنے ملیں تو حیا دار برقع

ہماری بعض بہنیں فیشن کے طور پر بال کو کاٹتی ہیں یہ ان کی بہت بڑی جہالت وحماقت ہے، بال عورت کی زینت ہے اسے کاٹنا اپنی زینت کوختم کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے حسن وزیبائش کے لئے بنایا ہے، اس لئے اس کا کاٹنا بالکل حرام ہے۔

ایک پاکستانی شاعر نے اس فیشن پر اس طرح نقد کیا ہے ؎

ادھر سایا فیشن سے درزی نے کاٹا
ادھر زلف کو تیز قینچی نے کاٹا
غضب ہے ستم ہے کسی رفعیٰ نے کاٹا
اسے مار فیشن پرستی نے کاٹا

بہت سی صحابیات غزوات اور لڑائیوں میں بھی شریک ہوتی تھیں، زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، درد کی درماں بنتی تھیں اور ان کی مرہم پٹی بھی کرتی تھیں۔ علامہ اقبال نے جنگ طرابلس میں فاطمہ کا قصہ اس طرح نقل کیا ہے ؎

فاطمہ تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تری مشت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیان دین کی سقّائی تری قسمت میں تھی

عورتوں کو مردوں کے شانہ بہ شانہ لڑنے کی اجازت نہیں ہے یہ کام صرف مردوں کا ہے، اسی لئے آپ نے عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ'' یعنی عورتوں کا جہاد حج ہے۔

بہت سے مواقع پر عورتوں نے قابل تعریف فراست وبصیرت کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی صرف دو مثالیں عرض کی جارہی ہیں:

(۱) رسول اکرم ﷺ چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے تھے لیکن کفار مکہ نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو عمرہ کرنے سے مقام حدیبیہ میں روک دیا، رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کردو اور حلال ہوجاؤ، لیکن کوئی صحابی اپنی قربانی کو ذبح نہیں کررہا تھا، آپ ﷺ بہت مضطرب اور پریشان ہوئے کہ آخر معاملہ کیا ہے کہ ہمارے ساتھی ہمارا حکم نہیں مانتے ہیں، آپ ﷺ اسی اضطراب کے عالم میں خیمہ سے باہر آئے پھر خیمہ میں داخل ہوئے جیسا کہ مضطرب وپریشان آدمی کا حال ہوتا ہے، ازواج مطہرات میں غالبًا ام سلمہ ہیں آپ کی پریشانی کو بھانپ گئیں اور انھوں نے آپ سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ آپ کیوں پریشان ہیں؟ آپ نے سارا قصہ بتایا، ام سلمہ نے فوراً آپ سے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، پہلے آپ خود اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کریں، آپ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی قربانی کو ذبح کردیا، جیسے ہی آپ نے اپنے جانور کو ذبح کیا اس کے فوراً بعد تمام صحابہ کرام دھڑا دھڑ اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرنے لگے، دیکھئے ایسے موقع پر ایک عورت کی فراست کام آئی۔

دوسری مثال: ۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی اور رسول اکرم ﷺ بہت پریشان ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے عائشہ! اگر واقعتاً تو پاکدامن ہے اور گناہ سے بَری ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں بری کردے گا اور اگر خدانخواستہ تجھ سے گناہ کا ارتکاب ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور اللہ سے توبہ کر، اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول کرنے والا ہے اور معاف کرنے والا ہے، ایک عورت کے لئے اس سے نازک اور کوئی گھڑی نہیں ہوسکتی ہے کہ اس کی عزت وناموس پر حملہ کیا جائے اور اس پر زنا جیسے فعل قبیح کی تہمت لگائی جائے، سوچئے ایسے وقت میں ایسی عورت کا ذہن

ودماغ کتنا متاثر اور ماؤف ہوگا،لیکن اس کے باوجود عائشہ رضی اللہ عنہا کی فراست وذکاوت ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں سے کہا کہ اماں جان! رسول اکرم ﷺ کی بات کا جواب دیجئے ان کی ماں نے معذرت فرمائی اور کہا کہ بیٹی میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں آپ کو کیا جواب دوں، پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابو جان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ ابو جان! رسول اکرم ﷺ کی بات کا آپ جواب دیں، انھوں نے بھی عذر کیا کہ بیٹی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے کہ میں آپ کو کیا جواب دوں، جب ماں باپ دونوں نے جواب دینے سے معذرت کی تو اس کمسن لڑکی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کتنا بہترین جچا تلا معقول جواب دیا اور کہا کہ معاملہ بیحد نازک ہے اگر جھوٹ موٹ میں اقرار جرم کرلوں حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس جرم سے بَری ہوں تو آپ لوگ مجھے صادق سمجھیں گے اور میری بات کی پُرزور تصدیق کریں گے اور اگر میں انکار کروں تو آپ لوگ میری تکذیب فرمائیں گے اور مجھے جھوٹا خیال کریں گے، اس لئے ایسے موقع پر میں یعقوب کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے وہی بات کہتی ہوں جو یعقوب نے یوسف کے گم ہونے کے وقت کہی تھی، یوسف کے بھائیوں نے انھیں کنوئیں میں ڈال دیا اور یعقوب سے کہا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا، یعقوب ان کی عیاری ومکاری کو اچھی طرح سمجھ گئے اور کہا ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلىٰ ماتصفون﴾

یعنی حضرت عائشہ نے کہا کہ میرے لئے سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

ایک اہم گزارش:۔ تمام بہنوں سے میری پُرزور گزارش ہے کہ وہ تعلیم دین کے میدان میں جذبۂ مسابقت سے سرشار ہوکر اپنے آپ کو علم دین کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں اور اس میں اپنی ساری طاقت وقوت کو صرف کردیں اور کسی طرح مردوں سے پیچھے نہ رہیں، بلکہ ان سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کریں، عورتوں میں سے بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دین کی فقیہہ اور مجتہدہ تھیں، دینی مسائل کو معلوم کرنے میں شرم وحیا کو آڑ اور رکاوٹ نہیں بناتی تھیں۔

رسول اکرم ﷺ نے انصار کی عورتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا''**نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الحيَاءُ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ**'' کہ انصار کی عورتیں بہت اچھی عورتیں ہیں کہ دینی معلومات حاصل کرنے میں حیا ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنی، عصمت کی حفاظت ہر عورت کا دینی وملی اور اخلاقی فریضہ ہے جسے ہر حال میں اسے ادا کرنا ہے، جان چلی جائے مگر عصمت وعفت پر حرف نہ آنے پائے۔

حضرات! شیریں زبانی عورتوں کی خاص صفت ہے ہر بہن کو اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنی چاہئے اور دل خراش اور دل آزار، جلی کٹی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ ایسی باتوں سے گھر کا نظام ابتر ہوجائے گا اور روزانہ فتنہ وفساد برپا ہوگا، اس کے برخلاف اگر عورت کی زبان شیریں ہے تو اس سے گھر کی فضا بہت خوشگوار ہوگی اور ایسا گھر فتنہ وفساد سے محفوظ رہے گا۔

بنوگی خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہوکر
جہاں گیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہوکر

آخر میں ہم تمام سامعین وسامعات اور منتظمین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم مسلمان عورتوں اور مردوں کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کی توفیق بخشے۔ (آمین)

۞۞۞

مفتی محترم کے فتاویٰ جات کی خصوصیات اور نمونے:

افتاء وقضاء کا شعبہ امت مسلمہ کی ایک اہم دینی ضرورت ہے، اسلام نے اہل اسلام کے عائلی ومعاشرتی، معاشی واقتصادی اور شرعی وفقہی مسائل کی پیچیدگیوں اور پیش آمدہ جدید وقدیم مسائل و معاملات کے تصفیہ وحل کے لئے جو نظام بنایا ہے اس کو اصطلاح میں افتاء وقضاء سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس شعبہ کا قیام دورِ نبوی میں ہو چکا تھا اور امت مسلمہ کے سب سے پہلے مفتی سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ اپنے اصحاب کے پیش آمدہ مسائل کا حل احکام الٰہی کے مطابق پیش فرماتے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تسلسل کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منتقل ہوتے ہوئے بابصیرت علماء، کہ جن کو کتاب وسنت میں درک اور تفقہ حاصل تھا، تک پہنچا اور اسی سلسلے کی کڑی میرے دادا شیخ الحدیث مفتی عبدالحنان رحمہ اللہ بھی ہیں جو اپنی خداداد صلاحیت اور تفقہ فی الدین کے سبب اس اہم ترین ذمہ داری کے لیے منتخب کیے گئے۔

یوں تو محترم دادا جان کی حیات مبارکہ کے تمام گوشے تابندہ، درخشندہ اور قابل نمونہ ہیں لیکن آپ نے جس میدان میں اپنے جوہر اور قابلیت کو نمایاں طور پر پیش کیا وہ تدریس وافتاء ہے۔ آپ نے 1964 میں جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر میں تدریسی مقصد سے قدم رنجہ فرمایا، آپ کے استاد محترم خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے آپ کی صلاحیت اور علمی جوہر کو ماہر جوہری کی طرح پہچان لیا اور آپ کو مدرس کے ساتھ ساتھ افتاء وقضاء کے شعبہ کا ذمہ دار اور امین بنایا جس کو انہوں نے نہایت ہی خوش اسلوبی اور امانت داری کے ساتھ صرف چار سالوں کو چھوڑ کر تاحیات نبھایا۔

اس اہم شعبے کے قیام کے ذریعہ علماء کی گرفت عوام کے ساتھ مضبوط ومستحکم ہوتی ہے اور آپسی اعتماد کی فضا قائم ہوتی ہے اور عوام علماء کو اپنا رہبر ورہنما تسلیم کرتے ہیں اور وہ شریعت کے اصولوں کی پاسداری کرتے ہیں، اگر یہی گرفت ڈھیلی ہوجائے تو بیشمار مسائل اور جرائم معاشرے میں جنم لیتے ہیں اور آپسی اعتماد و بھروسہ کا فقدان ہوتا ہے۔

دادا محترم کے ان گنت فتاوے کو میں نے انھیں کی رہنمائی میں بہت پہلے ہی فقہی انداز میں مرتب کیا ہے اور اس میں وارد آیات واحادیث اور اقوال کی تخریج وتحقیق کی ہے اور گہرائی سے مطالعہ کر کے بعض مقامات پر علمی اختلاف بھی درج کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طباعت واشاعت کی کوئی سبیل پیدا فرمائے۔ (آمین)

آئندہ صفحات میں دادا محترم کے چند فتوے بطور نمونہ نقل کیے جارہے ہیں تاکہ دادا محترم کی فتویٰ نویسی کا منہج وطریقہ ہمارے قارئین کے سامنے آجائے اور آپ کی خدمات کا یہ حصہ ادھورا نہ رہ جائے، مگر اس سے پہلے دادا محترم کے فتاوی کی چند اہم خصوصیات قلمبند کی جارہی ہیں:

1- آپ کے فتاوی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ وہ کتاب وسنت سے مزین ہوتے تھے عام طور سے علماء کے اختلافات کو ذکر کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

2۔ آپ بلا خوف لومۃ لائم فتوی دیتے خواہ کچھ لوگ اس سے ناراض ہی کیوں نہ ہوجائیں، آپ منکر پر سخت نکیر کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے سختی سے منع کرتے تھے۔

3۔ فتاویٰ عام طور پر مختصر، سہل وآسان، عام فہم اور سلیس و سادہ اسلوب میں ہوتا تھا مگر علمی ومنہجی انداز میں ہوتا تھا۔

4۔ کتاب وسنت میں دلیل نہ ملنے پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتووں کو مستدل بناتے تھے۔

5۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی فقاہت پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور فتاویٰ میں آپ کے ترجمۃ الباب کا تذکرہ کرتے تھے۔

6۔ تشدد کی راہ سے پرہیز کرتے اور وسطیت واعتدال کی راہ کو اختیار کرتے۔

7۔ ہندوستانی علماء میں سید میاں محمد نذیر حسین محدث

دہلوی، صاحب تحفہ محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری رحمہم اللہ وغیرہ کو مرجعیت حاصل تھی جبکہ عرب علماء میں شیخ ابن باز اور شیخ محمد بن صالح العثیمین اور علامہ ابن قدامہ وغیرہ کے فتاویٰ سے استفادہ کرتے تھے۔

8- احادیث کی صحت وضعف کے حکم سے متعلق علامہ محمد ناصرالدین البانی یا شیخ الحدیث مبارک پوری رحمہما اللہ کی تحقیقات پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔

9۔ بسا اوقات مستفتی کے حالات کی رعایت کرتے ہوئے سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتے اور شرک وبدعات سے نفور پیدا کرتے۔

10۔ مستفتی کو دیکھ کر حکم میں لچک نہیں پیدا کرتے تھے۔

11۔ جب تفصیلی فتوی مطلوب ہوتا تو علماء وفقہا کے اقوال بھی قلمبند کرتے تھے۔

فتاویٰ کے نمونے:

مؤذن وامام کی اجرت کے سلسلے میں حکم

سوال: موذن وامام کی اجرت کے سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ھوالموفق للصواب: اذان واقامت دونوں نماز کے لیے ضروری ہیں اگر کسی کو اس فریضے کی ادائیگی کے لئے خاص طور سے مقرر کر دیا جاتا ہے تو اسے اجرت دی جاسکتی ہے اور ایسا آدمی اجرت لے سکتا ہے کیونکہ دونوں اس کا لحاظ وخیال کرتے ہیں اور اپنا وقت صرف کرتے ہیں، ان کی وجہ سے نماز کی ادائیگی وقت سے منظم طریقے سے ہو جاتی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے **باب الخدم للمسجد وقال ابن عباس نذرت لک ما فی بطنی محرراً للمسجد یخدمہ** اور اس باب میں اس مرد یا عورت کا واقعہ ذکر فرمایا ہے جو مسجد کی صفائی کا کام انجام دیتی تھی رات میں اس کا انتقال ہو گیا لوگوں نے آپ کو اس کی اطلاع کئے بغیر اسے رات ہی میں دفن کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری : ۴۶۰)

خلفاء راشدین خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کی اجرت بیت المال سے بقدر کفایت لیتے تھے اور ان کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری امامت بھی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

مردوں کو وسیلہ بنانا حرام ہے

سوال: مردوں سے توسل جائز ہے یا نہیں؟ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ان امور کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ھوالموفق للصواب: مردوں کو وسیلہ بنانا حرام ہے اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنی حرام ہے، بخاری میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اے اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر موجود تھے اور ہم ان کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا اب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں تو تو ہمیں سیراب کردے۔ (صحیح بخاری: ۱۰۱۰)

معلوم ہوا کہ مردوں کے وسیلہ سے دعا کرنی حرام ہے اگر یہ جائز ہوتا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپ کے چچا عباس کے واسطے سے دعا نہ کرتے، مردوں کی ذات وصفات دونوں کا وسیلہ بنانا حرام ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کے واسطے سے دعا کرنی جائز نہیں، مردوں کے وسیلہ سے دعا کرنے والا فعل حرام کا مرتکب ہے البتہ زندوں میں جو صالح اور متقی ہیں ان کے وسیلہ سے دعا کرنی جائز ہے نیز اعمال صالحہ کے وسیلے سے دعا کرنی جائز ہے۔

ایک مجلس کی ایک سے زائد طلاقیں ایک ہی شمار کی جائیں گی

سوال: غصہ کی حالت میں محمد نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق دے دی لیکن اب اسے اپنی زوجیت

میں واپس لانا چاہتا ہے، ایسی صورت میں کیا محمد اپنی بیوی کا حلالہ کرالے یا اسے لوٹانے کا حق حاصل ہے؟

الجواب ھوالموفق للصواب: طلاق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہوا اور ایک طہر میں ایک ہی طلاق دینی چاہیے، ایک مجلس میں تین یا اس سے زائد طلاق دینا درست نہیں ہے، لیکن کسی نے ایسی جہالت کی ہے تو چونکہ شریعت نے ہر چیز میں آسانی رکھی ہے، اس لئے اس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جائے گی۔

''عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و أبی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة'' (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۴۷۲؛ مسند الامام احمد بن حنبل ۶۱/۵ رقم الحدیث ۲۸۷۵عن ابن عباس)

عہد رسالت اور ابوبکرؓ کے پورے دور خلافت اور عمرؓ کے ابتدائی دو سالوں میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں محمد نے ایک ہی مجلس میں جو تین طلاقیں دی ہیں وہ ایک ہی ہوئیں، لہٰذا اسکو لوٹانے کا حق حاصل ہے بموجب آیت کریمہ ''الطلاق مرتان'' (سورة النساء: ۲۲۹) یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ ہے، دو طلاق تک شوہر کو لوٹانے کا حق رہتا ہے، البتہ اسکو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ اب صرف دو ہی طلاقوں کا مالک ہے، عدت اگر باقی ہے تو بلا نکاح لوٹائے اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے تو نئے سرے سے نکاح کر کے لوٹائے، حلالہ مروجہ یہ حلال نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں حرام ہے اور اسے حلالہ کہنا غلط ہے بلکہ اسے حرامہ کہنا چاہیے ''لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم المحلل و المحلل له'' (جامع الترمذی رقم الحدیث: (۱۱۱۹) سنن ابن ماجة: (۱۹۳۴)

شیر خوار بچہ بچی کا پیشاب نجس ہے

سوال: شیر خوار بچہ بچی کا پیشاب پاک ہے یا نہیں؟ اگر ناپاک ہے تو جس کپڑے پر لگا ہو اسکی پاکی کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب ھوالموفق للصواب: شیر خوار بچہ بچی دونوں کا پیشاب نجس ہے البتہ دونوں کی نجاست کے زائل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔

شیر خوار لڑکے کا پیشاب اگر کپڑے میں لگ جائے تو وہ چھینٹا مارنے سے پاک ہو جائے گا لیکن شیر خوار بچی کا پیشاب اگر کپڑے میں لگ جائے تو دھلنا ضروری ہے جیسا کہ حدیث ہے ''یغسل من بول الجاریة و یرش من بول الغلام'' والله اعلم بالصواب . (ابو داؤد (۳۷۶) سنن النسائی (۳۰۵) سنن ابن ماجه(۵۲۶)

مذی ناقص وضو ہے

سوال: مذی ناقص وضو ہے یا نہیں؟

الجواب ھو الموفق للصواب:- مذی ناقص وضو ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقداد بن اسود کے ذریعہ دریافت کرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''توضأ و اغسل ذکرک'' (صحیح بخاری: ۲۶۹) یعنی اپنے ذکر اور بدن و کپڑے کا وہ حصہ جہاں مذی لگی ہے اسے دھل لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

گردن کا مسح کرنا بدعت ہے

سوال: کیا گردن پر مسح کرنا حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب ھو الموفق للصواب: گردن کا مسح صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اس لئے بدعت ہے، اس سلسلہ میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ موضوع ہے ''من توضأ ومسح عنقه، لم یغل بالأغلال یوم القیامة'' (سلسلة الأحادیث الضعیفة ۱۲۷/۲ رقم الحدیث: ۷۴۴)

(انتخاب وپیش کش: سعود اختر عبدالمنان سلفی)

۞۞۞

ضلع مہراج گنج کے مختلف اداروں میں مفتی عبدالحنان فیضی کے انتقال پر اظہار تعزیت

پرتاول (مہراج گنج) (پریس ریلیز) مدرسہ ریاض العلوم السلفیہ بھوگاواں ترکلوا میں ایک تعزیتی میٹنگ کا انعقاد ہوا جس میں مولانا مفتی عبدالحنان فیضی کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ میٹنگ کی صدارت مدرسہ کے ناظم اعلیٰ برکت علی خان نے کی جب کہ نظامت کے فرائض مدرسہ کے پرنسپل مولانا شہاب الدین الفیضی نے انجام دیے۔ موصوف نے کہا کہ مفتی رحمہ اللہ کی وفات سے ایک اہم علمی شخصیت کا خاتمہ ہوگیا۔ مرحوم نے اپنے آپ کو درس وتدریس اور شریعت اسلامیہ کی نشرو اشاعت اور افتاء اور تحقیق کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی زندگی ایک عمدہ استاذ مخلص انسان اور سلف صالحین کا نمونہ اور آئیڈیل تھی۔

انہوں نے بتایا کہ مرحوم کے ایک ہی نرینہ اولاد ہے اور وہ جامعہ سراج العلوم السلفیہ کے سینئر استاذ مولانا عبدالمنان سلفی ہیں جو ضلعی جمعیۃ اہلحدیث سدھارتھ نگر کے ناظم اعلیٰ بھی ہیں۔ انہوں نے آخر میں کہا کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی سیئات کو درگزر کرتے ہوئے ان کی حسنات کو قبول کرے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اس موقع پر مدرسہ کے اساتذہ، ملازمین اور کثیر تعداد میں طلبہ موجود تھے۔

جامع مسجد محمدی پرتاول کے امام وخطیب مولانا عبداللہ خان فیضی ضلعی جمعیت اہل حدیث کے صدر نے کہا کہ مرحوم کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا، ان کے والد ماجد مولانا قمر الزماں دعوتی اور تبلیغی غرض سے موضع سرسیا ململیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ ایک بہت بڑے عالم دین تھے۔ مرحوم کے صاحبزادے، پوتے سب دینی اور دعوتی کام میں لگے ہوئے ہیں۔

افضل حسین ندوی نے کہا کہ مولانا مرحوم کی علمی صلاحیت اور ان کے سند عالی کا اعتراف کرتے ہوئے 2013ء میں سعودی عرب کے مشہور عالم دین ڈاکٹر عبداللہ صالح العبید تلمذ کا شرف حاصل کرنے کیلئے تشریف لائے تھے اور حدیث کی معروف کتابوں کا سند حاصل کیا، انہوں نے مزید کہا کہ اللہ مرحوم کی بشری لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

المعہد الدینی موہرا اگاشی نچلول میں تعزیتی مجلس منعقد کی گئی۔ جس میں مرحوم مولانا عبدالحنان فیضی کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے مولانا ضیاء اللہ پرنسپل مدرسہ ہذا نے کہا کہ مفتی مرحوم علمی دینی درسگاہ جامعہ سراج العلوم کرشنا نگر نیپال میں تقریباً 45 برسوں سے تشنگان علوم نبویہ کی پیاس بجھاتے ہوئے انڈو نیپال کی شہرت وعظمت کا باعث بنے۔ مولانا رئیس الدین سراجی نے کہا مولانا مرحوم ایک جلیل القدر مایہ ناز استاذ حدیث تھے۔ مولانا صابر حسین محمدی نے کہا مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس کے ذریعہ طلباء ومعاشرہ کی اصلاح کرنے میں صرف کردی۔ ابوالقاسم ندوی نے مرحوم کی رحلت سے ملت اسلامیہ کو ایک عظیم خسارہ بتایا ہے۔ تعزیتی مجلس میں محمد رفیق، محبوب عالم، جاوید عالم، منا علی، عاشق علی المعہد الدینی کے اساتذہ وجملہ طلباء نے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل کے لئے دعا کی۔

بزرگ عالم دین مولانا عبدالحنان فیضی کا انتقال

غم ناک ہزاروں سوگواروں وتلامذہ کی موجودگی میں سپرد خاک

شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی کی وفات پر تعزیتی جلسہ

مولانا عبدالحنان فیضی کا انتقال عظیم دینی وملی خسارہ

مختلف مقامات سے آئے ہزاروں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی

مولانا عبدالحنان فیضی کی وفات عظیم دینی و ملی خسارہ

www.roznamasahara.com

مولانا عبدالحنان فیضیؒ کی رحلت پر اظہار تعزیت

متوناتھ بھنجن (ایس این بی)۔ شیخ الحدیث مولانا مفتی عبدالحنان فیضیؒ کی رحلت پر جامعہ عالیہ عربیہ میں ایک تعزیتی میٹنگ منعقد کی گئی جس میں مفتی مرحوم کی وفات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ناظم اعلیٰ جامعہ عالیہ عربیہ مولانا مظہر احسن ازہری نے کہا کہ مفتی صاحب اپنے والد بزرگوار مولانا محمد زماں رحمانی کے علمی وارث تھے مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسا بلرام پور، مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس، جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر، جامعہ سلفیہ بنارس اور پھر جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر سے منسلک رہے اور مسلسل ۶۰ سالہ تعلیمی، تدریسی، دعوتی واصلاحی خدمات سے بھرپور ایک کامیاب اور مثالی زندگی گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وفات کی خبر ملتے ہی جامعہ کا ایک نمائندہ وفد آپ کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی غرض سے جھنڈا نگر روانہ ہوا جس میں ناظم اعلیٰ مولانا مظہر احسن ازہری، نائب ناظم الحاج حافظ صفات احمد، شیخ الجامعہ مولانا شریف اللہ سلفی، نائب شیخ الجامعہ مولانا عبدالرحمن انصاری، مولانا محمد مظہر اعظمی، مولانا عطاء الرحمن مدنی اور عبداللہ ریاضی شامل تھے۔ مولانا عبدالحنان صاحب کی وفات پر جامعہ کی مجلس منتظمہ کے صدر عشرت کمال ایڈوکیٹ، نائب صدر الحاج عبدالودود کراؤن، سینیئر رکن الحاج حبیب الرحمن پہلوان، اراکین جامعہ واساتذۂ کرام نے بھی رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے۔ جماعت اہل حدیث ہند ونیپال کے بزرگ عالم دین، استاذ الاساتذہ اور جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال کے مفتی وشیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی (والد گرامی مولانا عبدالمنان سلفی جھنڈا نگر) کی وفات پر جمعیت اہل حدیث مئو کے جنرل سکریٹری مولوی سرفراز احمد فیضی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ موصوف حقیقی معنوں میں کتاب وسنت کے شیدائی، عظیم موحد، نامور عالم دین اور خطیب تھے، وہ جماعت کے معروف ومشہور عالم ربانی مولانا محمد زماں رحمانی کے فرزند اور آپ کے علمی وارث تھے انہوں نے 85 سال کی طویل عمر پائی اور 60 سالہ زندگی تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ، تحقیق وافتاء اور دین اسلام کی اشاعت میں گذاری، آپ کی طویل علمی اور تدریسی خدمات کے پیش نظر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے تاریخی پاکوڑ کانفرنس کے موقع پر انہیں "آل انڈیا اہل حدیث ایوارڈ" سے سرفراز کیا تھا، برسوں ضلعی ومقامی سطح پر جمعیت اہل حدیث سے منسلک ہو کر دعوتی واصلاحی خدمات انجام دیں، آپ کے فتاوی کا ایک ضخیم علمی مجموعہ اور عظیم الشان ذخیرہ آپ کے علمی وفنی وارث مولانا عبدالمنان سلفی کے پاس موجود ہے (اللہ اسے منظر عام پر لانے کی سبیل پیدا فرمائے) مولانا فیضی کی وفات حسرت آیات پوری علمی دنیا اور جماعت اہل حدیث کا عظیم خسارہ ہے، جس سے ایک روشن علمی عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ مولانا کی وفات پر جمعیت اہل حدیث مئو کے امیر مولانا سہیل احمد مدنی، نائب امیر مولانا حافظ محمد اسلم ریاضی، نائب سکریٹری مولانا حافظ عبدالرحمن عالی، معاون سکریٹری مولوی محمد فاروق اثری، ناظم مالیات الحاج امیر محمد طارق گرہست نے بھی اظہار افسوس کرتے ہوئے تعزیت کی اور بلندئ درجات کی دعا کی۔

وصیت نامہ برائے مولوی عبدالمنان سلمہ

ABDUL HANNAN M. ZAMAN FAIZI
Jamia Serajul Uloom Al-Salafia
Jhanda Nagar, P.O. Krishna Nagar
Distt. Kapil Vastu - Nepal
Ph./Fax (00977-76) 20128

عبدالحنان محمد زمان الفیضی
جامعۃ سراج العلوم السلفیۃ بجھنڈانغر
کرشنانغر، کفل وستو، نیبال

Dated .... التاریخ ....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وصیت برائے عزیزم مولوی عبدالمنان سلمہ اللہ

(۱) نماز باجماعت کا اہتمام کروگے اور اپنی تمام اولاد کو نماز کا پابند بنانے کی کوشش کروگے

(۲) بہنوں کو عدل وانصاف کے ساتھ پورا حصہ دیدوگے اور سب کے ساتھ حسن سلوک کروگے

(۳) میرے ایصال ثواب کیلئے اپنی طاقت کے مطابق صدقہ وخیرات کرتے رہیے

(۴) اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے آمین

(۵) نیک دعاؤں میں اپنی دادی اور دادا اور دوسرے اعزہ کو یاد رکھوگے

دعاگو
عبدالحنان ۱۱ ستمبر ۲۰۱۱ء

مولانا عبدالحنان فیضی کی رحلت پر مختلف اداروں میں تعزیتی نشست

نوگڑھ (سدھارتھ نگر) (ایس این بی) معروف عالم دین مفتی عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کے رحلت پر کلیۃ المحسنات گرلس کالج میں ایک تعزیتی جلسہ کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت مولانا عظیم اللہ سلفی نے کیا۔

جلسۂ تعزیت میں مولانا عتیق الرحمان مجیب رحمانی (مشرف عام) ادارہ ہذا نے کہا کہ مفتی مرحوم کی رحلت ناگہانی ایک ایسا جانگاہ حادثہ ہے جو مدتوں بھلایا نہ جائے گا۔ حقیقی معنوں میں امت کا اور جماعت کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ معروف لیڈر آزاد ڈگری کالج کے منیجر الحاج ممتاز احمد نے کہا کہ مولانا فیضی کی رحلت قوم وملت کے لیے بڑا سانحہ سے کم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور جماعت کو اس کا نعم البدل عطا کرے۔

محمد عمر اثری شیخ الجامعہ نے کہا کہ مفتی عبدالحنان فیضیؒ ایک جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے امت اسلامیہ میں تدریس کے ذریعہ نئی روح پھونکی ہے۔ کلیۃ المحسنات کے شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ سلفی نے کہا کہ مولانا مرحوم اپنی مخلصانہ جدوجہد کا ثمرہ جامعہ سراج العلوم کے مختلف شعبہ تعلیمی۔ تدریسی وتحقیقی شعبوں کو نہ صرف دیکھا بلکہ اس کے اندر تادم حیات معلم ومدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ عتیق الرحمان صفوی نے کہا کہ ملت ایک حلیم الطبع شخصیت سے بہت دور ہوگئی۔ وہ اپنے شاگردوں پر بڑے شفیق اور مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ مجلس میں ماسٹر عبدالمنان بستوی۔ حافظ رحیم الدین عرفانی۔ مقصود احمد۔ ابوشحمہ میکرانی۔ نوشاد احمد۔ منور علی اور محمد عمران میکرانی وغیرہ موجود تھے۔

سانتھا (سنت کبیر نگر): شیخ الحدیث مولانا الحاج عبدالحنان فیضی کے انتقال پرملال پر ضلع سنت کبیر نگر میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی اس موقع پر مختلف مدارس وانجمنوں کے زیر اہتمام دعائیہ مجلس کا انعقاد ہوا اور مولانا مرحوم کی دینی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ جامعہ خدیجۃ الکبریٰ گرلس کالج کرنجوت بازار میں تعزیتی پروگرام کو خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی سلفی نے کہا کہ مولانا فیضی مرحوم ہمارے مشفق استاذ تھے جن کی خدمت میں رہ کر میں نے تعلیم وتربیت حاصل کی اور یہ انہیں کی محنت کا ثمرہ ہے کہ آج لوہرن بازار میں خدیجہ گرلس کالج کے نام سے ادارہ قائم ہے۔ مرحوم ایک انجمن تھے اس موقع پر مولانا محمد احمد فیضی، مولانا محمد حسان کے علاوہ دیگر لوگ موجود تھے اسی طرح انجمن افکار ادب سریاداں میں تعزیتی میٹنگ مولانا مجیب بستوی کی صدارت میں منعقد ہوئی اور مولانا الحاج عبدالحنان فیضی کے انتقال پر رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے مولانا مجیب بستوی مولانا وقار احمد اثری مولانا سراج حمیدی وغیرہ نے کہا کہ مولانا مرحوم اپنی پوری زندگی دین متین کی خدمت میں گذار دی اور رسول اکرم کا اسوہ حسنہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ میٹنگ میں حافظ آصف مجیب مولانا سلمان عارف مولانا سلمان کبیر نگری کے علاوہ انجمن کے دیگر ممبران موجود تھے۔ مدرسہ اسلامیہ فیضان العلوم کرنجوت بازار میں منعقد تعزیتی جلسہ میں مولانا ثناء اللہ ایوبی نے کہا کہ مولانا فیضی فقیہ اسلام سنت وشریعت کے متبع اور بدعات ومنکرات کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ اس موقع پر دعاء مغفرت وپسماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔ مولانا کلیم اللہ، ماسٹر عبدالمنان اور ماسٹر زاہد علی خصوصی طور سے موجود تھے۔

بزرگ عالم دین مولانا عبدالحنان فیضی کا انتقال

غم ناک ہزاروں سوگواروں وتلامذہ کی موجودگی میں سپرد خاک

بڑھنی (ایس این بی) جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال کے مفتی وشیخ الحدیث، محقق وخطیب مولانا عبدالحنان فیضی 85 سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

مرحوم کی پوری زندگی درس وتدریس، افتاء وتحقیق اور خدمت دین حنیف میں گذری، انھوں نے ثانویہ تک جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد مدرسہ فیض عام مئو سے عالمیت وفضیلت کی تعلیم مکمل کی، کم وبیش 4 برس مدرسہ سعیدیہ دارانگر میں مدرس رہے، پھر خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کی دعوت پر اپنے مادر علمی جامعہ سراج العلوم میں تشریف لائے اور کم از کم 10 برسوں تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہوئے اور وہاں 4 سالوں تک تفسیر وحدیث کی کتابوں کا درس دیتے رہے۔ مولانا عبدالرؤف رحمانی ان کو جامعہ میں عالمیت کے شعبۂ کے افتتاح کے بعد 1978ء میں باصرار دوبارہ جھنڈا نگر لے کر آئے اس وقت سے وہ تادم واپسیں جامعہ سے وابستہ رہ کر کسی نہ کسی صورت اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی وفات سے دعوتی وتدریسی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا ممکن نہیں۔ انھوں نے اپنے واحد لخت جگر مولانا عبدالمنان سلفی سمیت پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے ساتھ ایک بھرا پرا سوگوار کنبہ چھوڑا ہے۔

نماز جنازہ میں دہلی، لکھنؤ، گونڈہ، بستی، بلرام پور، سدھارتھ نگر، مہراج گنج، گورکھپور، مئو وغیرہ سے بہت بڑی تعداد میں لوگ شریک دیکھے گئے۔ نماز جنازہ میں ندوۃ السنۃ کے ذمہ دار مولانا شبیر احمد مدنی، مولانا عبدالمعین مدنی نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اللہ سے نعم البدل عطا کرنے کی دعا کی علاوہ ازیں کپل وستو نیپال روپندیہی، نول پراسی، ودیگر مضافات کے سرکردہ علماء وعوام بھی دیکھے گئے، نماز جنازہ مولانا عبدالرحمن رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں ایم آئی ایم کے لیڈر علی احمد صدیقی، سماج وادی لیڈر نثار احمد باغی، سماجی کارکن آفاق احمد چرچل، کلیہ عائشہ صدیقہ کے ناظم اعلیٰ الحاج عبدالرشید خاں، مولانا سعید اختر مدنی، اکرہرا، عقیل احمد مئو، مولانا مظہر احسن ازہری (مئو) ڈاکٹر عبدالعزیز مبارکپوری (مبارکپور) مولانا عبدالمعید مدنی، علی گڈھ، مولانا شہاب الدین مدنی لکھنؤ، مولانا عبدالعزیز بنارس، مولانا شریف اللہ سلفی مئو، مولانا عبدالسمیع مدنی، سنت کبیر نگر، مولانا عبدالرحمن نحوی مئو، مولانا محمد مظہر سلفی مئو، مولانا نسیم اختر فیضی مئو، مولانا عبدالواجد فیضی مہراج گنج، مولانا ابوالعاص وحیدی، ڈومریا گنج، مولانا محمد ابراہیم مدنی، مولانا شبیر احمد مدنی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ضامن علی، مولانا ڈاکٹر محمد یونس، حافظ صفات عالم (مئو) نے شرکت کی۔

مولانا عبدالحنان فیضی کی وفات عظیم دینی و ملی خسارہ

بڑھنی (پریس ریلیز) عالم ربانی حضرت مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کی وفات عظیم دینی وملی خسارہ ہے، آپ کی زندگی تقویٰ وطہارت سے مزین رہی، آپ کی شخصیت سے علمی استفادہ کر کے سیکڑوں شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہیں علمی دنیا میں اعتبار ووقار حاصل ہوا اور شریعت اسلامیہ کی نشرو اشاعت میں وہ اہم کردار ادا کر رہی ہیں، ان خیالات کا اظہار صدر مرکز التوحید وناظم اعلیٰ مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کرشنا نگر نیپال شیخ عبدالعظیم مدنی جھنڈا نگری نے اپنے ایک تعزیتی پیغام میں کیا۔ شیخ الحدیث مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی نے کہا: مفتی مولانا عبدالحنان صاحب فیضی کی وفات ایسے عالم ربانی کی وفات ہے جس کی زندگی عالمانہ سادگی اور زاہدانہ انداز حیات کا نمونہ تھی۔ استاذ مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مولانا عبدالقیوم مدنی نے کہا کہ: استاذ محترم کی وفات ایک اہم علمی شخصیت کا خاتمہ ہے، آپ کی زندگی سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال کے ناظم عمومی مولانا عزیز الرحمن تربت نے کہا کہ مفتی صاحب کے انتقال سے ہم نے ایک بہترین استاذ، مخلص انسان اور عظیم شخصیت کھودی۔ مشرف اداری مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مولانا زاہد آزاد جھنڈا نگری نے کہا کہ مفتی صاحب کئی نسلوں کے استاذ تھے آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت طویل ہے۔ وہ گئے لیکن ایک عالم کو سوگوار چھوڑ گئے۔ جمعیت السلام للخدمات الانسانیہ بھیرہوا کے مؤسس مولانا شمیم الرحمن عبدالغفور اثری، مولانا اشفاق احمد ابلی مدیر مرکز القرآن والدعوۃ والاعمال الخیریۃ بھیرہوا نے خصوصی طور پر نماز جنازہ میں شرکت کی اور اپنے غم کا اظہار کیا۔

MONTHLY **AL-SIRAJ**

जि.प्र.का.द.नं. २४/०७४/७५
जि.ह.का.द.नं. ०५

Publisher: JAMIA SIRAJUL ULOOM AL-SALAFIAH

JHANDA NAGAR, P.O. KRISHNA NAGAR, DISTT. KAPILVASTU, NEPAL

Ph.: 00977-76-520128/520582- E-Mail:jamianp@gmail.com-jamianp@yahoo.com

Jamia New Website: www.jserajululoom.com

April - August-2020

اللہ کالاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ وبائی بیماری کورونا وائرس کی وجہ سے حالات ناسازگار ہونے کے باوجود اس نے ہم کو توفیق بخشی کہ ہم جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے تمام شعبہ جات یعنی شعبۂ پرائمری، شعبۂ عربی، شعبۂ حفظ، الہلال ہائی اسکول اور کلیہ عائشہ صدیقہ سمیت تمام اداروں اور مدرسہ ضیاء العلوم چنزوٹہ کو کھولنے میں کامیاب ہوگئے۔ فللہ الحمد

اگرچہ تعلیمی واقامتی اخراجات کے بالمقابل ہماری آمدنی کے ذرائع پہلے بھی محدود تھے لیکن کورونا وائرس کی وجہ سے لوگوں کے کاروبار پر جو برا اثر پڑا ہے اور آمد ورفت کے ذرائع مسدود ہوجانے سے رمضان میں کوئی چندہ نہ ہوسکا تو اس سے ہماری مالی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا، پھر بھی ہم نے ہمت نہیں ہاری اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے تمام طرح کی تعلیمی سرگرمیاں بحال کردیں تاکہ طلبہ کا سال خراب نہ ہو۔

اب آپ جیسے اصحاب خیر کے تعاون سے ہی جامعہ کے تعلیمی مصارف اور طلبہ کے خورد ونوش کی ضروریات پوری ہونی ہیں۔

امید ہے کہ علوم دینیہ اور علوم قرآن وحدیث کی اس شمع یعنی سراج علم کو جلائے رکھنے کے لئے ہمارے قدم سے قدم ملاکر چلیں گے اور اپنے گراں قدر تعاون سے نوازیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار اور آپ کی تجارت میں خیر وبرکت عطا فرمائے اور آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی ہر طرح حفاظت فرمائے۔ آمین

شمیم احمد ندوی

ناظم جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر

اور ممبران عاملہ واساتذہ وکارکنان جامعہ

Designed By: Irfan Nomani